بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيۡ (سورة یوسف-108)

(اے محمدؐ) کہدو یہ میرا راستہ (طریقہ) ہے میں اور وہ شخص جو میرا تابع ہے (دونوں) اللہ کی طرف (اُس کے بندوں کو) بصیرت پر بلاتے ہیں

حصۂ توضیحات

کتابت:- فقیر الحقیر سید سعید الحق شاہینؔ ابنِ حضرت علامہؒ

شانِ مہدیءِ موعود علیہ السلام

مِنۡ خَاتِمِ الۡوِلَایَةِ ضَوءُالۡهُدَیٰ انیس

صَارَالۡقُلُوبُ تَلۡمَعُ کَالشَّمۡسِ وَالۡقَمَرُ

لَمَّارَاَیۡ الۡکِرَامُ اِلیٰ نُوۡرِ وَجۡهِهٖ

قَالُوا ثِنِیً مُحَمَّدُ الۡمُصۡطُفیٰ ظَهَرَ

استاذناعلامته العصرمولانا محمد سعادت اللہ خاں ہوشّ مندوزی

سابق پرنسپل دارالعلوم کالج بلدہ حیدرآباد دکن

ترجمہ:-

خاتم الولایت کے ذریعہ ہدایت کی روشنی پھیلی   قلوب شمس و قمر کی طرح منور ہوگئے

صاحبِ حال اُن کے رخِ انور کو دیکھ کر   کہنے لگے کہ محمد مصطفیؐ نے دوبارہ ظہور پایا ہے

منظوم تاریخ

از

خان علامہ مولانا محمد سعادۃ اللہ خاں صاحب ہوشؔ مندوزی

اسعدِ علماء نے لکھی | شرح نقول و مرویات
ہے جو باعثِ شرح الصدر | نام ہے جس کا توضیحات
اچھی نیت اچھے کام | اَلا عمال بالنیات
ہوشؔ نے یوں تاریخ کہی | انجم گوہر توضیحات

1950ء

فہرستِ مضامینِ حصۂ توضیحات

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
نعت در شانِ مہدی ءِ موعود علیہ السلام	308	وہ احادیث جن میں مہدی علیہ السلام کی بعثت	
لمعات (تمہید)	338	کا ذکر ہے۔	
لمعۂ اول حمد و صلوٰۃ		مہدی ءِ موعودؑ آلِ رسول ﷺ سے ہوں گے	
لمعۂ دوم بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ	340	مہدی ءِ موعودؑ اور اُن کے والد کا نام حضرت رسول	
خلیفۃ اللہ کی بعثت صرف منشاء و مصلحتِ		اللہ ﷺ اور آپؐ کے والد کا نام پر ہوگا۔	
خدائے تعالیٰ پر منحصر ہے۔	342	قیامت اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ	
وحی "الہام" وکشف کا فرق		مہدی ءِ موعودؑ کی بعثت نہ ہوجائے ۔	
وحی اوراس کے اقسام کی توضیح		مہدی ءِ موعودؑ وسطِ امتِ محمدیہ میں ظہور پائیں گے	

مہدی ءِ موعودؑ خلیفتہ اللہ ہیں اور اُن کی بیعت فرض ہے۔

مہدی ءِ موعودؑ معصوم عن الخطا ہوں گے۔

مہدی ءِ موعودؑ آنحضرتؐ کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔

مہدی ءِ موعودؑ اور مجتہد کا فرق۔

جب مہدی ءِ موعودؑ کی بعثت ہوگی تو آپؑ سے قبل کے مجتہدین کے تمام مذاہب کی کی تقلید بالعمل باطل ہوجائے گی۔

مہدی ءِ موعودؑ کی بعثت کے مسئلہ میں جتنی کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں اتنی کثرت کسی اور مسئلہ کے متعلق نہیں پائی جاتی۔

احادیثِ بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ کو اکابر علمائے اہلِ سنت نے متواتر المعنی تسلیم کیا ہے۔

جو امور تواتر سے ثابت ہوں اُن سے قطعی و یقینی علم حاصل ہوتا ہے جن کا انکار نقل و عقل کے خلاف ہے۔

ابنِ خلدون نے احادیثِ بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ سے جو اختلاف کیا اصولِ محدثین کے خلاف ہے۔

احادیثِ متواترہ میں راویوں کے ضعف و قوت سے بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں احادیثِ مہدی ءِ موعودؑ پر پروپگنڈے کے لئے وضع ہوئی ہیں۔

لمعۂ سوم

بخاری و مسلم میں مہدی ؑ موعودؒ کا ذکر نہ ہونا ۔ 350
امام بخاریؒ کا زمانہ اور اُن کی مشکلات ۔
اصولِ حدیث کے تحت صحیح بخاری کی ایک حدیث پر بحث ۔
صحیح بخاری کو اصح الکتب کہنے کا مطلب ۔
عِلمِ دین کا انحصار صرف بخاری و مسلم پر نہیں ہے
مسائلِ حنفیہ کی بنیاد جن احادیث پر ہے اُن میں کی اکثر احادیث بخاری و مسلم میں موجود نہیں ہیں
بخاری و مسلم اور موطا امام مالک میں مناسبت
امام بخاری نے چھ لاکھ صحیح حدیثیں نکالی جن میں سے احادیث صحیحہ کا کثیر حصہ صحیح بخاری میں درج نہیں ہے ۔
بخاری و مسلم میں بعثتِ مہدی ؑ موعودؒ کی احادیث نہ ہونے کے باوجود علمائے اکابر اہلِ سنت نے مسئلہ مہدی ؑ موعودؒ کو داخلِ اعتقاد بات قرار دیا اور عقاید کی کتابوں میں اس کا ذکر ضرور کیا ہے ۔

لمعۂ چہارم

مہدیؑ و عیسیٰؑ ایک زمانہ میں نہ ہونے کی بحث 356
آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وقتِ واحد میں دو خلیفے بیعت لیں تو ایک کو قتل کر ڈالو۔
امام نوویؒ نے بیان کیا کہ ایک زمانے میں دو خلیفے جمع نہ ہونے کے بارے میں سلف نے اجاع کیا ہے ۔

بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں حبشؔ، امیرؔ، امامؔ وغیرہ الفاظ سے بعض لوگوں نے مہدی ءِ موعودؑ جو مراد لی ہے صحیح نہیں ہے۔

علامہ قاضی منتخب الدین جونیریؒ نے ثبوتِ مہدیتِ امامنا علیہ السلام پر "مخزن الدلایل" ایک کتاب عربی زبان میں لکھی ہے۔جس میں عیسیٰ و مہدیؑ ایک زمانہ میں ہونے کے خیال کو دلائلِ قطعیہ سے باطل قرار دیا ہے۔

جب یہ بات تسلیم ہے کہ بخاری و مسلم میں مہدیؑ کا ذکر نہیں ہے تو پھر صحیح بخاری و مسلم میں حبشؔ، امیرؔ، امامؔ وغیرہ الفاظ جن حدیثوں میں آئے ہیں ان سے مہدی ءِ موعودؑ مراد نہیں لی جا سکتی بلکہ اس سے کوئی اور شخص مراد ہوگا۔

علامہ تفتازانیؒ نے شرح مقاصد میں تحریر فرمایا ہے کہ عیسیٰؑ کا مہدیؑ کی اقتداء کرنا یا مہدیؑ کا عیسیٰؑ کی اقتداء کرنا ایک لایعنی بے اصل بات ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

عیسیٰؑ و مہدیؑ ایک زمانہ میں ہونے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔

لمعۂ پنجم

361 قرآنِ مجید میں لفظِ مہدیؑ کا ذکر کیوں نہیں ہے۔

ایک شخص کی بعثت کا ذکر قرآن میں پایا جاتا ہے۔

احادیثِ بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ ان آیات ہی کی تفسیر ہیں۔

قرآن میں جس شخص کی بعثت کا ذکر ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو لفظِ مہدیؑ سے مخاطب

فرمایا ہے۔

لمعۂ ششم

مختصر حالات و خلاصۂ احکام

نویں دسویں صدی ہجری کے حالات اور ضرورتِ بعثت۔

جو لوگ امامناً کی تصدیق سے مشرف ہوئے انھوں نے آپؑ کی صداقت کو اسی معیار پر پایا جن اصولِ معیار پر انبیاء کی صداقت کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

اپنے پرائے سب آپؑ کے تقدس مآب اخلاق و عادات کے معترف رہے ہیں۔

عبادات کی تین قسم ہیں، جسمانی، مالی، قلبی فقہا نے جسمانی و مالی عبادات کے مسائل کی

363

خوب موشگافی کی ہے لیکن قلبی عبادات کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔

رائے دلپت اور سلطان حسین شرقی کی جنگ میں امامناً کی شرکت اور غیر معمولی قوت کا ظہور رائے دلپت کے قلب پر اس بت کی تصویر نظر آئی جس کی وہ پوجا کرتا تھا۔

دماغ مقامِ تصور ہے دل مقامِ تصدیق۔

امامناً پر جذبۂ حقانی نمودار ہوگیا اور یہ بارہ سال رہا ہے۔

سات سال ایسے گزرے کہ کچھ کھایا نہ پیا۔

عدم تعدی کے بارے میں مشہور و معروف علمائے معقول کے شواہد۔

جذبہ کے عالم میں بھی کوئی خلافِ شرع فعل تو کیا صادر ہوتا نماز تک قضا نہ ہونے پائی۔

امامناؑ نے طریقت و معرفت کی تعلیم اس نہج پر دی کہ کسی حال اور کسی مقام میں بھی شرک نہ ہونے پائے۔ اور آدابِ شریعت کی پابندی لازم قرار دے کر دھوکہ اور فریب کے راستے بند کر دیئے۔

اقرب الطریق یعنی نزدیک کے راستہ کی توضیح

نفس کے مطالبات کی توضیح۔

لا رھبانیة فی الاسلام کی صحیح اتباع کیساتھ انبیاء، صحابہؓ و کاملین کی زندگی اختیار کرنے کا طریقۂ تعلیمات امامناؑ سے معلوم ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کا کوئی فرقہ اکابرِ اہلِ سنت کا اتنا موافق نہ مل سکے گا جتنا مھدویہ کا مسلک ہے

میت کی زیارت چوتھے دن جو کی جاتی ہے اس کے متعلق احادیث۔

ہماری حقانیت و کتاب و سنت کی موافقت کو عمیق و انتہائی محتاط نظر سے جانچنے کی ضرورت ہے۔

عموماً دھوکہ یہ ہوتا ہے کہ حنفیہ ہی اہلِ سنت ہیں۔

حالانکہ چاروں ائمہؒ اہلِ سنت میں داخل ہیں۔

موافقتِ اہلِ سنت کی توضیح۔

امامناؑ کا دعویٰ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ ﷺ کی موافقت پر تھا۔

حضرت سید محمدؑ جونپوری کی ذات "مھدیٔ موعودؑ" مسلم ہونے کی وجہ ہم اُن ہی عقائد کے پابند ہیں جو مھدی موعودؑ کی نسبت ہونے چاہیں۔

مہدویوں نے حدیث فقہ و کلام کی کتابیں علٰحدہ
مرتب نہیں کی ہیں ۔ ان کا استدلال ان کتابوں
سے ہوتا ہے جو اکابرِ اہلِ سنت نے مرتب
کیں اور ان میں معتبر و مسلم رہی ہیں ۔
آمدِ مہدیؑ کے بارے میں جو لوگ معترض ہیں
اُن میں کے اکثر کا ماخذ ، ابنِ خلدون کے
خیالات ہیں اور مذہبِ مہدویہ پر جو لوگ
اعتراض کی جسارت کرتے ہیں اس کی وجہ
زیادہ تر "ہدیہ مہدویہ" مولفۂ زماں خاں شاہجہانپوری
یا اس سے استفادہ کی ہوئی کتابوں کا مطالعہ ہے
مولفِ ہدیہ مہدویہ کے واقعہ قتل سے دو سال
قبل ہی ہدیۂ مہدویہ کے جوابات نکل چکے تھے

کلامَ خصم کی بنا پر بغیر تحقیق کسی جماعت کی یا کسی
فرد کو موردِ الزام نہیں کیا جاسکتا ۔
استدلال کا ایک اصول یہ ہے کہ فریق مقابل کے
مسلمات سے اپنا ثبوت مہیا کیا جائے ۔ اس سے
یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے تمام مسلمات ہمارے
مسلمات ہوجائیں ۔ قرآن و حدیث و اولیائے کرام
سے جو بھی استفادہ کرے گا اس کا کلام مذہبِ
مہدویہ سے زیادہ تر موافق پایا جائے گا ۔

(اختتامِ مضمونِ تمہید)

توضیحات

376 توضیح روایت (1)،(2)، (265) دربیانِ صحبت
نقلیات، مبارکہ :

اصولِ حدیث واصولِ رجال کی بحث

جو روایات محض راویوں کے غیر ثقہ یا تفرد کی وجہ

محدثین کے پاس قابلِ استناد قرار نہ دی گئی

ہوں اور ضعیف ہونے کی وجہ استخراجِ مسائل

میں ان کو ناقابلِ استفادہ قرار دیا گیا ہو اور حقیقۃً

وہ روایات کی صحت کی تصدیق یقیناً ممکن ہے۔

378 **توضیح روایات دربیانِ ثبوتِ مہدیت**

تفسیر آئیہ شریفہ "اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ"

بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ کا مہتم بالشان مسئلہ قرآن

میں مذکور نہ ہونا صحیح نہیں ہے۔

ان احادیث کی تطبیق بالقرآن سے یہ معلوم

کرنا آسان ہوجاتا کہ وہ احادیث کن آیات کی

تفسیر واقع ہوئی ہیں۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں "مَنۡ" کی ذات خاص خلیفۃ

اللہ سے متعلق ہے۔

"مَنۡ" اور اس کے متعلقہ ضمائر

"مَنۡ" کا صاحبِ بینہ ہونا۔

آیات وبینات کا استعمال قرآنِ مجید میں صرف ان

امور سے متعلق ہوا ہے جو طاقتِ بشری سے خارج

ہوں عام ازیں کہ وہ امور انبیاء کی نبوت پر دال ہوں

یا خاص قدرتِ الٰہیہ پر دال ہوں۔

جنگِ بدر کا واقعہ

معرفتِ ذات وصفات نورِ ولایت کے بغیر ممکن نہیں

اس لئے ہر نبی کو پہلے ولایت حاصل ہوتی ہے۔

"وَلٰكِنّ جَعَلْنَاهُ نُوراً" آئیہ شریفہ کی تفسیر حضرت شاہِ قاسم مجتہدِ گروہؒ نے جو تحریر فرمائی ہے ولایتِ مصطفیٰؐ کی توضیح جو حضرت موصوفؒ نے بیان فرمائی ہے۔

ولایت کے متعلق دیگر علماء کے اقوال

مولفِ ہدیۂ مہدویہ کی غلط بیانی۔

"بینہ" سے مراد اتباعِ ولایتِ مصطفیٰ ﷺ ہے

امامنا علیہ السلام کا صاحبِ ولایت ہونا ان لوگوں نے بھی تسلیم کیا ہے جنھوں نے آپؑ کے دعوئے مہدیت کی تصدیق نہیں کی۔

قولاً، فعلاً، حالاً بے خطا اتباع صرف خلیفۃ اللہ سے ممکن ہے۔

"یَتْلُوہ" کی ضمیر کی تخصیص

"اُولٰئِکَ یُومِنُونَ بِہٖ" کی تفسیر

اس سے "مَنْ" کی ذات داخلِ ایمانیات قرار پاتی ہے اور امتِ رسولؐ میں بجز حضرت عیسیٰ و مہدیء موعود علیہما السلام کے کوئی فرد ایسا نہیں جس پر ایمان لانا فرض ہو۔

"وَمَنْ یَکْفُرْبِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالْنَّارُ مُوْعِدُہٗ" کی تفسیر

اس سے "مَنْ" کا انکار کفر اور اس کی تعزیر دوزخ ثابت ہوتی ہے۔

جب اس کا انکار کفر ہے تو وہ خلیفۃ اللہ ہی ہو سکتا ہے

"فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْہُ" کی تفسیر

"اِنَّہُ الْحَقُ مِنْ رَّبِکَ" اور "اَکْثَرَالنَّاسِ لَایُؤمِنُوْنَ" صاف "لَا یُؤمِنُوْنَ" صاف دلالت کررہے ہیں کہ اس "مَنْ" سے خلیفۃ اللہ "وَمُفْتَرَضَ الطَّاعَۃَ وَالْاِیْمَانْ" فرد مراد ہے

توضیح روایت (9)، (280)

اماناً نے فرمایا "بندہ کو روزنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاواسطہ تعلیم ہوا کرتی ہے۔

وحی بالتوسط و بلاتوسط کی توضیح۔

اماناً کو وہبی علم حاصل تھا۔

ولادتِ باسعادت کا اہم واقعہ کہ جب تک کپڑے نہ پہنائے گئے آپؑ نے شرمگاہ پر دونوں ہاتھ رکھ لئے تھے۔

اماناً کی تسمیہ خوانی کا اہم واقعہ۔

شاہ دانیالؒ کے مدرسہ میں تعلیم پانا۔

سات سال کی عمر میں کلام اللہ حفظ فرمایا بارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ تمام علماء نے "اسد العلماء" کا خطاب دیا۔

390 آپؑ کے استاد سے جو عقدے حل نہ ہوسکتے تھے آپؑ نے حل فرمادیئے۔ اور اکثر ایک ہی جواب میں مطلب ادا ہوجاتا تھا۔

حضرت خواجہ خضر کا اماناً کو امانت سپرد کرنے کا اہم واقعہ

اماناً کا اپنے استاد کے علم پر فوقیت رکھنا حیرت کی بات نہیں۔

داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ایک مقدمہ میں اہم فیصلہ

بارہ سالہ عمر کے اندر اندر علم کسبی سے جو تعلق رہا وہ صرف اظہارِ اعجاز کے لئے تھا۔

توضیح روایت (10) 405

"ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ" کی تفسیر

مولف ہدیۂ مہدویہ کا اعتراض و جواب

لفظ "فارقلیط" کی تحقیق۔

اسلام ۔ ایمان ۔ احسان کی توضیح ۔

توضیح روایت (11) 410

امامناً کا منجانب اللہ بعض امورِ مغیبہ پر آگاہ رہنا۔

مولفِ ہدیۂ مہدویہ کا اعتراض وجواب ۔

علمِ غیب کی تعریف وتوضیح آیات واحادیث کی روشنی میں

توضیح روایت (12) 418

مہدیٔ موعودؑ اور اُن کے والدِ ماجد کے نام کے بارے میں علماء کا سوال ۔ امامنا علیہ السلام کا جواب ۔ مولفِ ہدیۂ مہدویہ کا اعتراض اور اس کا جواب ۔ تا

"عبداللہ" کی توضیح ۔

توضیح روایات (26)، (27) 426

امامنا علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں حق کی تاثیر ہر روز ترقی پا رہی تھی ۔

توضیح روایات دربیانِ معجزات 427

نشانی یا دلیل طلب کرنا انسان کی فطری خصوصیت ہے ۔

خلیفۃ اللہ ایسی نشانیاں دِکھاتا ہے جو قدرتِ بشری سے خارج ہوں ۔

معجزہ ۔ کرامت ۔ اور سحر کا فرق ۔

امامنا علیہ السلام کے بعض اخبارِ مغیبہ جن کوآپؑ نے بطورِ تحدی و حجتِ مہدیت بیان فرمایا۔

توضیح روایات دربیانِ پسخوردہ 433

حضرت رسول اللہ ﷺ کا پسخوردہ اوراُس کی تاثیر۔

پسخوردہ کی تاثیر محض صالحیت و لطفِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔

حضرت بندگی میاں شاہِ نعمتؓ کا واقعہ۔

دائرہ میں کتا رہنے پر مولفِ ہدیۂ مہدویہ کا اعتراض اور اس کا جواب۔

توضیح روایات دربیانِ انکارِ مہدیؑ 436

انکارِ مہدیؑ کفر ہونے کے وجوہ۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی آدمی کو کافر کہتے پھریں۔

قلت وکثرت قابلِ لحاظ نہیں احکامِ شرع قابلِ لحاظ ہیں

مخالفین کی صحبت سے بچنے کی ہدایات۔

امام مہدیؑ کا ظہور ہو تو فقہا و علماء ہی دشمن ہونے کی پیشگوئی۔

توضیح روایات دربیانِ عشق 440

عشق کی ایک اہم نوعیت کی توضیح۔

خاتمینؑ کی خصوصیت یہ ہے کہ حبِ ذاتی اور عشقِ حقیقی کے اکمل مظاہر ہیں۔

"كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ" حدیثِ شریف کی تشریح

خاتمِ ولایتِ محمدیہؐ کہنے کا مطلب۔

نفوس ناطقہ کے لحاظ سے صفتِ عشق کی توضیح۔

توضیح روایات دربیانِ ترغیبِ عشق 440

عشقِ کسبی اور وہبی کا فرق۔
امامناؑ کی صحبت میں بعض ہستیاں وہبی عشق
سے بھی سرفراز تھیں۔
اس کی پیشنگوئی حدیثِ شریف میں بھی ہے۔
عشق و محبتِ الٰہی فی الحقیقت بدنِ اسلام کی
روح ہے۔ امامنا علیہ السلام کی تعلیمات ،
بے روح علمیت کے خلاف ایک جہادِ عظیم
ہیں۔
بیعتِ شیخؒ بھی ضروریاتِ عشق میں داخل ہے
دورِ نبوت میں بھی بیعت کا عمل تھا دورِ ولایت
میں بھی جاری ہے۔
آیات واحادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ
جب صالحین و راشدین کا وجود ختم ہوجائے گا
تو وہی قیامت کے وقوع کا وقت ہوگا۔

فرائضِ ولایت 449

امامناؑ کے احکام، احکامِ شرعیہ کے مماثل ہیں۔
جن مسائل کو ائمہِ مجتہدینؒ نے مستحب قرار دیا ہو۔
اُن کو فرض قرار دینے سے نسخ لازم نہیں آتا۔
شریعت و طریقت کی توضیح۔
ظاہر و باطن کے مسائل کی حقیقت۔

توضیح روایات دربیانِ طلبِ دیدارِ خدا 452

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان و
اعتقاد کے بعد اس کی طلب پیدا ہونا فطری لازمہ ہے
جذبۂ طلب کا صحیح یا غلط استعمال۔
دنیا میں کوئی خدا کا منکر نہیں اصطلاحات وتصورات کا
فرق ہے۔

بعض لوگ صرف ظاہری نظامِ عبادات و معاملات کی حدتک مظاہرۂ محبت واطاعت پر اکتفا کرتے ہیں اور بعض کے جذباتی عنصر میں اتنا انقلاب پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ان حدود سے اوپر ترقی چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کا تصور جتنا زیادہ قریب الصحت ہوگا اقرارِ توحید کی منازل میں اس کا مقام آگے ہوگا۔

طلبِ دیدارِ خدا کی فرضیت اور مولفِ ہدیۂ مہدویہ کے اعتراضات کی بحث۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار چشمِ سر یا چشمِ دل یا خواب میں ہونا مسلماتِ اہلِ سنت میں داخل ہے۔

مسئلہ دیدارِ خدا سے متعلق ایک آئیہ شریفہ پر نہایت بادلیل بحث۔

شرعی ضابطہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس امر کا حکم دے اور جس امر سے منع کرے اور اس کی خلاف ورزی کی سزا دوزخ قرار دے تو اُس کی اتباع اور امر ممنوع کو ترک کرنا فرض ہوگا۔

دیدار سے متعلق آیتِ قرآن کے لفظِ " لقاء" کی تحقیق

متقدمین، متکلمین کے طرزِ استدلال کی خصوصیت

رویتِ باری تعالیٰ کے بارے میں مادی جسم کی رویت کی شرائط و لوازم کے اُصول پر بحث کرنا غلطی ہے۔

جو حکم قرآن و حدیثِ متواتر سے ثابت ہو اس پر ایمان لانا فرض ہے خواہ ہماری عقل اس کو سمجھنے سے قاصر ہو

آیتِ قرآنِ مجید جس میں "دیدار" کی آرزو نہ کرنے والے کا ٹھکانہ دوزخ قرار دیا گیا ہے

فرمانِ امامنا علیہ السلام میں بینائی کی تشریح		قرآنِ مجید میں لفظِ "دنیا" کے استعمال کی خصوصیت
رویتِ مطلقہ و رویتِ مقیدہ کی توضیح		احادیث میں "ترکِ دنیا" کے لفظ اور اس کی فضیلت
توضیح دربیانِ رموزِ حقیقت (226)	471	پائی جاتی ہے۔
"آنچہ دربیان می آید ہمہ شریعت است۔		"رہبانیتہ" اور "زہد" کے فرق کی تشریح
وطریقت دربیان نمی آید۔" کی تشریح		"زُہَدَ فِی الدُّنْیَا" اور "ترکِ دنیا" بالکل ہم معنی ہیں۔
"ولایت" بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کی ایک		ائمہ مجتہدینؒ صرف عبادات و معاملات کے مسائل کی
خصوصیت ہے۔		کاوشوں میں منہمک رہے۔ عشق و محبتِ الٰہی کے لوازم
ولایت کی حقیقت بیان میں نہ آسکنا اور ہے		سے متعلق رکھنے والے مسائل میں انھوں نے موشگافی
دیدارِ الٰہی و سیر ولایت اور۔		نہیں کی۔
توضیح دربیانِ ترکِ دنیا	474	بعض آیاتِ قرآن میں دنیا کی مذمت اور دوزخ کی سزا
"رُہْبَانِیَۃ" کا ترجمہ "ترکِ دنیا" کرنا غلط اور اصول		کا بیان۔
اسلام کے مغائر ہے۔		"ترکِ دنیا" اور "توکل" کے مسائل کا فرق۔

"حیاتِ دنیا" اور "متاعِ حیاتِ دنیا" سے متعلق امامنا علیہ السلام کا فرمان۔

"متاعِ حیاتِ دنیا" کی توضیح۔

دنیا میں منہک و مشغول ہونا منع ہے صاحبِ زن و فرزند ہونا منع نہیں۔

"رہبانیت" اور تعلیماتِ امامنا علیہ السلام کا فرق

لِلۡفُقَرَاءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ۔

آیتِ قرآن کی تفسیر۔

اصحابِ صفہؓ کی اہم خصوصیت۔

"اُحۡصَارُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ" کا مطلب۔

"لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ" کی تفسیر

فقرِ اضطراری و اختیاری کا فرق

مومن کے لئے کسب ممنوع نہیں ہے۔

"تعفف" یعنی استغناء سوال سے بچنے کی خصوصیت سوال حرام ہونے کی توضیح۔

کسی فقیر کو پہچاننا ہر شخص کے بس کی بات نہیں

" اَللّٰہُ غَنِیُّ اَنۡتُمُ الۡفُقِیۡرَا " اور " لِلۡفُقَرَاءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ " کا فرق

امامناؑ نے ترکِ محبتِ متاعِ حیاتِ دنیا کی ہی تعلیم پر نہیں فرمایا بلکہ یہ بھی کہ مومن آخرت کے ثواب پر بھی نظر نہ رکھے۔

حصولِ دیدارِ خدا ہی عین جنت ہے

مہدویت کا مرکز صرف خدائے تعالیٰ کی ذات ہے۔

ترکِ دنیا کی ظاہرہ صورت، ترکِ محبتِ متاعِ حیاتِ دنیا ہے۔ اور اس کی باطنی صورت، ترکِ ہستی و خودی۔

حیاتِ دنیا کی توضیح۔

ترکِ شرک کا کمال یہ ہے کہ ترکِ خودی بھی ہوجائے۔

حیاتِ طیبہ کی توضیح۔

اضطراری موت اور اختیاری موت کا فرق۔

ترکِ خودی سے دیدارِ خدا نصیب ہوسکتا ہے۔

آیتِ قرآن کے لفظ "عَمَلِ صَالح" کی تفسیر۔

طریقۂ مہدویہ کے لحاظ سے ایک اور نوعیت کی توضیح۔

ترکِ دنیا سے متعلق مولفِ ہدیۂ مہدویہ کے اعتراضات اور اس کے جواب۔

توضیحِ روایات دربیان ذکر اللہ 493

جن آیات میں " ذکراللہ " کا بیان ہے اس پر بعض لوگوں نے جوتاویل کی ہے اس پر تنقید

بعض آیات جن میں معرفتِ توحید پر زور دیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید کے مضامین بھی آیاتِ الٰہی ہیں اور کائنات و موجودات بھی آیاتِ الٰہی ہیں۔

امامناؑ کی بعثت کا مقصد عشق و محبتِ الٰہی کی تعلیم ہے اس لئے آپؑ کی تعلیمات کا موضوع طلبِ دیدارِ خدا ہے اور طلب کا لازمہ ذکر و توجہ بھی ہے۔

بعض لوگوں نے "ذکر" سے مراد نماز جو بیان کی ہے اس کی حقیقت آیات واحادیث کی روشنی میں۔

آیتِ قرآن سے "ذکر" کی فرضیت کا ثبوت

"نماز" اور "ذکر" کا فرق

"ذکر اللہ" سے غفلت موجبِ عتاب و عذاب ہے تو اس کی فرضیت کو تسلیم کرنا اصولِ شرعیہ میں داخل ہے۔

قرآن کے الفاظ میں "اُولُوالْاَلْبَاب" کی خصوصیت

جو بیان ہوئی ہے مہدویہ جماعت میں اُس کی مطابقت پائی جاتی ہے۔

عالیت و عزیمت اور رخصت کا فرق۔

"سُلۡطَانُ اللَّیۡلُ، سُلۡطَانُ النَّہَارُ" کی توضیح۔

حضرت سید محمود سید نجی خاتم المرشدینؓ کا حکم تعلیماتِ امامناً کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

ذکرِ " لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کے بعض مراتب کا بیان

ذکرِ "لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی تاثیر۔

مراقبہ و مشاہدہ

ذکرِ خفی، تمام اذکارِ مراتبی میں افضل ترین ہے اس لئے فقرائے مہدویہ میں اورادِ وظایف اور "تسبیح" کے دانوں یا انگلیوں کی گنتی پر عمل نہیں رہا ہے۔

ذکرِ پاسِ انفاس کی توضیح جو حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے بیان فرمائی ہے۔

ذکرِ خفی میں بجز ذاتِ باری تعالیٰ کے کوئی اور تعلق نہیں ہوسکتا لیکن "اوراد" و "وظایف" میں غیر اللہ کا تعلق ہوسکتا ہے۔

"لَاۤاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی توضیح جو حضرت مہدی علیہ السلام نے بیان فرمائی۔

ذکر الٰہی اور عبادات میں خیالِ ماسوی اللہ کا شمہ برابر بھی دخل باعثِ خلل تصور کیا جائے

ترکِ خیالِ ماسوی اللہ کے متعلق ایک اہم روایت

توضیح روایات دربیانِ توکل 516

آیات سے استدلال

توکل کو ایمان کی شرط قرار دیا گیا ہے اس لئے ہر مومن پر توکل فرض ہو جاتا ہے۔ خواہ یہ کتنا ہی کم درجہ کا ہو۔

رازقِ حقیقی کا بیان۔

توکل کا انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ تمام ذاتی کاروبار کو خدا پر سونپ دے۔ راضی برضا اور بے اختیار ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں توکل کی خصوصیت۔

حلال اور حلال طیب کا نازک فرق جو امامناؑ نے بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے حلال چیزیں امتحان کے لئے پیدا کی ہیں۔

حضرت بندگی ملک الٰہدادؓ کی انتہائے احتیاطِ تقویٰ کا ایک واقعہ۔

حلال طیب کی شرط کی حفاظت کے متعلق ایک اہم روایت۔

تعلیمِ توکل میں سوال سے بچنے کی زیادہ اہمیت پائی جاتی ہے۔

سفرِ خراسان میں امامنا علیہ السلام کی مناجات۔

آپؑ نے صرف سوال ہی کو توکل کے منافی نہیں قرار دیا بلکہ صورتِ سوال سے بھی صریح طور پر منع فرمایا ہے

بعض روایات جن سے توکل کی خصوصیات ظاہر ہوتی ہیں

حضرت بی بی الٰہدادی رضی اللہ عنہا وفات پائیں تو اُن کی دامنی سے سونے کا ایک تنکہ نکلا۔ امامناؑ نے فرمایا گرم کرکے اُن کی پیشانی پر داغ دو۔

آیت وحدیث میں بھی داغ دیئے جانے کا ذکر ہے

جو لوگ لاہوتی مقام پر ہوتے ہیں بغیر حلال طیب کسی اور طریقہ وتدبیر کی غذا کو اپنے لئے حرام سمجھتے ہیں۔

توکل کے باب میں امامناؑ کی تعلیمات میں رخصت کی حد رکھنے والے احکام بھی موجود ہیں۔

حضرت سید محمود سیدنجی خاتم المرشدینؓ نے "رسا یندۂ خدا دو وقت کردہ بخورید"۔ جو حکم فرمایا وہ حکمِ مہدیؑ کے تحت ہے۔

حضرت بندگی میاں سید محمود سیدنجی رضی اللہ عنہٗ کے عمل سے توکل کی ایک اور اعلیٰ مثال کا علم ہوتا ہے۔

بعض روایات سے کاسبین کے گھر پر دعوت میں میں جانے کا حکم بھی پایا جاتا ہے۔

ایک روایت جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ فقر وتوکل زہد و تقویٰ کو مہدویوں کے شعار کی حیثیت سے کس قدر شہرت ہوچکی تھی۔

فقراء کے لئے بھائی بیٹے وغیرہ قریبی قرابتداروں کی کمائی سے استفادہ بھی منافی توکل قرار دیا گیا۔

ایک روایت کی توضیح جو حضرت امامناؑ نے ایک دفعہ روٹی ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا کہ "بندہ اور خدا کے درمیان یہی پردہ ہے"۔

زندگی کا مقصد صرف روٹی نہیں قرار دیا جاسکتا۔

ہر تخلیق و ایجاد کا ایک مقصد ہوتا ہے۔

غور کرنا چاہیئے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے۔

کسب وتجارت کی خصوصیت کیا ہونی چاہیئے امامناؑ

نے بیان فرمائی ہے۔
ہر انسان اپنے حدود و اختیار سے آگے خدا پر
بھروسہ کرنے پر مجبور ہے۔
روٹی کا مقصد بقائے صحت و توانائی ہے صحت
و توانائی کا مقصد ذکر و عبادتِ الٰہی ہے تاکہ باطن
کھل جائے۔
ایک فرمانِ امامناؑ سے توکل کے اعلیٰ ترین
مفہوم کا علم ہوتا ہے۔
رزق کی نسبت سے خدا پر بھروسہ کرنا بھی ایک
گو نہ غیر اللہ سے وابستگی کا حکم رکھتا ہے۔
فقرائے مہدویہ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کی
جاتی ہے تو اللہ کی طرف منسوب کرنے کی نیت
سے "اللہ دیا" کہا جاتا ہے۔ اس کی توضیح آیات
قرآنِ مجید کی روشنی میں۔

توضیح روایات دربیانِ صحبتِ صادقاں 538

آئیہ شریفہ "كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ" کی تفسیر
" اتقوا الله" کی تفسیر
جس طرح تقویٰ ہر مومن پر فرض و لازم ہے۔ اسی
طرح صحبتِ صادقاں بھی فرض ہے۔
بری صحبت کا اثر مومن کے ایمان کو بھی متاثر کر
سکتا ہے۔
فقراء کی خصوصیت اور بعیت کی اہمیت
مرشد کی صحبت کے گیارہ آداب اور اُن پر آیتِ
قرآنِ مجید سے استدلال۔

توضیح روایات دربیانِ ہجرت 542

ہجرت کے بارے میں قرآن وحدیث سے استدلال

ہجرت و اخراج کا فرق

مولفِ ہدیۂ مہدویہ کے اعتراضات اور اس کے جواب۔

آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کی ہجرت

"لاھجرۃ بعد الفتح" کی تحقیق

حق تو یہ ہے کہ اگر ہجرت کی تعلیم اور اس کی اہمیت تعلیماتِ امامناً میں موجود نہ ہوتی تو یقیناً دعویٰ مہدیت کی صداقت متاثر ہوجاتی۔

امامناً نے اپنی صحبت سے مستفید ہونے والوں کی نسبت فرمایا جو شخص صبح میں ہجرت کرکے دائرہ میں آچکا ہو وہ اس شخص کا مرشد ہے جو شام میں آئے۔

آئیہ شریفہ "لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ"

"غَیْرَ اُوْلِی الضَّرَرِ" کی تفسیر

یہاں مولفِ ہدیۂ مہدویہ کا اعتراض کہ اس تفسیر مہدیؑ اور اُن کے صحابی سید خوندمیرؓ کی قرآن فہمی معلوم ہوتی ہے۔

اس کا تحقیقی اور مسکت جواب۔

نازک تفہیم کو قرآن فہمی کے خلاف کہنا خود معترض کے مقامِ علم کا مظہر ہے۔

آیتِ قرآن میں ترکِ ہجرت کی سزا دوزخ قرار دی گئی ہے اس لئے ہجرت ازروئے اصول فرض ہے۔

ہجرتِ ظاہری و باطنی کا فرق

حضرت سید محمود سید نجی خاتم المرشدینؓ کے حکم کی توضیح

آئیہ شریفہ "لَنْ تَرَانِیْ" کی تفسیر و تحقیق۔

فقرائے مہاجرین کا "ترکہ" اُن کے ایسے ورثاء کو

نہیں دیا گیا جنھوں نے ہجرت نہ کی۔

اس پر یہ خیال کرنا غلط ہے کہ مہدویوں کے پاس آیاتِ مواریث کے مطابق "متروکہ" تقسیم نہیں کیا جاتا۔

ناسخ و منسوخ کے بارے میں مہدویوں کا نقطۂ نظر۔

تقسیمِ ترکہ کے بارے میں جو روایات زیرِ بحث ہیں وہ آیتِ قرآنِ مجید کے بالکل مطابق ہیں

آنحضرت ﷺ کے باغِ فدک کا مشہور واقعہ

ہجرتِ ظاہری ہو یا باطنی ہر صورت میں کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کے خلاف کوئی حیثیت مذہبِ مہدویہ میں موجود ہی نہیں ہے۔

توضیح روایات دربیانِ علمِ خواندن

علم اور عالم کے فضائل میں آیات و احادیث۔

تعلیماتِ امامناؑ میں علم کی اجازت و ممانعت دونوں پائی جاتی ہیں اس مسئلہ کی تحقیق

علم کی لغوی و اصطلاحی بحث۔

اُمی مہدوی غیر مہدوی عالم پر کسطرح غالب آتے تھے

علمِ دین کی خصوصیت اور صوفیہ و محققین کی اس بارے میں تشریح۔

امامناؑ کی صحبت کی اہمیت اور اس کا اثر۔

ممانعتِ تحصیلِ علم یا مطالعۂ کتاب کی حقیقت۔

امامناؑ نے علومِ شرعیہ کی تحصیل سے بھی منع نہیں فرمایا۔

بعض اہم روایات کی توضیح۔

ایک روایت پر مولفِ ہدیۂ مہدویہ کی غلط فہمی کا ثبوت 556

ان روایات کا بیان جن میں ضرورتِ علم پر زور دیا گیا ہے۔

جن صحابہؓ کو امامناؑ نے پہلے مطالعۂ کتب سے منع فرمایا تھا بعد میں خود آپؑ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

علمِ لدنی کی تحصیل کے لئے رہبر کے احکام و ہدایات کی پابندی اور اس کے بتلائے ہوئے مشاغل میں انہماک لازم و ضروری ہوتا ہے۔

توضیح روایات در بیانِ فضائل صحابہؓ 574

سوانح صحابہ مہدی ءِ موعودؑ میں رضا و تسلیم وصبر و توکل اور فناء ہستی کی اعلیٰ مثالیں پائی جاتی ہیں۔

حضرت سید خوندمیرؓ کا فرمان کہ دوسروں پر اپنی فضیلت جتلانا ہستی کی صفت ہے جو تعلیماتِ امامناؑ کے بالکل مغائر ہے۔

سیدین کی خصوصیت کی ایک اہم روایت

سیرِ نبوت و سیرِ ولایت کے فرق کی توضیح۔

بعض دیگر صحابہؓ کو سیرِ انبیاء کی بشارات۔

ایک حدیثِ شریف جس میں قومِ مہدی ءِ موعودؑ کی خصوصیات بیان ہوئی ہیں۔

اس پر ہدیۂ مہدویہ کا اعتراض اور اس کا جواب آیتِ قرآنِ مجید کی روشنی میں۔

"فَسَوفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَومٍ یُحِبُّھُم وَیُحِبُّونَہٗ" آیتِ قرآن کی تفسیر اور حدیثِ زیرِ بحث کی تطبیق۔

نہ صرف حضرت مہدی علیہ السلام ہی موعودِ خدا و

رسولؐ ہیں بلکہ آپؐ کی قوم بھی موعودِ خدا و
رسولؐ ہے۔
سیرِانبیاء کی بشارات کی تحقیق۔

توضیح روایات دربیان "قاتلوا وقتلوا" 584

سلسلۂ روایات جس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے
کہ بندگی میاں سید خوندمیرؓ کے قتال اور بدلۂ
ذات ہونے کی روایت سے کتنے جلیل القدر
صحابہؓ کا بحیثیتِ راوی تعلق رہا ہے۔
پہلی دفعہ جب حاضر ہوئے تو بندگی میاں پر
مکاشفات ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن
کے سرِمبارک کی قربانی مع ایک صد سر
کے قبول فرمائی۔
آیت "قَاتِلُوْا وَقُتِلُوْا" پر اور حاملِ بارِامانت
پر امامناؑ کا اہم بیان۔
حضرت بندگی میاں شاہِ نعمتؓ کے ذریعہ حضرت بندگی
میاں سید خوندمیرؓ نے حاملِ بارِامانت کون ہے معلوم
کرنا چاہا۔ امامناؑ کا جواب۔
اس روایت پر ایک غلط استدلال کا ازالہ۔
بدلۂ ذات ہونے کی بشارات مہدی علیہ السلام نے
بحکمِ خدائے تعالیٰ بیان فرمائی ہیں۔
یہ ثابت ہے کہ خبرِ شہادت کا علم حضرت سید خوندمیرؓ
کے سوائے دوسرے صحابہؓ کو بھی تھا۔ اس لئے یہ
خبرِ واحد نہیں بلکہ خبرِ مشہور و قطعی الصدور و قطعی
الدلالت کی شان رکھتی ہے۔
خبرِ قتال حجتِ مہدئ ہونے کی بحث۔
پہلی جنگ اس خصوصیت کی مقتضی تھی کہ امراء و

روساء شریک نہ ہونے پائیں۔ دوسری جنگ اس امر کی مقتضی تھی کہ صحابہؓ سے شریک نہ ہوں۔	واقعاتِ جنگ اور ہم عصر مورخین۔
متقدمین و متاخرینِ مہدویہ نے بلا اختلاف خبرِ قتال کو بلا حجت مہدیت تسلیم کیا ہے۔	اسبابِ جنگ کے بارے میں بعض صحابہؓ کا اختلاف یا مشورہ یعنی بعض صحابہؓ کے کتبات (تحریرات) جو بندگی میاں سید خوندمیرؓ کی تیاریِ جنگ کے خلاف مشہور ہیں ان کی تحقیقی بحث۔
شرط و مشروط اور آیت و حجت کا استدلالی فرق اتمامِ حجۃ تک دعویِٰ مہدیت کے مشتبہ رہنے کا شبہ غلط ہے۔	یہ اختلاف ویسا نہ تھا جیساکہ صحابۂ نبوت میں پایا جاتا ہے اور جس طرح وہاں کسی کے متعلق عقیدت کی ذرا سی کمی خسارۂ ایمان و آخرت کا باعث ہو سکتی ہے یہاں بھی دل میں شبہ اور دامنِ خیال پر دبھہ نہ آنا چاہیئے۔
قرآنِ مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اہم واقعہ۔	
آیت "فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم" کی عمومیت و خصوصیت کی بحث۔	صحابہؓ کا باہم اخلاص اور بندگی میاںؓ کا شرفِ بیانِ قرآن بندگی میاںؓ کا بیانِ قرآن وہی ہوتا تھا جو حضرت اماماً سے سنا اور سمجھا ہو۔
اسبابِ جنگ و مختصر حالات۔	

کتباتِ اختلاف کا وقوع مقدر اور منشاء خداوندی
کے مطابق تھا۔

ان کتبات کا تعلق خبرِ قتال سے نہیں ہے بلکہ
اسباب و موقع و محل سے متعلق ہے۔ جس کو
مشورہ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

کتبات میں جو امورِ معترضہ ہیں اُن کی تحقیق اور
بندگی میاںؓ کے موقف کی حقیقت۔

وقوعِ جنگ کے کچھ عرصہ بعد جن حضراتؓ نے
کتبات روانہ کئے تھے بندگی میاںؓ کے حق
بجانب ہونے کو تسلیم کر لیا ہے۔

یہ اختلاف ، اختلاف امتی رحمۃ حدیثِ شریف
کے مصداق رحمت ثابت ہوا۔ اور خود اصحابؓ
کتبات نے اس اختلاف کو باقی نہ رکھا جس کی

وجہ گروہِ مہدی ءِ موعودؑ خطرہ میں مبتلا ہونے سے
بچ گئی۔

وہ خبر مشہور و قطعی الصدور و قطعی الدلالت جو امامناؑ
نے بیان فرمائی پوری پوری صادق آئی۔ خبرِ متواتر
کا حکم رکھتی ہے جس کی قطعیت کا انکار نقلاً ، عقلاً
جائز نہیں۔

621 **توضیح روایات دربیانِ امتناعِ تاویل و تحویل**

مولفِ ہدیۂ مہدویہ کا اعترض اور اس کا جواب

عبارتِ قرآنی میں بعض جگہ تاویل درست ہونے
کا دعویٰ غلط ہے۔

" محکم " و " متشابہ " کی لغوی و اصطلاحی تحقیق۔

" محکم " و " متشابہ " کے بارے میں آیتِ کریمہ کی تفسیر

" محکم " و " متشابہ " کے بارے میں چند احادیثَ شریفہ

کا بیان	بنائے بحث تھا۔ دوسرے فرمان سے اس کی
"محکم" و "متشابہ" کے بارے میں فقہاء کا مسلک	ایسی توضیح کہ اختلاف مرتفع ہو جاتا ہے۔
راسخین کے بارے میں فقہا کے اختلاف کی تطبیق	ایمان کامل یا ناقص کی حیثیت سے بحث کی
جس طرح قرآن میں محکمات و متشابہات ہیں اسی	جائے تو از روئے اصول اس پر متشابہات کا
طرح احادیث و نقلیاتِ مبارکہ میں بھی ہیں۔	اطلاق ہی نہیں ہوسکتا البتہ مہمل کی قسم میں
کل نقلیات کو محکم کہنے کی تحقیق۔	داخل کیا جا سکتا ہے۔
راسخ فی العلم سے مراد مہدویہ نقطۂ نظر سے۔	مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے بلا لحاظ خصوصیتِ عبارتِ
متاخرینِ مہدویہ میں محکم و متشابہ کے بارے میں	قرآنی میں تاویل درست ہونے کا دعویٰ جو کیا
جو مباحث ہوئے اس کی تحقیق۔	بالکل غلط ہے۔ کیونکہ تاویل کا لفظ متشابہات کے
متشابہات کے بارے میں حضرت مہدی علیہ	لئے متعارف ہے۔ جس پر قرآنِ مجید بھی شاہد اور
السلام نے رہبری فرمائی ہے "یَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ"	مانع ہے۔
کی تفسیر۔	
"ورائے ترکِ دنیا ایمان نیست" میں لفظِ ایمان	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

سب تعریفیں اس پاک ذات کے لئے ہیں جو کائنات کی خالق ہے۔ کبریائی اسی قادرِ مطلق کے لئے سزاوار ہے جس کی شان یہ ہے کہ " مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ ؕ(سورۃ الاعراف-186) " اللہ جسے ہدایت فرمائے کوئی اس کو گمراہ کر نہیں سکتا اور جسے گمراہ کردے کوئی اس کو ہدایت کی راہ پر لا نہیں سکتا۔

درود و سلام نازل ہوں خاتمین علیہما السلام پر جن کے ذریعہ دینِ اسلام اس درجہ مکمل کر دیا جا چکا کہ قیامت تک پیدا ہونے والی انسانی نسلیں اس ایک نظامِ دین سے مستفید ہو سکیں۔ معاش و معاد اور وصال الیٰ المحبوب کی بلند تر خصوصیات کے حامل بن سکیں تاکہ " اشرف المخلوقات" کا خطاب اپنے مفہومِ تام کے ساتھ صادق آسکے۔

مخلوقات میں ملائکہ بھی ہیں اس لئے اس کا مفہوم اسی وقت مکمل ہو سکتا ہے جب کہ انسانیت، ملائکہ کی لطافت اور اُن کے شرفِ قربِ الٰہی پر اشرف ہو۔!!!

درود و سلام نازل ہوں اُن تمام صحابۂ نبوت و ولایت پر جنھوں نے خاتمین علیہما السلام کی صحبت اور نظرِ کیمیا اثر کے طفیل، تعلیمِ دین کی اس درجہ پیروی کی کہ خدائے تعالیٰ اور حضرات خاتمین علیہما السلام نے ہدایت کے روشن ستارے، مسلمانانِ تام، فنائے تام وغیرہ اعلیٰ بشارتوں سے اُن کو سرفراز فرمایا۔ اور امت کے لئے اُن کے اتباع کو اتباعِ خاتمینؑ قرار دیا۔ رضی اللہ عنہم و رضواعنہٗ۔

واضح ہوکہ اکثر مخلصین کی خواہش تھی کہ " نقلیات " کی کتاب مع شرح چھپوائی جائے۔ مکمل شرح کی صورت میں طباعت کا انتظام موجودہ نازک حالات کی وجہ دشوار تھا۔ اس لئے فی الوقت چند خاص مقامات کے توضیحی مضامین پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس وقت نفسِ کتاب کی طباعت ہماری نظر میں مقدم تھی۔ آئیندہ مکمل شرح کی طباعت کی کوشش بھی کی جائے گی۔ بتوفیق اللہ تعالٰی و عونہٖ الحمیم۔

****

بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ:- یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہر شخص اپنی جدوجہد سے نبی و خلیفۃ اللہ نہیں بن سکتا۔ خدائے تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس منصب کے لئے منتخب فرما لیتا ہے۔ اور ابتداء ہی سے اس کو ایسی استعداد و صلاحیت عطا کر دی جاتی ہے کہ وہ اس بارِ نبوت و خلافت کا حامل بن سکے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے استفاضہ کر سکے۔ اسی لئے خلیفۃ اللہ کی پیدائش کے وقت ہی سے مافوق العادت امور کا اظہار ہونے لگتا ہے جن کو علمائے کرام "علاماتِ ارہاصیہ" کہتے ہیں۔ پس جس طرح نوعِ انسان میں مختلف قسم کی استعداد رکھنے والے اصناف پائے جاتے ہیں مثلاً ادیب، شاعر، فلسفی، مہندس وغیرہ اِسی طرح خلفائے الٰہی بھی ایک صنف ہے اور نوعِ انسانی کی اس بلند پایہ صنف کو چند ایسی خصوصیات و لوازم عطا کر دیئے جاتے ہیں کہ اس کو دوسرے اصنافِ انسانی سے ممتاز بنا دیں۔

اس مقدس صنف کی ایک اہم خصوصیت "استفاضہ وافاضہ" ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے فیضان حاصل کرنا اور اس کو عام انسانوں تک پہنچانا۔ یہ "وہبی علم" کہلاتا ہے۔ وہبی علم کے تین ذرائع ہیں۔ وحیؔ۔ الہامؔ۔ کشفؔ پھر "وحی" کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک "وحیِ توسط" جو مخصوص فرشتے کے ذریعہ بھیجی جاتی ہے۔ دوسری "وحیِ بلا توسط" جس میں کسی ذریعہ کے بغیر خود ذاتِ باری تعالیٰ سے علم حاصل ہوتا ہے۔ وحی ایک قطعی و یقینی امر ہے اس لئے وحی کو جس طرح خود "موحیٰ الیہ" (نبی یا خلیفۃ اللہ) کے لئے قطعی اور یقینی قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسروں کے لئے بھی یقینی و قطعی اور قابلِ حجت و عمل قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف الہامؔ و کشفؔ صرف اِسی کے لئے حجت ہے جس پر وہ ظاہر ہو اور دوسروں کے لئے ظنی قرار دیا گیا ہے۔ من رئی الھلال فعلیہ الصوم۔

اس مختصر توضیح سے ظاہر ہے کہ خلیفۃ اللہ کا "صاحبِ وحی" ہونا اس کی ایک اہم خصوصیت ہے اور جب حضرت

محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں تو بدرجۂ اولیٰ صاحبِ وحی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَایَنطِقُ عَنِ الْھَوٰیO اِنْ ھُوَاِلَّا وَحیٌ یُّوحٰیO (سورۃ النجم۔ 3-4)

ترجمہ :- (حضرت محمد ﷺ) جو بولتے ہیں اپنی طرف سے نہیں بولتے بلکہ وہی بولتے ہیں جو اُن کو وحی کی جاتی ہے۔

اس آئیہ کریمہ میں " وَمَایَنطِقُ" کے الفاظ عمومیتِ تامہ کا مفہوم رکھتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ کا ہر قول وحی ہے خواہ وہ آیاتِ قرآنی ہوں یا احادیثِ شریفہ، جن کی سند حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہو۔

اسی لئے علماء نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے متعلق وحی کی دو قسمیں قرار دی ہیں "وحیِ متلو" و "وحیِ غیر متلو"۔ وحیِ متلو میں جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم کردیئے جاتے ہیں اُن کی پابندی و حفاظت لازم ہوتی ہے۔ اور اس کو کلام اللہ یا آیاتِ قرآنی کہا جاتا ہے۔ اور وحیِ غیر متلو میں ایسی پابندی نہیں ہوتی بلکہ رسولؐ، منشائے الٰہی کی توضیح اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ گویا احادیثِ شریفہ آیاتِ کلام اللہ کی صحیح تفسیر اور تعمیلِ قوانینِ قرآنی کی تعلیم کا فائدہ دیتی ہیں۔ حاصلِ کلام یہ کہ جب آپؐ صاحبِ وحی ہیں اور آپؐ کا ہر قول تعلیمِ خداوندی پر مبنی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت کے بارے میں جو کچھ احادیثِ صحیحہ بصورتِ اخبارِ مغیبہ موجود ہیں وہ من جانب اللہ ہیں۔ اس لئے "انکارِ مہدی" کو کفر قرار دیا گیا ہے کیونکہ آیاتِ الٰہی اور احادیثِ رسولؐ کا انکار لازم آتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے مہدیءِ موعودؑ کی ضرورتِ بعثت سے متعلق کئی طریقوں سے اہمیت و تفصیل کے ساتھ خبریں دی ہیں۔ طبقۂ انبیاء میں کسی نبی کے بارے میں پیشینگوئی کی ایسی نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ دار قطنی، طبرانی، ابو نعیم حاکم وغیرہ محدثین نے ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ :-

حدیث:-قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لا یذھب الدنیا حتیٰ یبعث اللہ تعالیٰ رجلاً من اھل بیتی یواطی اسمہ' اسمی و اسم ابیہٖ اسم ابی -- الخ-

ترجمہ :- حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا ختم نہ ہوگی جب تک کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو مبعوث نہ کرے جو میرے اہلِ بیت سے ہوگا اُس کا نام میرے نام کے اور اُس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے جیسا ہوگا۔ الخ۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں ابو سعید حذریؓ سے روایت کی ہے کہ :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لا تقوم الساعۃ حتیٰ یملک رجل من اھل بیتی--الخ

ترجمہ :- حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ میرے اہلِ بیت سے ایک شخص مالک ہوجائے ۔ الخ

اور ابو داوٗدؒ نے بھی اِسی طرح کی ایک روایت کی ہے :-

عن زرین عبداللہ عن النبی ﷺ قال لولم یبق من الدنیا الایوم واحد لطولاللہ ذالک الیم حتیٰ یلبعث رجلا من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی-

ترجمہ :- حضرت زرین بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر بالفرض دنیا ختم ہونے کو ایک ہی دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس ایک دن کو اتنا طویل فرما دے گا کہ میرے اہلِ بیت سے ایک شخص مبعوث ہوجائے جس کا نام میرے نام کے اور جس کے والد کا نام میرے والد کے نام کے مشابہہ ہوگا۔ اس حدیثِ شریفہ میں خصوصاً " لطول اللہ ذالک الیوم" کے الفاظ ضرورتِ بعثت کی قطعیت کو ثابت کر رہے ہیں ۔

اس کے علاوہ ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جن سے زمانۂ بعثت کا بھی علم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مسندِ امام احمد بن حنبلؒ میں عبداللہؓ ابنِ عباسؓ سے کنزالعمال میں حضرت علیؓ سے اور مشکوٰۃ میں باختلاف الفاظ یہ روایت مروی ہے:-

' قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن تھلک امۃ انا فی اولھا و عیسیٰ ابن مریم فی اٰخرھا والمھدی فی وسطھا۔

ترجمہ :- حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت ہرگز ہلاک نہ ہوگی (کیونکہ) میں اس کے شروع میں ہوں اور عیسیٰ ابنِ مریمؑ اس کے آخر میں اور مہدیؑ درمیان میں ہیں۔

اس روایت سے نہ صرف زمانۂ بعثت ظاہر ہوتا ہے بلکہ مہدی علیہ السلام کا حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرح دافعِ ہلاکتِ امت ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے مہدی علیہ السلام کا خلیفۃ اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ " العرف الوردی فی اخبار المھدی " میں ابنِ ماجہ اور حاکم اور ابونعیم کے حوالے سے حضرت ثوبانؓ کی جو روایت لکھی گئی ہے یہ الفاظ بھی ہیں:-

ثم یجیءخلیفتہ اللہ المھدی فاذاسمعتم بہ فاتوہ فبا یعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفتہ اللہ المھد

ترجمہ :- پھر اللہ کا خلیفہ مہدیؑ آئے گا پس جب تم اُس کی خبر سنو تو اُس کے پاس جاؤ اور اُس کی بیعت کرو اگر چہ کہ تمہیں برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے کیونکہ مہدی اللہ کا خلیفہ ہے۔

اس حدیثِ شریف سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں اور اُن کی بیعت فرض ہے کیونکہ " فبایعوہ" کا مستفاد یہی ہے اور " لوحبوا علی الثلج" کے الفاظ تاکیدِ اکید اور " فانہ خلیفتہ اللہ " کے الفاظ توجیہِ فرضیت پر دلالت کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے حضرت مہدی علیہ السلام کا معصوم عن

الخطا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اکابرِ سلفِ صالحینِ اہلِ سنت نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

اَلْمَهْدِیُ مِنِّی یَقْفُوْا اَثَرِی وَلَا یُخْطِیُ۔

ترجمہ :- مہدی میری اولاد سے ہوگا میرے نقشِ قدم پر چلے گا خطا نہ کرے گا۔

شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی نے فتوحاتِ مکیہ کے باب (366) میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

مانص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امامه من ائمة الدین یکون بعدهٗ یرثه و یقفوا اثره و لایخطی الاالمهدی خاصةً فقد شهد بعصمته کما شهدالدلیل العقلی بعضمة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔

ترجمہ :- رسول اللہ ﷺ نے کسی امام کی نسبت یہ نہیں فرمایا کہ وہ میرے بعد وارث ہوگا اور میرے نقشِ قدم پر چلے گا اور خطا نہیں کرے گا۔ خاص مہدی کے بارے میں فرمایا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نے مہدی اور احکامِ مہدی کی عصمت کے بارے میں اسی طرح شہادت دی ہے جس طرح کہ خود آنحضرت ﷺ کی عصمت پر دلیلِ قطعی شاہد ہے۔

علامہ طحاوی نے حاشیہ دارالمختار میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

المهدی لیس منتهد اذاالمجتهد یحکم بالقیاس وهویحرم علیه القیاس لان المجتهد یخطی وهو لایخطی قط نانه معصوم فی احکامه بشهادة النبیؐ وهو مبنی علی عدم جواز الاجتهاد فی حق لانبیاء۔

ترجمہ :- مہدیؑ مجتہد نہیں ہیں کیونکہ مجتہد کے احکام قیاسی ہوتے ہیں۔ اور مہدیؑ کے لئے قیاس حرام ہے۔ اس لئے کہ مجتہد خطا کرتا ہے اور مہدیؑ سے ہرگز خطا نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنے احکام میں معصوم ہے۔ جس کی شہادت

رسول اللہ ﷺ نے بھی دی ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کی یہ شہادت اس امر پر مبنی ہے کہ انبیاء و خلفائے الٰہی کے لئے اجتہاد جائز نہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے چشمہ پر ایک درخت کا نقشہ کھینچتے ہوئے شریعت اور احکام کی تصویر ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ اور حضرت مہدی علیہ السلام کو معصوم عن الخطا ثابت کیا ہے۔

فانظر یا اخی الی العین التی فی اصفل الشجرة والٰی افروع والاغصان والثمار تجدھا کلھا متفرعة من عین الشریعة فالفروع الکبار مثال اقوال ائمة المذھب والفروع الصغار مثال اقوال اکابر المقلدین والاغصان المتفرعة عن جوانب الفروع مثال اقوال طلبة ھولاءالمقلدین والنقطا لحمرة التی فی اعالی الا غصان اصغار مثال المسایل المستخرجة من اقوال العلماء فی کل دور من ادوار الزمان الٰی ان یخرج المھدی علیه السلام فیطیسل فی عصره التقلید بالعمل بقول من قبله من امذاھب کما صرح به اھل الکشف ویلیھم الحکم بشریعة محمد صلی اللہ علیه وسلم بحکم المطابقة بحیث لوکان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم موجوداً لاقرهٗ علی جمیع احکامهٖ کما اشار الیه فی حدیث ذکر المھدی بقوله یقفوا اثری ولا یخطی۔((المیزان جلد (1) فصل (29))۔

ترجمہ :- اے بھائی اس چشمہ کو دیکھو جو درخت کے نیچے ہے اور ان پھاؤں شاخوں اور پھلوں کو بھی دیکھو جو سب کے سب اِسی چشمہِ شریعت سے بہرور ہیں۔ بڑے بڑے پھاٹے ائمہ مذاہب (اربعہ) کے اقوال کی مثال ہیں اور چھوٹی چھوٹی ڈالیاں، اکابرِ مقلدین کے اقوال کی مثال ہیں جو ڈالیاں شاخ در شاخ ہیں وہ انھیں مقلدین کے تلامذہ کے اقوال کی مثال ہیں اور چھوٹی چھوٹی ڈالیوں پر سرخ نقاط جو دکھائے گئے ہیں اقوالِ علماء کے ان مسائلِ متخرجہ کی مثال ہیں جو خروجِ مہدی علیہ السلام تک ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں اور (جب مہدی علیہ السلام کی بعثت ہوجائے گی تو) مہدی علیہ السلام کے زمانے میں ان سے پہلے کے سارے مذاہب کی تقلید بالعمل باطل ہوجائے گی جیسا کہ اربابِ کشف نے اس کی تصریح کر دی ہے اور مہدی علیہ السلام ایسے احکام بیان کریں گے جو شریعتِ محمد

ﷺ کے بالکل مطابق ہوں گے۔ اس طرح کہ اگر رسول اللہ ﷺ بھی موجود ہوں تو مہدی علیہ السلام کے تمام احکام (کی صداقت) کا اقرار کریں گے۔ جیسا کہ اس بات کا اشارہ ذکرِ مہدیؑ کی حدیث میں بھی پایا جاتا ہے کہ وہ میرے نقشِ قدم پر چلے گا خطا نہیں کرے گا۔

غرض حضرت مہدی علیہ السلام سے متعلق جتنی احادیثِ کثیرہ موجود ہیں اتنی کثرت کسی دوسرے مسایل کے بارے میں کم ملے گی۔ برزنجی نے "اشاعہ فی اشراط الساعہ" میں لکھا ہے کہ :-

واعلم ان الاحادیث الواردۃ فیه علی اختلاف روایاتها لا تکاد تنحصر ولوتصفرفنا لتفصیلها لطال الکتاب وخرج عن موضوعها۔

ترجمہ :- واضح ہو کہ مہدی علیہ السلام سے متعلق مختلف احادیث اتنی کثیر وارد ہوئی ہیں کہ ان کا حصر نہیں کیا جاسکتا اگر ہم اس کی تفصیل کریں تو کتاب طویل ہوجائے گی۔ اور یہ اس کا موضوع بھی نہیں ۔

جب علمائے حدیث و اصول نے احادیث کی اتنی کثرت دیکھی اور سب حدیثوں کو "بعثتِ مہدی" کے بارے میں متفق پایا تو انھوں نے مسئلہ مہدیت کو تواترِ معنوی کے درجہ میں داخل کرلیا۔ چنانچہ علامہ قاضی منتخب الدین جونیریؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ :-

واما ما اختارہٗ السلف واتفقوا فی شانه فقد ذکر فی القرطبی و قد تواترت الاخبار واستفاضت بکثرۃ رواتها عن النبی صلی اللہ علیه و سلم فی لمهدی۔ (مخزن الدلایل)

ترجمہ :- بہرحال سلف نے جو اختیار کیا اور مہدی علیہ السلام کے بارے میں جو اتفاق کیا ہے وہ قرطبی میں مذکور ہے ۔ مہدی علیہ السلام سے متعلق جو حدیثیں ہیں اپنے راویوں کی کثرت کی وجہ تواتر کے درجے کو پہنچ گئی ہیں ۔

شیخ ابنِ حجر ہثیمی نے "القول المختصر" میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

قال بعض ائمة الحفاظ ان کون المهدی من ذریة علیه السلام تواترت عنه علیه السلام۔

ترجمہ :- بعض حفاظ ائمہِ حدیث نے فرمایا ہے کہ مہدیؑ کا آلِ رسول علیہ السلام سے ہونا حضرت رسول علیہ السلام سے تواتراً مروی ہے۔

شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی نے "لمعاتِ شرح مشکوۃ" کے باب الساعۃ میں لکھا ہے کہ :-

قدوردت فیه الاحادیث کثیرة متواترالمعنی۔

ترجمہ :- مہدی علیہ السلام کے بارے میں متواتر المعنی کثیر احادیث وارد ہیں۔

نیز لکھتے ہیں کہ:-

قدنظاهرت الاحادیث البالغة حد المتواتر معنافی کون المهدی من اهل بیت من ولد فاطمة۔

ترجمہ :- مہدی علیہ السلام اہلِ بیت رسول علیہ السلام اولادِ فاطمہ سے ہونے کہ احادیث تواترِ معنوی کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔

بحرالعلوم عبدالعلی ملک العلماء نے "اشراط الساعۃ" میں لکھا ہے کہ :-

احادیثے که دال اند برخروجِ امام مهدی کثیر اند که مبلغ آں بتواتر رسیده۔

ترجمہ :- مہدیؑ کی بعثت پر دلالت کرنے والی حدیثیں اتنی کثیر ہیں کہ تواترِ معنوی کی حد کو پہنچ گئی ہیں۔

اکابر اہلِ سنت و علماء حدیث و اصول کے ایسے بہت سارے اقوال ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی علیہ السلام کی بعثت کی احادیث تواتر معنوی ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے کیونکہ سب احادیث آمدِ مہدیؑ کے بارے میں ایک زبان ہیں ۔ البتہ اختلاف ہے تو آثار و علامات میں ہے ۔

نیز یہ امر بھی ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ جو امور تواتر کے درجے میں ہوں اُن سے قطعی و یقینی علم حاصل ہوتا ہے ۔ جن کا انکار نقل و عقل کے خلاف ہے ۔ محدث علامہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے " شرح نخبۃ الفکر " میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

وھٰذا کون المتواتر مفید العلم الیقین وھوالمعتمد لان خبرالمتواتر یفید العلم الضروری وھوالذی یضطرالانسان الیه بحیث لایمکنه دفعه۔

ترجمہ :-کیونکہ خبرِ متواتر علمِ ضروری کا ایسا فائدہ دیتی ہے کہ جس کو ماننے پر ہر آدمی مجبور ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کا رد کرنا ممکن نہیں ۔

اور اصولِ فقہ کی معتبر کتاب " اصول الشاشی " میں لکھا ہے کہ :-

ثم امتواتریوجب العلم القطعی ویکون ردہ کفرا۔

ترجمہ :- حدیثِ متواتر سے علمِ قطعی واجب ہوتا ہے اور اس کا رد کرنا کفر ہے ۔

ہم نے مختصراً جن امور کی توضیح کی ہے اس سے ناظرینِ کرام اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ کیسی مہتم بالشان پیشنگوئی ہے جس طرح قیامت وغیرہ پیشگوئیوں پر اعتقاد لازم ہے اِسی طرح بعثتِ مہدی علیہ السلام کی پیشنگوئی بھی ناقابلِ انکار ہے اور حق تو یہ ہے کہ سلفِ صالحینِ اہلِ سنت کا پیرو ایسی مستند و مستحکم پیشنگوئی سے ہرگز روگردانی نہیں کرسکتا۔

ابنِ خلدون نے "مجی ءِ مہدیؑ" کے بارے میں جو اختلاف کیا ہے یہ مسلماتِ اہلِ سنت کے صریح مغائر ہے اور اس نے جن روایات پر جرح کی ہے اس کی تعدیل بھی کی جاتی رہی ہے۔ حال میں ہی ایک کتاب

"ابرازالوہم المکنون من کلامِ ابنِ خلدون" دمشق شام سے شائع ہوئی ہے جس میں ابنِ خلدون کے اوہامِ باطلہ کو رد کردیاگیا ہے۔ یہاں اس کی توضیح طوالت کا باعث ہوگی۔ اور مناظراحسن گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ نے " مکاتیب امام غزالی" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:۔

" اس قسم کا مغالطہ جس سے ابنِ خلدون نے مسلمانوں کے " نظریہ مہدویت" کو مضمحل کرنے میں کام لیا تھا ابنِ خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اس کا تذکرہ کرکے کہ آئندہ مہدی علیہ السلام کی شکل میں مسلمانوں کو ایک نجات دہندہ ملے گا اس خیال کو اس نے غیر عقلی عقیدہ قرار دیا ہے۔ وجہ یہ بیان کی ہے کہ قوموں کا حال بھی افراد کا ہے بچپن ، جوانی ، بڑھاپا کے دور سے جیسے افراد گذرتے ہیں قوموں کو بھی اُن ہی ادوار سے گذرنا پڑتاہے۔ مسلمان جوانی کے بعد پیرانہ سالی کے حدود میں داخل ہوچکے ہیں۔ اب دوبارہ اُن کی نئی زندگی کی امید ایسی ہوئی جیسے کسی بوڑھے آدمی کے متعلق جوان ہونے کی خوش خیالی میں کوئی مبتلا ہو۔ لیکن ابنِ خلدون نے یہ نہیں سوچاکہ اسلام اورامتِ اسلامیہ کا تعلق کسی خاص نسل یا خون یا وطن کے باشندوں سے نہیں ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک قوم مثلاً عرب یا ترک اپنے ادوار ختم کرچکی ہوں لیکن کوئی دوسری تازہ دم قوم مسلمان ہوکر اسلام کو پھر تر و تازگی بخش سکتی ہے۔ تیرہ سو سال سے اس کا تجربہ ہو رہاہے۔اور ہوتا رہے گا اور اِسی سے ابنِ خلدون نے جو اعتراضات کئے ہیں اُس کی بھی محدثانہ حیثیت سے کوئی وقعت نہیں ہےاور مہدیؑ کا عقیدہ اہلِ سنت و الجماعت کا ایک مسلمہ عقیدہ ہے۔(مکاتیبِ امام غزالی صفحہ (23) مطبوعہ کراچی (پاکستان)۔

فی الواقع ابنِ خلدون کی جرح خلافِ اصول ہے کیونکہ تواتر کی صورت میں راویوں کے ضعف وقوت سے بحث نہیں کی جاتی۔ محدث علامہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی شارح بخاری نے " شرح نخبۃ الفکر" میں تحریری فرمایا ہے کہ :-

والمتواتر لا یبحث عن رجاله بل یجب العمل به من غیر بحث لا یحابه الیقین و ان ورد عن الفساق بل عن الکفرة (ماخوذ از ابراز الوہم المکنون)

ترجمہ :- خبرِ متواتر کی شان یہ ہے کہ اس کے راویوں سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ اس پر بغیر بحث کے عمل کرنا واجب ہے کیونکہ خبرِ متواتر جب یقین ہوتی ہے اگرچہ وہ روایت فاسقوں بلکہ کافروں سے ہوتی ہو۔

اس کے علاوہ سلفِ صالحینِ اہلِ سنت و اکابرِ علماء حدیث و اصول کے مقابلہ میں ایک مورخ کے ذاتی خیالات کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

نیز یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ خلفائے بنی عباسؓ کے زمانے میں اس قسم کی احادیث پروپگنڈے کے لئے وضع کرلی گئی ہیں۔ یہ بات اصول منقول کے خلاف ہے اور غیر معقول۔ کیونکہ ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ راویوں کے زمانے اور ظہورِ مہدیؑ کے زمانے میں صدیوں کا فاصلہ ہے۔ پس جن لوگوں نے اپنی ذاتی ضروریات و مصالح کے لئے بعثتِ مہدیؑ کی روایات وضع کرلی ہوں، اُن کو ایسی روایات کے وضع کرنے سے اُن کی ضروریات و مصلحتوں میں کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا جن کا وقوع صدیوں بعد ہونے کی خبر دی گئی ہے۔!

بخاری و مسلم میں مہدیِ موعودؑ کا ذکر نہ ہونا :- بخاری اور مسلم میں اگر مہدیِ موعودؑ سے متعلق کوئی حدیث نہیں پائی جاتی ہو تو اس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ بعثتِ مہدیِ موعودؑ کا مسئلہ ہی صحیح نہیں

ہے۔اس میں شک نہیں کہ علماء نے بخاری کو "اصح الکتب" تسلیم کیا ہے لیکن یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ جامع بخاری نے کوئی صحیح حدیث نہیں چھوڑی بلکہ اس کے برخلاف اس میں کی بعض حدیثیں زیرِ بحث ہیں۔

جامع بخاری کا زمانہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے دو سو سال بعد کا ہے۔آج کی جیسی سہولتیں اُس وقت میسر نہ تھیں۔ایک ہزار سال قبل کے زمانے پر غور کیا جائے کہ تار نہ ٹیلیفون، ریل نہ ریڈیو، اونٹوں پر سفر پیدل ، سفر، غربت ، بے سروسامانی ۔کسی ایک جگہ احادیث کا ذخیرہ نہیں۔پتہ چلا کہ فلاں مقام پر کسی صاحب کے پاس حدیث ہے ادھر ہی چلے۔راوی کی دیانت و صداقت کو آزمایا۔بات دل کو لگی تو اُس کی بیان کی ہوئی حدیث لے لی ورنہ چھوڑ دی۔یہ تو اسباب کی مشکلات ہیں پھر اختلافات کی مشکلات الگ تھیں اور زیادہ تر احادیث زبانوں پر تھیں کیوں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا جو فرمان سن لیتے اور جو عمل دیکھ لیتے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس بطورِ سند رہتا تھا اور بحیثیتِ احادیث بعد کے لوگ اس سے استفادہ کرتے رہے۔

اس میں شک نہیں کہ صاحبِ بخاری شریف نے بہت محنت اٹھائی اور حتی الامکان صحیح احادیث جمع کرنے کی کوشش کی۔اس کے باوجود آخر بشر تھے۔خطا ونسیان اور استخراج نتائج کی لغزش سے بری نہ تھے۔صحابی یا تابعی بھی نہ تھے مقدور بھر راویوں کو جانچ کر روایت لے لیا کرتے تھے۔علماء نے اُن کی کتاب کو "اصح الکتب" تسلیم تو کیا لیکن یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے کوئی صحیح حدیث نہیں چھوڑی اور یہ دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس کتاب میں جمع کی ہوئی کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں کلام ہو۔

ہم یہاں اصولِ حدیث کی ایک بحث کا ذکر کرتے ہیں جو راویوں کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کے اقسام معین کرنے کے بارے میں کی گئی ہے۔اس بحث کے ضمن میں "بخاری شریف" بھی زیرِ بحث آ گئی ہے۔اس سے معلوم ہو جائے گا کہ "اصح الکتب" کہنے کا مطلب فی الحقیقت کیا ہے۔

احمد بن علی الملقب بہ شہاب الدین مکی جو ابنِ حجر کے لقب سے بھی مشہور تھے۔ جن کے بارے میں علامہ جلال الدین سیطیؒ نے لکھا ہے کہ "ریاست فی الحدیث" آپ پر ختم ہوچکی۔ آپ کے جیسا کوئی حافظِ حدیث آپ کے زمانہ میں تھا اور نہ بعد پیدا ہوا۔ اُن کی تصانیف میں ایک کتاب " نخبته الفکر" آج بھی داخلِ نصاب ہے۔ اس میں حدیثِ عزیز کی تعریف اور اس سے متعلق جو بحث کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

" ایسی حدیث جس کے راوی کسی مرتبہ میں بھی دو سے کم نہ ہوں اور حدیثِ تواتر و حدیثِ مشہور کی شرائط اس میں نہ پائی جاتی ہوں تو اس کو " عزیز" کہتے ہیں۔ حاکم و جبائی نے صحتِ حدیث کے لئے یہ شرائط قرار دی ہے کہ اس کے راوی دو سے کم نہ ہوں۔ اور قاضی ابوبکر نے اس کو شرطِ بخاری کہا ہے۔ یعنی امام بخاری نے کوئی ایسی حدیث جمع ہی نہیں کی جس میں شرط نہ پائی جائے۔"

قاضی صاحب کا یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ بخاری شریف میں حدیث " الاعمال بالنیات" جو موجود ہے اس کو حضرت عمرؓ نے حضرت علقمہؒ سے روایت کیا ہے اور اُن کے ساتھ کوئی دوسرا راوی شریک نہیں۔

قاضی صاحب کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ حدیث جمعہ کے خطبہ میں پڑھکر سنائی ہے۔ جس کو سینکڑوں نے سنا کسی نے اعتراض نہ کیا۔ اس لحاظ سے سب کی مسلمہ حدیث ہوچکی۔

یہ جواب قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ صحابہؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ حدیث خطبہ میں سنی اور خاموش رہے۔ لیکن اُن کے اس سکوت سے یہ کیسے ثابت کیا جاسکے گا کہ انھوں نے یہ حدیث حضرت عمرؓ کے سوائے کسی اور سے بھی سنی تھی۔ دراں حالیکہ اس کا ثبوت ہی موجود نہیں ہے کہ حضرت علقمہؒ سے محمد بن

ابراہیمؑ کے سوائے کسی اور نے بھی سنا ہو۔

ولوبالفرض اس حدیث کے بارے میں عدم تفرد تسلیم کرلیا جائے تو بھی یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ بخاری نے اپنی "صحیح" میں اس شرط کی پوری پوری پابندی کی ہے۔ اور کوئی ایسی حدیث جمع نہیں کی جس کے راوی کسی مرتبہ میں بھی دو سے کم ہوں۔

اس کے برخلاف ابنِ حبانؒ کہتے ہیں کہ روایت دوکس از دوکس کا وجود ہی نہیں ہے۔ ہم ابنِ حبانؒ کے اس قول سے بھی متفق نہیں ہیں۔ البتہ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ ابتداء سے آخر تک اسناد کے کسی مرتبہ میں بھی راویوں کی تعداد دو سے بڑھے نہ گھٹے تو ایسی نوعیت کا پایا جانا ایک حد تک مشکل تسلیم کیا جاسکتا ہے لیکن "حدیثِ عزیز" کی جو تعریف جمہور نے کی ہے جو اوپر بیان ہوچکی اس میں صرف دو سے کمی کی نفی کی گئی ہے۔ زیادتی کی نفی نہیں کی گئی۔ اس لحاظ سے ایسی احادیث جن کے راوی کسی مرتبہ میں بھی دو سے کم نہ ہوں یعنے کہیں دو اور کہیں دو سے زیادہ ہوں تو ایسی حدیث کو "عزیز" کہیں گے۔ اور ایسی کئی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔

علامہ حجر عسقلانی کی اس بحث سے ظاہر ہے کہ صحیح بخاری میں "عزیز" سے کم درجہ کی حدیث "غریب" بھی موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "اصح الکتب" کا یہ مطلب ہے کہ صاحبِ بخاری نے زیادہ تر صحیح احادیث جمع کی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے کوئی صحیح حدیث نہیں چھوڑی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے بعد علمِ دین کا دارومدار کیا صرف صحیحین پر ہے؟ دوسری حدیث کی بڑی بڑی کتابیں ناقابلِ استفادہ ہیں۔؟ یا جو اور جتنے مسائل صحیحین میں پائے جاتے ہیں وہی قابلِ تسلیم ہیں اور دوسری حدیث کی کتابوں میں جو مذکور ہیں قابلِ لحاظ نہیں ؟

جب ان دونوں باتوں کا انحصار صحیحین پر نہیں ہے اور یہ دعویٰ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ صاحبِ بخاری سے کوئی صحیح حدیث نہیں چھوٹی تو پھر یہ سوال کس حد تک درست ہوسکتا ہے کہ بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ دین کا اہم مسئلہ تھا تو صحیحین میں اس کے متعلق کوئی حدیث کیوں نہیں ہے ؟ حالانکہ مسائلِ حنفیہ کی بنیاد جن احادیث پر ہے اُن میں کی اکثر احادیث بخاری و مسلم میں موجود ہی نہیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری و مسلم "موطا" امام مالک کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔ اور "موطا" مسائلِ عبادات کی حد تک مخصوص ہے۔ اسی لئے بخاری و مسلم شریف میں بھی وہی مسائل پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ابنِ حجر عسقلانی نے خود صاحبِ بخاری کا قول نقل کیا ہے کہ :-

وقال ابو علی الغسانی روی عنه رای البخاری انه قال خرجت الصحیح من ستمائة الف حدیث وروی الاسماعیلی عنه قال لم اخرج فی هٰذاالکتاب الاصحیی و ما ترکت من الصحیح اکثر قال الاسماعیلی لانه لو اخرج کل صحیح عندهٗ لجمع فی الباب الواحد حدیث جماعة من الصحابة و لذکر طریق کل واحد منهم اذا صحت فیصیر کتاباً کبیراً جداً۔

(مقدمہ فتح الباری شرح صحیح البخاری مولفہ امام بن حجر عسقلانی 6)۔

و قال ابو احمد بن عدی سمعت الحسن بن الحسین البزاز یقول سمعت ابراهیم بن معقل النسفی یقول سمعت البخاری یقول ما ادخلت فی کتاب الجامع الاماصح و ترکت من الصحیح حتی لا یطول۔

(مقدمہ فتح الباری 6)

ترجمہ :- ابو علی غسانی نے کہا بیان کیا ان سے (صاحبِ بخاری نے) کہ میں نے چھ لاکھ صحیح حدیثیں نکالی ہیں۔ اور اسماعیلی نے اس سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ "میں نے اس کتاب (صحیح بخاری) میں صرف صحیح

حدیثیں جمع کی ہیں ۔ اور جن صحیح حدیثوں کو میں نے چھوڑ دیا ہے بہت ہیں ۔" نیز اسماعیلی نے سبب بیان کیا کہ " اگر ہر وہ حدیث جو اُن کے پاس صحیح ہو درج کی جاتی تو ہر باب میں صحابہؓ کی ایک جماعت کی حدیثیں جمع ہوجاتیں اور ان کی صحت معلوم کرنے کے لئے ہر صحابیؓ کے طریق و سلسلے بیان کئے جاتے جس کی وجہ کتاب بہت بڑی ہوجاتی " ۔

اور ابو احمد بن عدی نے کہا کہ میں نے حسن ابنِ حسین بزاز سے سنا وہ کہتے تھے میں نے ابراہیم بن معقل النسفی سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے بخاریؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ " میں نے کتاب جامع (صحیح بخاری) میں صرف صحیح حدیثیں جمع کی ہیں اور میں نے کئی صحیح حدیثیں چھوڑ دی ہیں تاکہ (کتاب) طویل نہ ہوجائے ۔ ؟

اس سے ظاہر ہے کہ دینِ اسلام کا انحصار صرف صحیحین پر نہیں ہے ۔ اسی لئے اکابرِ اہلِ سنت نے مسئلہ مہدیت کا ذکر صحیحین میں نہ ہونے کے باوجود ، بھی مہدی ءِ موعودؑ کو داخلِ اعتقادیات قرار دیا اور عقاید کی کتابوں میں اس مسئلہ کا ذکر ضرور کیا ہے ۔ کیونکہ بڑے بڑے جامعینِ حدیث و ائمہ و حفاظ نے مسئلہ مہدیت سے متعلق روایات جمع کی ہیں ۔ اور علماء و نقادانِ سلف نے اس مسئلہ کو ضروریاتِ دین میں شمار کیا ہے ۔ جس کی وجہ آمدِ مہدی ءموعودؑ کی اتنی شہرت ہوچکی کہ غالباً مسلمانوں کا کوئی فرقہ اس سے ناواقف نہ رہا ۔

مہدی و عیسیٰ علیہما السلام ایک زمانہ میں نہ ہونے کی بحث :- عام طور پر مسلمان ، مہدی ءِ موعودؑ کی نسبت صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ قیامت کے زمانے میں ظہور پائیں گے ۔ اور عیسیٰؑ و مہدیؑ ایک زمانے میں ہوں گے ۔ یہ معلومات بھی بالکل سطحی درجہ کی بے تحقیق کتابوں کا نتیجہ ہے حضرت رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ :-

اذا بویع الخلیفتان فاقتلوا احدھما۔

ترجمہ :- جب دوخلیفے بیعت لیں توایک کو قتل کر ڈالو۔

اور اسی بناء پر نودی نے ذکرکیا ہے کہ :-

اجمع السلف فی عدم جواز اجتماع الخلیفتین فی زمانٍ واحدٍ۔

ترجمہ :- دوخلیفے ایک زمانے میں جمع ہونا جائز نہ ہونے کے بارے میں سلف نے اجماع کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مہدی و عیسیٰ علیہماالسلام ایک زمانہ میں جمع ہونے کا خیال باطل اور مخالفِ اجماع ہے۔

اصل یہ ہے کہ بخاری و مسلم وغیرہ بعض کتابوں میں چند روایتیں ایسی ہیں جن میں جیشؔ۔امیرؔ۔امامؔ وغیرہ الفاظ آئے ہیں ۔ اس پر سے بعض لوگوں نے یہ شبہ کیا ہے کہ جیشؔ سے لشکرِ مہدی اور امیرؔ سے امامِ مہدیؑ مراد ہے۔ علامہ قاضی منتخب الدین جونیریؒ نے جو حضرت امامنا مہدی ءِ موعود علیہ السلام کی تصدیق و بیعت سے مشرف ہوئے ہیں انھوں نے ثبوتِ مہدیت پر عربی زبان میں "مخزن الدلائل" ایک کتاب لکھی ہے۔اس میں عیسیٰؑ اور مہدیؑ ایک زمانہ میں ہونے کے خیال پر تفصیلی بحث کی ہے۔اور دلائلِ قطعیہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ خیال غلط ہے۔ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

و اماما قالوا بان المھدی یؤمه و یقتدی عیسیٰ خلفه و ذالک قول لانفاذ له لوجه من الوجوه لانه مخالف لهٰذا الحدیث الصحیح کیف تهلک امة انا فی اولها و عیسیٰ فی آخرها والمهدی من اهل بیتی فی وسطها و قد صرح بطلانه فی شرح المقاصد الامام سعد الدین تفتازانی فقال فما یقال ان عیسیٰ یقتدی بالمهدی او بالعکس شئی لا مستندله ینبغوان یعول علیه انتهو کلامهٗ۔

ترجمہ :- اور لیکن جو یہ کہتے ہیں کہ مہدیؑ امامت کریں گے اور عیسیٰؑ اُن کی اقتداء کریں گے یہ بات کئی وجوہ سے ناقابلِ نفاذ ہے کیونکہ حدیثِ صحیح کے مخالف بھی ہے۔(جو حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ) امت

کیونکر ہلاک ہوسکے گی جب کہ اس کے شروع میں ہوں اور عیسیٰؑ اس کے آخر میں ہیں اور مہدی ءِ موعودؑ جو میرے اہلِ بیت سے ہیں اس کے درمیان ہوں گے۔ اور (عیسیٰؑ و مہدیؑ کے جمع ہونے کے بارے میں) امام سعد الدین تفتازانی نے اپنی شرحِ مقاصد میں اس خیال کا صریح بطلان کردیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ عیسیٰؑ مہدیؑ کی اقتداء کریں گے یا وہ ان کی کریں گے یہ ایک ایسی بے سندبات ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جانا چاہیئے۔

حضرت منتخب الدینؒ نے جس حدیثِ صحیح کو پیش فرمایا ہے اس کی شرح میں صاحبِ مرقاۃ نے لکھا ہے:-

(عن جعفر) ای صادق (عن ابیه) ای محمد باقر (عن جده) زین العابدین علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی الله عنهم ویسمی مثل هٰذاالسند سلسلة الذهب۔

ترجمہ :- یعنی اس حدیث کی جیسی سند کو سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر کہا جاتا ہے۔ اور یہ روایت مسندِامام احمد بن حنبل میں عبداللہ بن عباس سے اور کنزالعمال میں حضرت علیؓ سے اشتہ اللمعات جلد چہارم میں زرین سے اور مشکوٰۃ میں باختلافِ الفاظ مروی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو پھر ثابت ہو جاتا ہے کہ مسلم و بخاری کی جن حدیثوں میں جیشؔ۔ امیرؔ امامؔ کا ذکر ہے اس سے امام مہدی ءِ موعودؑ مراد نہیں ہے۔ ورنہ اجتماعِ ضدین لازم آئے گا جو محال ہے۔!!!

نیز یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جب یہ تسلیم ہے کہ بخاری و مسلم میں مہدیؑ کا ذکر نہیں ہے تو پھر بخاری و مسلم کی روایتوں کے ان الفاظ (جیشؔ۔ امیرؔ۔ امامؔ) سے مہدیؑ مراد نہیں لی جاسکتی اور یہی وجہ ہے کہ امام بخاری و امام مسلم نے صحیح بخاری و مسلم میں " باب المهدی " قائم ہی نہیں کیا ہے۔

مسلم نے ابو ہریرہؓ سے ایک روایت کی ہے جس میں " امامکم منکم" اور " فامکم منکم" آیا ہے۔ امام بخاری نے بھی یہ روایت درج کی ہے۔ اس حدیث کی شرح عبدالحق محدثِ دہلوی نے لکھا ہے کہ :-

مراد به امام " عیسیٰ است و مراد به بودن او از شما حکم کردن اوست باحکامِ شریعت نه به احکامِ انجیل و در روایتے دیگر آمده است۔" فیومکم بکتاب ربکم و سنة نبیکم" پس امامت می کند شما را به کتابِ پروردگارِ شما و سنتِ پیغمبرِ شما پس معنی چنیں باشد که امامت کی کند شما را عیسیٰ درحال بودن او از دینِ شما و ملتِ شما و حاکم به کتاب و سنتِ شما۔

(اشعۃ اللمعات جلد 4 صفحہ 353)

ترجمہ :- یعنی امام سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان کے تم میں ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ تمہاری شریعت کے مطابق حکم دیں گے۔ انجیل کے مطابق نہیں۔ دوسری روایت میں "فیومکم بکتاب ربکم و سنته نبیکم" آیا ہے۔ یعنے وہ امامت کریں گے تمہاری، تمہارے پروردگار کی کتاب (قرآن) اور تمہارے نبیؐ کی سنت کے مطابق۔ پس معنی یہ ہوں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام تمہاری امامت کریں گے۔ اور وہ اس حال میں ہوں گے کہ وہ تمہارے دین و ملت سے ہوں گے۔ اور تمہاری کتاب و سنت سے حکم دیں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ امیرَ یا امامَ سے مراد مہدیؑ نہیں۔ بلکہ کوئی اور ہے۔ چنانچہ حضرت قاضی منتخب الدینؒ نے توضیح فرمائی ہے کہ :-

فثبت ان فاتح قسطنطنیة جیش من بنی اسحاق و المصلی مع عیسیٰ امیرهم فلا یفهم منه انه المهدی لا ئة من بنی اسمٰعیل لکونه من اولاد فاطمة بنت رسول الله صلعم لقوله المهدی 1 من عترتی من اولاد فاطمة راواہ ام سلمہؓ۔

ترجمہ :- پس ثابت ہوا کہ فاتحِ قسطنطنیہ بنی اسحاق کا لشکر ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھنے والا اسی لشکر کا امیر ہوگا۔ اس روایت سے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ اس امیر سے مراد مہدیؑ ہیں کیونکہ وہ تو بنی اسمٰعیل سے ہوں گے اس لئے کہ فاطمہ بنتِ رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے ہوں گے۔ اس فرمانِ آنحضرت ﷺ کے مطابق جو آپؐ نے فرمایا کہ مہدی میری عترت بنی فاطمہ کی اولاد سے ہوگا۔ اس کی روایت ام سلمہؓ نے کی ہے۔

اسی لئے علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں تصریح کردی ہے کہ :-

ثم لم یردنی حالہٖ ای عیسیٰ مع امام الزمان حدیث سوی ما روی انہ قال علیہ السلام لا یزال طایفۃ من امتی یقاتلون علی الحق الحدیث فما یقال ان عیسیٰ علیہ السلام یقتدی بالمھدی او بالعکس شئی لا مستند لہ فلاینبغی ان یعول علیہ 1۔

ترجمہ :- امام مہدیؑ کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے ہونے کے بارے میں کوئی حدیث صحیح روایت نہیں کی گئی۔ سوائے اس حدیث کے جس میں لا یزال طایفۃ من امتی الیٰ اٰخرہٖ درج ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ امام مہدیؑ کی اقتداء کریں گے یا امام مہدیؑ، عیسیٰؑ کی اقتداء کریں گے یہ ایک ایسی بے اصل بات ہے جس پر بھروسہ نہ کیا جانا چاہیئے۔

علامہ قاضی منتخب الدینؒ نے عیسیٰ و مہدی کے ایک زمانے میں نہ ہونے کے بارے میں مستقل بحث فرمائی ہے۔ تمام بحث یہاں درج نہیں کی جاسکتی۔ ہم نے مختصراً بعض حصے پیش کردیئے ہیں۔ ایک جگہ یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ :-

---

1- شکوۃ صفحہ (462) پر بھی یہ روایت درج ہے

فثبت انهما لا يجتمعان فی زمان واحد فمن اصر عليه بعد تمام صاتميز فهم من قبيل ان يتبعون الا الظن و انهم الا يخرصون۔ (مخزن الدلایل)

ترجمہ :- پس ثابت ہے کہ وہ دونوں (عیسیٰ و مہدی) ایک زمانہ میں جمع نہ ہوں گے۔ اس کے متعلق تمام باتوں کو جاننے کے بعد جس کسی نے عیسیٰؑ و مہدیؑ کے ایک زمانے میں ہونے پر اصرار کیا تو اس کا شمار اُن لوگوں میں ہوگا جو گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ اور وہ صرف بے اصل باتیں کرتے ہیں۔

تعجب ہے کہ یہ نظریہ عوام میں پوری شدت کے ساتھ پھیل گیا کہ عیسیٰ و مہدی (علیہما السلام) ایک زمانہ میں ہوں گے حالانکہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود ہی نہیں ہے۔

قرآنِ مجید میں لفظِ "مہدی" کا ذکر :- قرآنِ مجید میں بہت سارے مسائل ایسے ہیں جن کی تفسیر و تطبیق احادیثِ شریفہ کے بغیر ممکن نہیں۔ مثلاً قرآنِ مجید میں صرف "اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ" ہے لیکن صلوٰۃ الفجر و صلوٰۃ الظہر وغیرہ نمازوں کی خصوصیتیں اور اُن کو ادا کرنے کی ترکیبیں ذاتِ سرورِ کائنات ﷺ ہی سے معلوم ہوئی ہیں ان خصوصیتوں اور ترکیبوں کا قرآن میں مذکور نہ ہونا مخالفِ استدلال کے لئے مفید نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ سب ان آیات ہی کہ تفسیر تسلیم کی جاتی ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بعد امتِ رسول میں ایک شخص کی بعثت کا ذکر قرآن میں اجمالاً موجود ہے۔ جیساکہ آنحضرت ﷺ کا ذکر اگلے کتبِ سماویہ میں اجمالاً پایا جاتا ہے۔ اس کی توضیح [1] ان آیات کی بحث میں آگے معلوم

1۔ شرح مقاصد الجلد الثانی صفحہ (308) روایات (2)۔(3)۔(5)۔(231)(231)(234) میں ایسی آیات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ نیزان روایات کے توضیحی مضامین توضیحات کے حصہ میں آئیں گے۔

ہو جائے گی ۔ ان آیات میں صرف ایک شخص کی بعثت کا ذکر ہے اس کا نام و لقب مخصوص نہیں کیا گیا ہے ۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ شریفہ جو مہدی ءِ موعودؑ کی بعثت کے متعلق پائی جاتی ہیں وہ فی الحقیقت ان آیات ہی کی تفسیر ہیں ۔ صرف آنحضرتؐ کے فرامین ہی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس شخص کا نام " محمد " اور " لقب مہدی " ہے ۔ اور وہ نسلاً بنی فاطمہ سے ہوگا ۔ اور اس کے والدین کا نام آنحضرتؐ کے والدین کے نام پر ہوگا ۔ یہ توضیحات جب کہ ان آیات کی تفسیر و تطبیق ہیں تو ماننا پڑے گا کہ قرآن میں جس شخص کی بعثت کا ذکر ہے وہ مہدیؑ ہی ہیں ۔ اسی لئے احادیثِ شریفہ میں مہدیؑ کے لئے مامور من اللہ کی خصوصیت بھی بیان ہوئی ہے ۔

اس سے ظاہر ہے کہ لفظِ " مہدی " قرآن میں نہ ہونا مخالف استدلال کی بنا نہیں ہوسکتا ۔ ورنہ نَعُوذُبِاللہ احادیثِ صحیحہ و متواترہ مخالفِ قرآن ہونا لازم آئے گا ۔ حاصل یہ کہ " مہدیؑ " حضرت رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا خطاب ہے اس لئے کلامِ رسول میں موجود ہے ۔ لہٰذا کلام اللہ میں نہ پایا جانا خارج از بحث ہے ۔ اسی لئے حضرت بندگی میاں عبدالرشیدؒ نے خطبۂ افتتاحیہ میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں ۔

والسلام علی الامام فی اٰخرالزمان من حضرۃ الرحمان الموعود فی القراٰن المخاطب بالمھدی باللسان من نبی الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ و السلام۔

ترجمہ :- اور بارگاہِ رحمٰن سے سلام نازل ہو امامِ آخرالزماں پر جن (کی بعثت) کا وعدہ قرآن میں کیا گیا ہے ۔ اور جن کو نبی الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے " مہدیؑ " کا خطاب دیا گیا ہے ۔

مختصر حالات و خلاصۂ احکام و تعلیمات :- تاریخ بین حضرات پر مخفی نہیں کہ نویں صدی ہجری میں قومِ مسلم کی قیادت کے ذمہ دار اکثر افراد خواہ علماء ہوں یا صوفیہ بلحاظِ دینیات اپنے اپنے فرائضِ منصبی پر کس حد تک عامل تھے ۔ اور انھوں نے اپنے کو کن حالات و کیفیات میں مبتلا کر رکھا تھا ۔ دیکھو تذکرہ ابوالکلام آزاد ۔

جب قائدینِ ملت کا یہ حال ہو تو عوام کا ذکر ہی کیا؟ ایسے وقت ضرورت تھی ایک ہادیٔ برحق کی جو خلیفۃ اللہ و معصوم عن الخطاء کی خصوصیات کا حامل ہو اور درسِ اسلام کو اس کے حقیقی معنیٰ و مفہوم کے ساتھ پھر ایک بار دہرادے جس سے 1 ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ ﴿۱۹﴾ؕ (سورۃ القیٰمتہ-19) کی شان پوری طرح جلوہ گر ہوجائے۔ اور خوابیدہ و بے راہ مسلمانوں کو آگاہ کردے کہ اُن کا ہر کام اُن کی ہر حرکت اُن کی زندگی، اُن کی موت سب کچھ خدائے واحد و برتر ہی کے لئے ہو۔ اور معلوم ہوجائے کہ عشق و محبت اور وصال الی المطلوب میں اقرب الطریق کیا ہے اور ہر مقام و ہر حال میں آدابِ شریعت کی پابندی کس درجہ لازم ہے۔

ضرورت تھی ایک جماعت کی جو 2

" وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ(سورۃ آلِ عمران- 104) "

کی علمبردار ہو اور وعدۂ خداوندی

1۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" پھر ہم پر اس (قرآن) کا بیان لازم ہے" 2۔ "اور تم میں ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو خیر کی طرف بلانے والی نیکیوں کا حکم دینے والی اور برائی سے روکنے والی ہو۔

1 فَسَوۡفَ يَأۡتِي اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ ۙ(سورۃ المآئدۃ-54)

کی پوری پوری مصداق ہو۔

اور جس کی تعلیم جس کے اصول و اعمال 2 اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (سورۃ البقرہ-165) کا مظہرِتام ہوں اس طرح کہ 3 یَقۡفُوۡا اَثَرِیۡ وَلَا یُخۡطِیۡ رسولِ خدا ﷺ کی پیشنگوئی کا صحیح صحیح ثبوت ملے۔

قدرتِ کاملہ نے اس اہم ضرورت کو آیات و بنیات کا درجہ رکھنے والی کھلی نشانیوں کے ساتھ پورا کیا یعنے آفتابِ ہدایت سیدنا امامنا حضرت سید محمد جونپوری مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی ضیا پاشیوں میں صراطِ مستقیم کو اپنے بندوں پر واضح فرمایا جس سے قلوب منور ہوگئے۔ باطنی جوہر چمک اٹھے عرفان کے حقیقی رموز منکشف ہوئے اور معراج المومنین کے اعلیٰ مدارج تک رسائی نصیب ہوئی۔

جو لوگ امامنا علیہ السلام کی تصدیق سے مشرف ہوئے ہیں انھوں نے آپؑ کے دعوے کی صداقت کو اسی معیار پر پایا جن اصول و معیار پر انبیاء علیہم السلام کی صداقت کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اخلاق و عادات احکام و تعلیمات اور معجزات وغیرہ ہر حیثیت میں آپؑ کی صداقت کا کامل ثبوت موجود ہے۔

دعویٰ مہدیت سے قبل عبادت و ریاضت زہد و تقویٰ اور پر تاثیر مواعظِ حسنہ کی وجہ " سیدالاولیاء" کے لقب کے ساتھ آپؑ کی شہرت ہوچکی تھی۔ اپنے پرائے سب آپؑ کے تقدس مآب اخلاق و اعادات کے معترف رہے ہیں۔ البتہ

1- اللہ تعالیٰ قریب میں ایک ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ اس قوم سے محبت رکھتا ہو اور وہ اللہ سے محبت رکھتی ہو۔ 2- مومن اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ سخت ہیں۔ 3- (مہدیٔ) میرے نشانِ قدم پر چلے گا خطا نہ کرے گا۔

یہ اور بات ہے کہ دعوئے مہدیت کے بعد تسلیمِ دعوے کی حد تک اختلاف پیدا ہوجائے۔ یہ خصوصیت بھی آپؑ کے اعلیٰ مراتب وبلند پایہ شہرت کی بین دلیل ہے۔

عبادات کی تین قسمیں ہیں۔ جسمانی ۔ مالی۔ قلبی۔ اکثر فقہا نے جسمانی و مالی عبادات کے متعلقہ مسائل کی خوب موشگافی کی ہے۔ لیکن قلبی عبادات کا اس میں کوئی ذکر ہی نہیں اور اکثر صوفیہ نے طریقت سے متعلقہ مسائل میں بڑی دقیقہ سنجی سے کام لیا ہے۔اور بعضوں نے تو ایسا انہاک اختیار کیا کہ شرعی احکام کی خلاف ورزیاں ہونے لگیں بلکہ بعض نفس پرستوں کو تو یہ موقع ہاتھ آگیا کہ طریقت کی کھلی خلاف ورزیاں عمداً کرنے لگے۔ بدعات و منکرات میں اس درجہ مبتلا ہوگئے کہ اللہ کی پناہ۔!

امامنا علیہ السلام کو دیکھئے کہ جب رائے دلپت اور سلطان حسین شرقی کی جنگ ہورہی تھی، رائے دلپت پر آپؑ کا غیبی طاقت والا ہاتھ چلا کہ تلوار کاٹتی ہوئی سینہ سے پار ہوگئی۔ راجہ کا دل باہر نکل پڑا۔آپؑ نے اس کے دل پر اس بت کی تصویر دیکھی جس کی وہ پوجا کرتا تھا۔ دماغ مقامِ تصور ہے اور دل مقامِ تصدیق۔ یہ راجہ کی عقیدت کا کمال تھا کہ بت کا تصور اور اس تصور کی تصدیق اس درجہ رہی کہ دل میں تصویر قائم ہوگئی۔ پھر یہ کیفیت بھی اُن آنکھوں نے دیکھی تو کیا تعجب! جن میں لطائف و ماورائے محسوسات اور انوارِ تجلیات دیکھنے کی قوت وصلاحیت قدرت نے ودیعت فرمائی تھی۔

آپؑ پر جذبۂ حقانی نمودار ہوگیا کہ "باطل کا اس قدر اثر ہے تو حق کا کیا کچھ نہ ہوسکتا ہے۔" جذبۂ الٰہی نے آپؑ کو مستغرق کردیا متفقہ روایت ہے کہ بارہ سال جذبہ رہا۔ سات سال تو ایسے گذرے کہ آپؑ نے کچھ کھایا نہ پیا۔ اذاں ہوتی یا نماز کا وقت آتا تو صرف اتنا ہوش آجاتا کہ نماز ادا کرسکتے تھے۔ کسی وقت آپؑ سے خلافِ شرع کوئی فعل صادر نہ ہوا۔ ایک

دفعہ نماز کے وقت ہوش آیا تو بی بیؒ نے زاری و عاجزی سے عرض کیا کہ عرصہ دراز سے ذرا سی غذا بھی آپؐ کو نہیں پہنچی ہے ۔ فرمایا " فکر نہ کرو بندہ کو برابر غذا پہنچتی ہے ۔ " !!

شیخ الرئیس بو علی ابنِ سینا اشارات میں فرماتے ہیں کہ :-

" عارف اپنی عادتی قوت کو غیر معمولی مدت تک روک لینے کی خبر اگر تم کو پہنچے تم اُس کو صحیح سمجھو اور یہ امر طبیعیات میں مشہور و معتبر ہے جب کہ قوائے طبعیہ عمدہ عمدہ معلومات میں مشغول ہوجاتے ہیں تو ردی اسباب بالکل ہضم ہوجاتے ہیں ۔ یہ عمدہ اسباب جو نہایت محمود ہیں بالکل تحلل قبولہ نہیں کرتے ۔ اور طبیعت کو اُن کے بدل کی ضرورت نہیں ہوتی پس اکثر اوقات ایسی صفت کا موصوف شخص ایک طویل مدت تک غذا چھوڑ دیتا ہے ۔ اگر کوئی اس حالت کے سوائے دوسری حالت میں ہو اس کی مدت کے دسویں حصے سے ایک حصہ میں بھی غذا چھوڑ دے تو موت واقع ہوجائے گی ۔ مگر جس میں صفاتِ محمودہ موجود ہوں کمزور تک نہیں ہوتا اس کی قوت محفوظ رہتی ہے ۔ "

امامِ فخرالدین رازیؒ نے شرح اشارات میں اسی مذہب کو اختیار کیا ہے ۔ شیخ شہاب الدین اشراقی نے یہ بھی کہا ہے کہ عارف کے دل کا خزانہ جب الٰہی معلومات اور ملکوتی حقائق سے مامور ہوجاتا ہے تو اُس کو غذا کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ حکمائے اشراقین و مشائین کے بھی ایسے ہی اقوال ہیں اور ایسی کئی احادیثِ شریفہ بھی موجود ہیں ۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو صوم وصال رکھتے دیکھ کر جب صحابہؓ بھی آپؐ کی پیروی میں کئی کئی دن تک کا متصل روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ اُن کو منع کرتے ہیں اور اپنی نسبت فرماتے ہیں :- " ءَ لکم مثلی ابیت یطعمنی ربی و تسنیقین ۔ " (بخاری کتاب الصوم) یعنی تم میں کون میرے مثل ہے میں رات گزارتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے ۔ (سیرۃ النبی سلیمان ندوی جلد 4 صفحہ 122)

حاصلِ کلام یہ کہ جذبہ کے عالم میں بھی امامنا علیہ السلام سے کوئی خلافِ شرع فعل تو کیا صادر ہوتا نماز قضا نہ ہونے پائی اتباعِ شریعت کی یہ خصوصیت بھی ولایت کے درجۂ کمال کی دلیل ہے ۔

امامنا علیہ السلام نے طریقت و معرفت کی تعلیم اس نہج پر دی کہ کسی حال اور کسی مقام میں بھی شرک نہ ہونے پائے اور آدابِ شریعت کی پابندی لازم قرار دے کر دھوکے اور فریب کے راستے بند فرما دیئے ۔

اولیائے پیشین کی نسبت حضرت امامنا علیہ السلام نے فرمایا: " ہمارے بھائی نزدیک کا راستہ چھوڑ کر چکر کے راستے سے چلے ۔ اور مقصود حاصل کیا کیونکہ وہ طلب میں سچے تھے اور مقصود خدا تھا ۔ " ۔ صحابہؓ نے عرض کیا ۔ میرانجیؑ ! نزدیک کا راستہ کونسا ہے اور گردش کا راستہ کونسا ؟ حضرتؑ نے فرمایا:۔ " راہِ خدا میں بے اختیار کیوں نہ ہوئے کہ شریعتِ محمدیؐ کے موافق یہی راستہ نزدیک تر تھا ۔ انھوں نے اپنے اختیار سے تمام عمر کے روزے کیوں رکھے ؟ مباح و حلال چیزوں کو کیوں چھوڑ دیا سالہا سال کنوؤں میں سرنگوں کیوں لٹکے اور بارہ سال کی قید لگا کر روزے کیوں رکھے ؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نہیں فرمائے ہیں ۔ اور حسبِ فرمانِ خداوندی:۔ " وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَحَسْبُهٗ ط (سورة الطلاق-3) " (جو شخص اللہ پر توکل کرے تو اللہ اس کے لئے کافی ہے) تمام عمر توکل کا روزہ کیوں نہ رکھا ؟ اُن کو چاہیئے تھا کہ بے اختیار ہوجاتے ۔ (شواہد الولایت صفحہ 24)

ہم انا الحق کہیں سنتے تھے کہیں سبحانی ۔۔۔ یاں تھی ہر ایک کو تعلیم کہ بندہ ہونا
ہائے آیا تو اُسی کے فقراء کو آیا ۔۔۔ اِک مٹائی ہوئی ہستی کا وہ پتلا ہونا

(استاذی مولانا المعیؔ مرحوم)

بے اختیاری بڑے نازک مطالب پر حاوی ہے۔ جن کو طالبِ صادق، اپنے مرشد کی صحبت میں رہ کر بخوبی معلوم کرسکتا ہے۔ نفس کے مطالبات تین قسموں پر تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ ابلیس کی مشارکت سے اس میں قوتِ مطالبہ اور بڑھ جاتی ہے۔ (1) بقائے صحت و زندگی کے لئے اچھی غذا اچھے مشروبات کا مطالبہ (2) راحت و آرام کے لئے اچھے مکان اچھے لباس اچھے اسباب کا مطالبہ (3) بقائے نسل کے لئے جنسِ مقابل (شادی) کا مطالبہ نفس کے یہ مطالبات حاکم کی طرح نہیں بلکہ ایک محکوم و اطاعت گذار کی درخواست کے طور پر پیش ہونے چاہیں۔ مومن کی عقل و تمیز احکامِ خدا و رسولؐ کی روشنی میں غور کرے گی جو مطالبہ جس وقت جس حدتک منظور کئے جانے کے قابل ہے منظور کرے گی۔ ورنہ رد کردے گی خواہ اس کی وجہ کتنی ہی مصیبت اٹھانی پڑے اپنے اختیاراتِ حاصلہ کو خدا و رسولؐ کے احکام کے تابع کردینا ہی بے اختیاری ہے۔ اسی لئے امامنا علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا" بے اختیار شو بختیار باش"۔

تعلیماتِ مہدویہ پر " رہبانیت" کا شبہ کرنے والے غور کریں اور تعلیمات کے ایک ایک جز کو عقلِ سلیم سے جانچیں تو معلوم ہوگا کہ اتباعِ شریعت کو کیسے کیسے نازک موقعوں پر بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔" لا رهبانية فى الاسلام " کی صحیح اتباع کے ساتھ انبیاء و صحابہؓ و کاملین کی زندگی اختیار کرنے کا طریقہ اگر معلوم ہوسکتا ہے تو تعلیماتِ امامنا علیہ السلام ہی سے ہوسکتا ہے۔

غرض مہدویہ کے اصول وتعلیمات ، اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد کے حامل ہیں اور مسلمانوں کا کوئی فرقہ اکابرِ اہلِ سنت کا اتنا موافق مل نہ سکے گا۔ ہمارے اصولِ حدیث، فقہ وہی ہیں اور معمول بہ کثیر مسائلِ ائمہ و اکابرِ سنت رحمہم اللہ کے مسلمات سے ہیں۔ مثلاً مہدویہ کے پاس میت کی زیارت چوتھے دن کی جاتی ہے۔اور دیگر مسلمانوں کے پاس تیسرے دن۔ اس کی سند میں جو حدیث ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوجائے گا کہ مہدویہ کا طریقہ مائل باحتیاط

ہے۔ چنانچہ اسوۂ صحابہؓ کی عبادت من و عن ملاحظہ ہو۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے شوہر کے علاوہ دیگر اعزہ کے ماتم کے لئے صرف تین دن مقرر فرمائے۔ صحابیات نے اس کی شدت کے ساتھ پابندی کی۔ جب حضرت زنیب جحشؓ کے بھائی کا انتقال ہوگیا تو (غالباً چوتھے دن) انھوں نے خوشبو لگائی اور کہا کہ مجھ کو خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے منبر پر سنا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوائے تین دن سے زیادہ کا ماتم کرنا جائز نہیں اسی لئے یہ اس حکم کی تعمیل تھی۔ جب حضرت ام حبیبہؓ کے والدہ نے انتقال کی تو انھوں نے تین دن کے بعد اپنے رخساروں پر خوشبو ملی اور کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی صرف اس کی تعمیل مقصود تھی۔ (ابو داوٗد و کتاب الطلاق باب اعداد المتوفی عنہا زوجہا) (ماخوذ از اسوۂ صحابہؓ حصہ اول مولفہ عبداسلام ندوی)

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ تیسرے دن اگر زیارت کی جائے تو عموماً تین دن پورے ہونے نہیں پاتے اس لئے مہدویہ کے پاس تین دن غم کے ہوتے ہیں چوتھے دن زیارت کی جاتی اور رفعِ غم کے طور پر پان بتاسے اور خوشبو کا تیل تقسیم کیا جاتا ہے۔ (یہ ایک قسم کا تیل ہوتا ہے جس میں خوشبو دار چیزیں پیس کر ملائی جاتی ہیں جس کو " سوندا" کہا جاتا ہے) اور بعض مرشدین کے پاس اس طریقہ میں کچھ فرق بھی ہے۔

حاصل یہ کہ ہماری حقانیت کتاب و سنت کی موافقت کو عمیق و انتہائی محتاط نظر سے جانچنے کی ضرورت ہے۔ نیز اہلِ سنت کے اصول و عقائد کا بھی اچھی طرح مطالعہ کر لینا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے لئے جتنا قدیم تر زمانہ کی طرف رجوع ہوں گے اتنا ہی مطالعہ اہم بنتا جائے گا۔ علمائے متاخرین یا عام طور پر ملنے والی حال کی کتابوں سے اہلِ سنت کے اصل مسلمات کو متعین یا معلوم کرنے میں پوری کامیابی نہ ہوسکے گی نیز اہلِ سنت کے اکابر صوفیہ

کے اصول و مسلمات پر بھی نظر ڈال لینا ضروری ہوتا ہے کیونکہ ہمارا مذہب اسلام کی اس اعلیٰ تعلیم کی طرف رہبری کرتا ہے جو طلب و عشق و محبتِ خدا اور اس کے لوازم سے متعلق ہے۔

عموماً دہوکہ یہ ہوتا ہے کہ صرف "حنفیہ" ہی اہلِ سنت ہیں۔ حالانکہ چاروں ائمہ "اہلِ سنت" میں داخل ہیں:-

"الحق دائربین الائمة الالبعة" ہمارے پاس مسائل میں کسی ایک ہی امام کا التزام نہیں ہے۔ حضرت مہدی ءِ موعودؑ نے عالیت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور خود عمل کرکے عالیت کے راستے بتادیئے ہیں جس پر قوم کا عمل ہے۔ اسی لئے عبادات و دینیات کے مسائل کسی نہ کسی امام سے مطابقت رکھتے ہیں اور زیادہ تر مطابقت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ سے پائی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کسی ایک ہی امام کے مسائل پیشِ نظر رکھ کر ہمارے اصول و عقائد اور مسائلِ عبادات کو جانچنے کی کوشش بالکل ناکافی قرار پاتی ہے۔ نیز یہ امر بھی ذہین نشین رکھنا چاہیئے کہ مہدوی اپنے آپ کو اہلؔ سنت کہتے ہیں اور جب کبھی موافقتِ اہلِ سنت کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد نبوت کے اکابرِ خیرالقرون (صحابہؓ تابعین تبع تابعین رضوان اللہ عنہم اجمعین) ہوتے ہیں۔ یا وہ ائمہ و اولیاء اور اُن کی پیروی کرنے والے صوفیہ و علمائے دینِ متین جو سیدنا امامنا علیہ السلام کے دعوئے مہدیت سے قبل گذرے ہوں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سنت کی تعریف یہ بیان فرمائی ہے کہ "ماناعلیہ واصحابی" یعنی جس پر میں اور میرے اصحاب ہوں۔

فی الحقیقت امامنا علیہ السلام کا دعویٰ ہی تھا کہ:- "اگر کسے خواہد کہ صدقِ ما را معلوم کند باید کہ از کلامِ خدا واتباعِ رسول اللہ در احوال و اعمال ما بجوید" یعنی اگر کوئی ہماری صداقت معلوم کرنا چاہتا ہے تو ہمارے احوال و اعمال کو کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ سے مطابق کرلے۔ نیز فرمایا:-

" مذہبِ ما کتاب اللہ و اتباعِ رسول اللہ " ہمارا مذہب کتاب اللہ (قرآن) اور سنتِ رسول اللہ ہے" اسی لئے ہمارے اصول و عقائد کتاب و سنت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

اگر ہمارا کوئی مسئلہ کسی بھی امام وغیرہ سے مطابق نہ پایا جائے تب بھی کوئی ہرج نہیں جب کہ کتاب و سنت کی موافقت پائی جاتی ہو۔ عموماً نظریں اس طرف جاتی ہیں کہ ہم سید محمد جونپوریؒ کی نسبت فلاں فلاں عقیدہ رکھتے ہیں حالانکہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ ان عقاید کی علت کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ حضرت سید محمد جونپوری کی ذات مہدیءِ موعودؑ مسلم ہونے کی وجہ حضرتؑ سے متعلق ہے ہم انھیں عقاید کے پابند ہیں جو مہدیءِ موعودؑ کی نسبت ہونے چاہیں اور نہایت اہم بات یہ کہ حضرت کو مہدیءِ موعودؑ تسلیم کرنے کی وجہ کتاب و سنت کی موافقت متاثر نہ ہونے پائی۔

آپؑ کے ہمعصر بڑے بڑے علماء مشائخین سے جن لوگوں نے آپؑ کی تصدیق کی انھوں نے بھی اس خصوصیت کو اچھی طرح محسوس کیا۔ علامہ قاضی منتخب الدین جونیریؒ نے ثبوتِ مہدیتِ امامنا علیہ السلام پر عربی زبان میں ایک کتاب " مخزن الدلائل " تصنیف فرمائی ہے جس کے مقدمہ کا ایک چھوٹا سا جزو ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس سے واضح ہوسکتا ہے کہ ان علماء نے کتاب و سنت کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

اردت ان اؤلف مختصر اجامعا لحل مشکلاتھم و شافیالما فی صدورھم من ضلاتھم و ھادیا لمن تدبر فیہ الی صراط مستقیم و موصلالہ الی طریق المعاد والدین القویم فشرعتہ مستعینابحضرۃ الوھاب متض عاالیہ بالعجز والا بتھال و اسئال اللہ ان یجعلنی موافقا لا ھل السنت و الجماعۃ فی کل ما ینطقہ لسانی و یرقمہ بنانی وینطوی علیہ جنانی انہ علی مایشاء قدیرو بالاجابۃ جدید۔

(مخزن الدلائل)

ترجمہ :- میں نے مختصر و جامع تالیف کا ارادہ کیا تاکہ ضلالت کی وجہ ان سینوں میں جو مشکلات ہیں ان کا تشفی بخش

حل ہو جائے اور یہ تالیف صاحبِ تدبر کے لئے صراطِ مستقیم کی طرف رہبری کرے اور دینِ قویم و معاد کی راہ پر پہنچائے۔ پس میں نے عجز و نیاز سے زاری کی حالت میں وہابِ تعالیٰ کی درگاہ سے استمداد کرتے ہوئے اس تالیف کی ابتداء کی اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ مجھے اہلِ سنت والجماعت کی موافقت پر قائم رکھے۔ ہر بات میں جو میری زبان سے نکلے ہر تحریر میں جو میرے ہاتھ سے نکلے اور اس پر میرے دل کو مضبوط کردے۔ بے شک خدا جو چاہے اس پر اور دعاء کو پورا قبول کرنے پر قادر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امامنا علیہ السلام نے دعویٰ مہدیت کی صداقت کے ثبوت میں کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کو تحدی کیساتھ پیش فرمایا ہے اور آج صدیوں بعد بھی مہدوی، اپنی صداقتِ مہدویت کے ثبوت میں موافقتِ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ ہی کو پیش کرنے کے قابل ہیں۔ مہدویوں نے حدیث، فقہ اور کلام کی کتابیں الگ مرتب نہیں کی ہیں۔ اس لئے ان کے استدلال کی بناء وہی کتابیں ہیں جو اکابرِ اہلِ سنت نے مرتب کیں اور ان میں معتبر و مسلم رہی ہیں۔

چونکہ ہم امامنا علیہ السلام کو مہدیِ موعود خلیفۃ اللہ "معصوم عن الخطا" ہونے کی وجہ منتہائے دلیل مانتے ہیں اس لئے آپؑ کے ہر حکم پر موافقِ کتاب و سنت ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور پوری معتقدانہ شان میں بلا طلبِ دلیل و حجت تسلیم کرتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں مسئلہ مہدیت اور "مذہبِ مہدویہ" سے متعلقہ اعتراضات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آمدِ مہدی کے بارے میں جو لوگ معرض ہیں ان میں کے اکثر و بیشتر کا ماخذ ابنِ خلدون کے خیالات ہیں اور مذہبِ مہدویہ پر جو لوگ اعتراض کی جسارت کرتے ہیں اس کی وجہ زیادہ تر "ہدیۂ مہدویہ" مولفہ زماں خاں شاہجہانپوری کا مطالعہ ہے۔

ابنِ خلدون کے نظریہ کی حقیقت تو آگے سرسری طور پر ظاہر کردی گئی جو بہت کافی ہے۔ اور " ہدیۂ مہدویہ " کے جوابات بھی دیئے جاتے رہے ہیں ۔ " ختم الہدیٰ سبل السوی " مصنفہ حضرت علامۃ العصر مولانا سید شاہ محمد صاحبؒ جو 1289ھ میں مکمل ہوئی اور 1291ھ میں بنگلور سے شائع ہوئی اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں بھی ہے۔ (کلامِ اردو صفحہ 806) اور کحل الجواہر مصنفہ علامۃ العصر حضرت مولانا سید نصرت صاحبؒ جو 1290ھ میں مکمل ہوئی جس کی جلد حال میں طبع ہوکر شائع ہوئی ہے یہ دونوں کتابیں " مولفِ ہدیۂ مہدویہ " کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ اور مولفِ موصوف 6/ ذلحجہ 1292ھ تک بقیدِ حیات رہے ہیں اس کے علاوہ علامۃ العصر حضرت مولانا سید عیسیٰ عرف عالم میاں صاحبؒ کے رسائل بھی اسی زمانہ میں شائع ہوچکے تھے۔ نیز اِس کتاب کے حصۂ توضیحات میں " ہدیۂ مہدویہ " کے چند اعتراضات پر بھی مختصر بحث کی گئی ہے جس سے حقیقت ظاہر ہوسکتی ہے۔

اس کے قطع نظر " ہدیۂ مہدویہ " میں اندازِ استدلال، ہزل و ہجو، طنزوتمسخر، طعن، تشنیع اور سخت کلام، بیجا احکام یہ سب امور ایسے واقع ہوئے ہیں کہ جن کی وجہ سے ہر دانشمند " اجنب " اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اگرچہ اس میں کتبِ مہدویہ کے حوالے درج ہیں پھر بھی لایق اعتبار نہیں۔ کیونکہ مولف کے جذباتِ نگارش سے خصومت و عناد عیاں ہے۔ لہٰذا کلام خصم پر سے بغیر تحقیق کسی جماعت کو یا کسی فرد کو موردِ الزام نہیں قرار دیا جاسکتا جو لوگ اس عام مسئلہ کو ملحوظ نہیں رکھتے یا محض موردِ الزام کرنا جن کا مقصد ہوتا ہے۔ اس کتاب یعنے " ہدیۂ مہدویہ " سے یا اس سے استفادہ کی ہوئی کتابوں پر سے اعتراضات کر جاتے ہیں جو سراسر خلافِ اصول ہے۔ استدلال کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ مقابل کے مسلمات سے اپنا ثبوت مہیا کیا جائے لیکن اس سے لازم نہیں آسکتا کہ اس کے سارے مسلمات ہمارے مسلمات ہوجائیں۔ اسی لئے ہم نے بعض مقامات میں غیر مہدویوں کے بعض مضامین کے حوالے

اور دورِ جدید کے مشہور عالم اقبالؔ کے بعض اشعار استعمال کئے ہیں کیونکہ اقبالؔ نے اپنے کلام میں قرآن کے مضامین اور حضرت مولانا رومؒ کی مثنوی سے استفادہ کی خصوصیت کا خود ذکر کیا ہے۔

مرے اشعار میں پھنس کر نہ رہ جا * اگر تو سالکِ راہِ یقیں ہے

تری نظروں میں ہیں میری تصانیف * مری نظروں میں قرآنِ مبیں ہے

(ب) بامغربیاں بودم پر جستم و کم دیدم * (ب) مردے کہ مقاماتش ناید بحساب اندر

(ب) ہم خوگرِ محسوس ہی ساحل کے خریدار * ایک بحر پر آشوب و پر اسرار ہے رومیؒ

پیرِ رومیؔ را رفیقِ راہ ساز * تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

(علمائے یورپ) (مولانا رومیؒ)

قرآن وحدیث و اولیائے کرام کے کلام سے جو بھی استفادہ کرے گا اُس کا کلام مذہبِ مہدویہ سے زیادہ موافق پایا جائے گا۔ غرض ثبوت کی اکثر کتابوں میں اس اصول کی نظیریں موجود ہیں اور خود امامنا علیہ السلام نے دوہے دہرائے ہیں۔ غیر مہدوی علماء شعراء جو اغیار کے پاس معتبر و مسلم ہوں اُن کے موافق استدلال کو تائید دلیل کی حیثیت سے استعمال کرنا جاذبِ توجہ اور یقیناً محتاجِ غور وفکر ہوسکتا ہے۔ توضیحات کا جو مضمون جس روایت سے تعلق رکھتا ہے ابتداء میں وہ روایت مع نمبر سلسلہ درج کر دی گئی ہے جس سے معلوم ہوسکے گا کہ وہ مضمون کس روایت سے متعلق ہے۔ ہم نے ہر مسئلہ کو صاف و روشن کردینے کی ممکنہ کوشش کی ہے۔ تاہم مخلص علمائے کرام

قابلِ اصلاح امور کی طرف ہم کو متوجہ کرسکتے ہیں ۔ ایسے مخلصانہ راست اقدام کو ہم بخوشی قبول کریں گے اور دوسرے ایڈیشن کے وقت اس کو ملحوظ رکھیں گے ۔اور جو مہدوی نہ ہوں لیکن صداقت شعارانہ جذبہ رکھتے ہوں اپنے شکوک و شبہات رفع کرنے کے لئے ربط قائم کرسکتے ہیں ۔ حتی المقدور اظہارِ حق سے دریغ نہ کیا جائے گا۔ جیساکہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کتابِ نقلیات کی مکمل شرح نہ کی جاسکی ورنہ توضیحات بڑھ جاتی ۔ موجودہ نازک حالات کی وجہ طباعت کا انتظام دشوار ہوجاتا ۔اور مقصدِ اولین یعنی اصل کتاب کی طباعت کا کام رہ جاتا۔! اس لئے ہم نے فی الوقت چند خاص مضامین کی حدتک توضیحات کا حصہ مرتب کیا ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ مکمل شرح بھی قوم کے ہاتھ میں آسکے گی ۔ وَمَا تَوۡفِیۡقِی اِلَّا بِاللہِ الۡعَلِیِ الۡعَظِیۡمُ

احقر العباد فقیر ابو سعید سید محمود غفرلہٗ

توضیحات

توضیح روایت (1) و (2) و (265) دربیان صحتِ نقلیاتِ مبارکہ :-

تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہت عرصہ بعد احادیث کی تدوین ہوئی ہے اور رویات کو جانچنے کے جو اصولِ حدیث و اصولِ رجال (راویانِ حدیث) مرتب کئے گئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحتِ روایات کے معیار میں زیادہ تر راویوں پر ہی نظر رکھی گئی ہے۔ حالانکہ ان اصول متخرجہ کے علاوہ ایسی صورت بھی ممکن ہوسکتی ہے کہ ایک شخص غیر ثقہ اور آلودۂ عصیاں ہو لیکن حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کسی قول و فعل کے بارے میں وہی بیان کررہا ہے جو اس نے سنا یا دیکھا ہو۔

ظاہر ہے کہ وہ راوی اپنے بیان میں صادق تو ہے لیکن اس کے باوجود محدثین کے متخرجہ اصول کے لحاظ سے اس کی روایت کو قابلِ استفادہ نہیں قرار دیا جاتا۔ اور یہ اصولِ معقولہ کے لحاظ سے درست بھی ہے۔ کیونکہ محدثین عالم الغیب نہیں ہیں۔ اور جب کہ قطعی واجب الایقان والاذعان ذریعہ (ذاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اٹھ چکا ہو تو ایسی صورت میں وہی اصول ممکن العمل تھے جو محدثین نے اختیار کئے۔

لیکن جو روایات محض راویوں کے غیر ثقہ یا تفرد کی وجہ محدثین کے پاس قابلِ استناد قرار نہ دی گئی ہوں اور ضعیف ہونے کی وجہ استخراجِ مسائل میں اُن کو ناقابلِ استفاد قرار دیا گیا ہو، اور حقیقۃً وہ روایات صحیح ہیں تو مہدی ءِ موعودؑ کی بعثت کے بعد اُن روایات کی صحت کی تصدیق یقیناً ممکن ہے۔

کیونکہ حضرت مہدی علیہ السلام، خلیفۃ اللہ معصوم عن الخطا ہیں حضرت رسول اللہ ﷺ نے یَقْفُوْ اَثَرِیْ وَلَا یُخْطِیٔ (وہ میرے نقشِ قدم پر چلے گا خطا نہیں کرے گا) اُن کی شان میں فرمایا ہے۔ اُن کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کی بے واسطہ تعلیم کے تحت ہوتا ہے۔ اس لئے اُن کے کسی قول و فعل سے اگر کوئی روایت مطابق ہوجائے تو وہ صحت و ثقاہت کا درجہ حاصل کرلے گی۔ اگرچہ کہ محدثین نے اپنے اصولِ متخرجہ کے لحاظ سے اپنے زمانے میں اس کو رد کردیا ہو۔ راوی خواہ کیسا ہی غیر ثقہ ہو، روایت قرآنِ مجید کے خلاف نہ ہو اور بعثتِ حضرت مہدی علیہ السلام کے بعد ان کے قول و فعل سے مطابق ہوجائے تو اس روایت کی صحت یقیناً قابلِ تسلیم ہوجائے گی۔ اسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا:-

"احادیث میں بہت اختلاف ہے، سقیم سے صحیح کو الگ کرنا مشکل ہے جو حدیث خدائے تعالیٰ کی کتاب اور بندہ کے حال کے موافق ہے وہی صحیح ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد احادیث میں کثرت ہوجائے گی۔ ان احادیث کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ملاؤ۔ اگر موافق پاؤ تو قبول کرو ورنہ چھوڑ دو۔ (روایت 265)

اس لحاظ سے جو قول و فعل حضرت مہدی علیہ السلام کا ثابت ہو، موجودہ احادیثِ مرویہ اس کے موافق ہونگے یا نہ ہوں گے، اگر موافق ہوں گے تو اس صورت میں کوئی بحث ہی نہیں ہے۔ اگر موافق نہ ہوں گے تو اس صورت میں ہمارا اعتقاد اور عمل، قول و فعلِ حضرت مہدی علیہ السلام پر ہوگا کیونکہ یہ ہمارا عقیدہ ہے جو حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے رسالہ "بعض الآیات" میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

" یتبعہ فی احکام الشریعۃ بالوحی و فی الدعوۃ الی اللہ و فی احوالہ و اقوالہ وغیرہ لایتبع الرسول الا باستماع الاخبار" یعنی مہدی علیہ السلام، رسول اللہ ﷺ کی اتباع، شریعت میں اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے

اورآپؐ کے احوال واقوال میں وحی (بلاواسطہ) سے کرتے ہیں ۔ مہدیؑ کے سوائے دوسرا شخص احادیث کو سن کر رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتا ہے۔" پس جو قول و عمل حضرت مہدی ءِ موعودعلیہ السلام کا ثابت ہو ، سمجھنا چاہیے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی قول و فعل تھا۔

امام عبدالوہاب شعرانی کی عبارت اس سے قبل نقل کی جا چکی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں " مہدی علیہ السلام ایسے احکام بیان کریں گے جو شریعتِ محمد ﷺ کے بالکل مطابق ہوں گے اس طرح کہ اگر رسول اللہ ﷺ بھی موجود ہوں تو مہدی علیہ السلام کے تمام احکام (کی صداقت) کا اقرار کریں گے ۔

اوربحر العلوم عبدالعلی ملک العلماء نے "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں لکھا ہے کہ :-

" ویکون قول الامام المهدی الموعود حجة یخطی مخالفه " یعنی امام مہدی ءِ موعودؑ کا قول حجت ہوتا ہے ۔ اس کی مخالفت کرنے والا خاطی ہے ۔

توضیح روایات دربیان ثبوتِ مہدیت (روایت ۳):- حضرت رسول اللہ ﷺ کی جن احادیثِ شریفہ کی مطابقت قرآنِ مجید سے ہوتی ہے ان کا درجہ بہت فایق ہوتا ہے ۔اس لحاظ سے یہ بات محتاجِ غور ہے کہ مہدی ءِ موعودعلیہ السلام کی بعثت سے متعلقہ احادیث بہت زیادہ وارد ہیں ۔ ان میں علامات اور محلِ بعثت کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے لیکن بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ کے بارے میں سب متفق ہیں ۔ اسی لئے علمائے سلف نے بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ کے مسئلہ کو داخلِ اعتقادیات قرار دیا۔ اور ان احادیث کے تواترِ معنوی کو تسلیم کر لیا ہے ۔ ایسے مہتم بالشان مسئلہ کا وجود قرآنِ مجید میں نہ ہونا کیسے صحیح ہوسکتا ہے ۔ جب کہ اللہ تعالیٰ

نے قرآنِ مجید کے بارے میں فرمایا ہے :- وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ۝ (سورۃ الانعام-59)

یعنی اور کوئی ہری اور کوئی سوکھی چیز ایسی نہیں ہے مگر وہ سب کتابِ مبین میں (لکھی ہوئی) ہیں۔

اکثر علماء نے ان احادیث کو قرآنِ مجید سے مطابق کرنے کی طرف توجہ نہیں کی اس کا ایک سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مجی مہدی ءِ موعودؑ کا تواتر معنوی کے طور پر ثابت ہونا انھوں نے کافی سمجھ لیا اور یہ یقیناً کافی ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے تحریر فرمایا ہے :- "والمتواتر یبحث عن رجاله بل یجب العمل به من غیر بحثٍ لایجابه الیقین و ان ورد عن الفساق بل عن الکفرۃ" (شرح نخبته الفکر) یعنی روایاتِ متواترہ میں رجال سے بحث نہیں کی جاتی کیونکہ وہ موجبِ یقین ہوتی ہیں اگرچہ کہ وہ روایات فاسقوں بلکہ کافروں سے مروی ہوں۔

اس کے باوجود تطبیق بالقرآن سے یہ معلوم کرنا بھی آسان ہو جاتا کہ وہ احادیث کن آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں جن مفسرین و محققین نے اس طرف توجہ کہ ان کی تفسیروں اور تصنیفوں میں بعض آیات کے ضمن میں مہدی علیہ السلام کا ذکر پایا جاتا ہے۔۔ فی الحقیقت "ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" فرمانِ الٰہی کے مصداق یہ کام حضرت مہدی علیہ السلام کے لئے ہی مقدر تھا۔ اس لئے اکثر علماء کی بصیرت اس بارے میں قاصر رہی ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ منجانب اللہ امامنا حضرت سید محمد جونپوری مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ آیات پر آگاہی بخشی گئی جن میں مہدی ءِ موعودؑ کی طرف اشارہ موجود ہے۔ (قرآن میں لفظِ مہدی مذکور نہ ہونے کی توجیہ ہم نے خطبہ نقلیات کی توضیح میں بیان کردی ہے ملاحظہ ہو ص 359)

غرض جن آیات میں مہدی ءِ موعودؑ کی طرف اشارہ ہے ان میں سے ایک آیت وہ ہے جو روایت ۳ میں بیان ہوئی۔ حضرتؑ نے اس آیت کو اپنے ثبوتِ مہدیت میں بحکمِ خدائے تعالیٰ پیش فرمایا ہے کہ :-

" ازحق تعالیٰ بے واسطة می شوم که ایں آیت درحق تست مراد از " مَنۡ" که در " اَفَمَنۡ كَانَ" مذکور است ذات تست" اورآیت کے بقیہ الفاظ کی تفسیر نقلیاتِ میاں عبدالرشیدؓ میں اس طرح بیان کی گئی ہے ۔" و مراد از "بَیِّنَه" اتباعِ ولایتِ حضرت مصطفیٰؐ است قولاً فعلاً حالاً که تعبیر از ولایتِ محمدیؐ دارد که ولایتِ خاص است مر ذاتِ مصطفیٰؐ را ست صلی الله علیه وسلم و مراد از " شَاہِدٌ " آن است و تواریت و "مشاراً الیه از " اُولٰئِکَ" اتباعِ امم و مراد از ضمیر "بِہٖ" ذاتِ مہدیست و مراد از ضمیر "بِہٖ" دیگر نیز ذاتِ مہدیست۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ " اَفَمَنۡ کَانَ" میں "مَنۡ" ایک خاص شخص مہدی ِ موعودؑ خلیفۃ اللہ سے متعلق ہے اس کے ثبوت میں دلایل یہ ہیں :-

(1) اس " مَنۡ " سے متعلقہ ضمائر مفرد استعمال کی گئی ہیں جیسے " مِنۡ رَّبِہٖ" ۔ "یَتۡلُوۡہُ" ۔ "مِنۡه" ۔ "بِہٖ" وغیرہ۔ اور اس سے قبل کی آیت " مَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا'۔۔ الخ " (سورۃ ھود۔15) میں " مَنۡ" عام ہے اس لئے ضمائر و افعال جمع استعمال کئے گئے ہیں جیسے نوف الیھم۔ اعمالھم۔ لھم لا یبنحسون۔ ما صنعوا۔ وغیرہ ۔

(2)" مَنۡ" کا صاحب " بَیِّنَه" ہونا اور یہ صفت خلیفۃ اللہ ہی سے مخصوص ہے اگر " مَنۡ" سے عام مومنین مراد لی جائے تو صفاتِ نبوت و خلافتِ الٰہیہ کو ہر مومن کے لئے روا رکھنا لازم آئے گا۔ اس لئے کہ قرآنِ مجید میں آیات یا بنیات کا استعمال ان ہی امور میں ہوا ہے جو قدرتِ بشری سے خارج ہوں ۔ عام ازیں کہ وہ امور انبیاء سے متعلق اور ان کی نبوت پر دال ہوں یا خاص قدرتِ الٰہیہ پر دال ہوں ۔ان دونوں قسموں پر آیات و بنیات کا اطلاق فرمایا ہے

۔کیونکہ دونوں صورتوں میں آیات و بنیات کا صدور خاص قدرتِ الٰہی سے متعلق ہے ۔ اسی لئے آیات و بنیات کا انکار قدرتِ الٰہیہ کے انکار کو مستلزم ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- " مَایُجَادِلُ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّاالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ۔۔الخ (سورۃ المؤمن۔4) یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (آیتوں) میں (یعنی قرآن میں) وہی لوگ (ناحق کے) جھگڑا کرتے

ہیں جو کافر ہیں۔ البتہ قرآنِ مجید میں ایک مقام ایسا ہے جہاں بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ "بینہ" کا لفظ عام مومنین کے لئے استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ وہ بھی فی الحقیقت رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لِّيَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۢ بَيِّنَةٖ وَّيَحۡيٰى مَنۡ حَىَّ عَنۢ بَيِّنَةٍ ؕ (سورۃ الانفال-42) یعنی جو ہلاک ہو جائے "بینہ" پر ہلاک ہوا۔ اور جو زندہ رہے "بینہ" پر زندہ رہا۔ یہ آیت جنگِ بدر سے متعلق ہے۔ اس جنگ میں حضرت رسول اللہ ﷺ کو جو فتح حاصل ہوئی وہ غیبی امداد کی اہم مظہر ہے۔ کیونکہ حضرت کے ساتھ قلیل جماعت تھی اور مقابلہ میں کثیر جماعت، عصری آلات و سامانِ حرب سے پوری طرح تیار تھی۔ دوسرا فرق یہ تھا کہ آپؐ نشیب میں تھے اور مقابل کی جماعت اونچے مقام پر تھی۔ تیسرا فرق یہ تھا کہ آپؐ کا مقام ریت کا میدان تھا [1] اصولِ جنگ کے لحاظ سے یہ تمام امور حضرت رسول اللہ ﷺ کے لئے بہت ہی خطرناک تھے۔ اس کے باوجود آپؐ کو فتح حاصل ہوئی یہ نہایت مہتم باشان کام تھا۔ اس لئے قرآنِ مجید میں اعجاز کی حیثیت سے اس جنگ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور مذکور الصدر آیت میں آنحضرت کی جماعت کو بشارت دی گئی ہے کہ اس جنگ میں جو شہید ہوا وہ "بینہ" سے شہید ہوا اور جو زندہ رہا وہ بھی "بینہ" سے زندہ رہا۔

کیونکہ جنگِ بدر ایک مہتم باشان معجزہ ہے جو حضرت رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات سے مخصوص تھا۔ اگر ذاتِ رسول اللہ ﷺ موجود نہ ہوتی تو اس جنگ کا نتیجہ کچھ اور ہی ہوتا۔ یا یہ کہ وہ جنگ ہونے ہی نہ پاتی۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کو خواب میں معلوم ہوا تھا کہ دشمن کا لشکر تھوڑا اور کمزور ہے۔ آپؐ نے صحابہؓ کو اس کی خبر دی اور تعبیر بیان فرمائی کہ

1۔ اور مقابل کی جماعت سخت زمین پر صف آرا تھی۔ چوتھا یہ کہ آپؐ کے مقام سے پانی دور تھا اور اُن کے مقام سے قریب تھا۔

دشمن مغلوب ہو جائے گا۔ اس تعبیر سے صحابہ رضی اللہ عنہم خوش ہو گئے اور پورے جوش و عقیدت کے ساتھ جنگ میں حصہ لینے کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِذْ يُرِيكَهُمُ اللّٰهُ فِى مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ اَرٰكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَاِذْ يُرِيكُمُوهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِىٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا ۔۔ الخ (سورۃ الانفال۔ 43-44)

یعنے (اے محمدؐ) اس وقت تمہیں اللہ نے تمہارے خواب میں (لشکر) تھوڑا دِکھایا۔ اگر زیادہ دِکھاتا (اور تم اصحابؓ کو خبر دیتے) تو (اصحابؓ) بد دل ہو جاتے اور امرِ قتال کے بارے میں آپس میں جھگڑ لیتے۔ لیکن اللہ نے (اس تنازع سے) بچا رکھا۔ بے شک جو کچھ دِلوں میں ہے اللہ سب جاننے والا ہے۔ اور اس وقت جب کہ تم (دشمن کی جماعت کے) مقابل ہو گئے تو اللہ نے اُن (کی جماعت) کو تمہاری نظروں میں قلیل بنا کر دِکھایا۔ اس توضیح سے ظاہر ہے کہ مذکور الصدر آیت میں بھی "بینہ" کے لفظ کا تعلق فی الحقیقت ذاتِ رسول اللہ ﷺ ہی سے ہے۔

غرض آیات و بنیات یہ دونوں ایسے جامع الفاظ ہیں کہ جن میں نبوت کے عام خواص، کیفیات، مشاہدات اور اعمال خارقہ، عادت اور غیر خارقہ عادت سب داخل ہیں۔ ان آیات و بینات کو محدثین نے دلایلِ نبوت، خلافتِ الٰہیہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور حکما و متکلمین کی اصطلاح میں آیات و بینات کو معجزات کہتے ہیں۔ یہاں سے مخلوق کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔ ایک مومن ایک کافر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ (سورۃ البینۃ۔1)

ترجمہ :- جو لوگ اہلِ کتاب اور مشرکوں میں سے (قبلِ بعثتِ نبویہ) کافر تھے وہ (اپنے کفر سے ہرگز) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ اُن کے پاس واضح دلیل نہ آئی۔

امام فخرالدین رازیؒ قصۂ حضرت نوح علیہ السلام کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:- على بينة من ربه من معرفه ذات الله و صفاتهٖ و مايجب وما يمتنع وما يجوز عليه ۔ یعنی خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات کی اور ما یجب و ما یمتنع و ما یجوز علیہ کی معرفت کی وجہ سے اپنے رب کی طرف سے "بینہ" پر ہو۔

معرفتِ ذات وصفات ، نورِ ولایت کے بغیر ممکن نہیں ۔ خلفائے الٰہی اللہ تعالیٰ سے فیض حاصل کرتے اور مخلوق کو اس سے مستفیض کرتے ہیں ۔ اسی لئے یہ امر مسلم ہے کہ ہر نبی کو پہلے ولایت حاصل ہوتی ہے ۔جس طرح چاند اکتسابِ نور میں آفتاب کی ضیا باریوں کا محتاج ہے اِسی طرح نبوت و خلافتِ الٰہیہ کے لئے پہلے نورِ ولایت لازم ہے ۔حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ہے :- " ولایت را بآ فتاب تمثیل می دہند و نبوت را بمہتاب" (مکتوبِ ملتانی) ۔یعنی ولایت کو آفتاب اور نبوت کو مہتاب سے تمثیل ہے ۔

اور استاذی و مولائی حضرت سید محمود صاحب مولوی فاضل مرحوم نے شرح مکتوبِ ملتانی میں جو استدلال فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دیگر اولیاء اور حضرت مہدی ءِ موعودؑ میں فرق یہ ہے کہ عام اولیاء اللہ کو ولایت بواسطۂ انبیاء حاصل ہوتی ہے ۔اور مہدی ءِ موعودؑ کی ولایت چونکہ ولایتِ محمدیہ ہے اس لئے یہ بلا واسطہ ذاتِ باری تعالیٰ سے متعلق ہے ۔ اسی لئے آیۂ شریفہ میں عَلٰى بَيِّنَةٍ مِنْ رَّبِّهٖ فرمایا ہے ۔اور حضرت شاہِ قاسم مجتہدِ گروہ نے تحریر فرمایا ہے "- اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِنْ رَّبِّهٖ ۔آیا۔ پس کسے کہ باشد بر ولایتِ محمدی از پروردگار خود بے واسطہ یعنی مہدی علیہ السلام (مجمع الآیات) یعنی پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے بے واسطہ ولایتِ محمدیہ پر ہو اور

ولكن جعلناه نورا کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ:-

ولکن جعلناہُ نوراً و لیکن گردانید ما آں نور کہ روشن است و روشنی دہندہ کہ بوساطت آں ہمہ را دیدی و دانستی و دریافتی واو مسما است۔ بہمہ اسما و موصوف است۔ بہمہ اوصاف و منزہ است ازہم اشیاءروہیچ موجود نیست۔ بود و نباشد پیشِ وجود او (مجمع الآیات)

ترجمہ :- یعنی ہم نے اس کو نور گردانا ہے اور روشنی بخشنے والا ہے کہ تو نے اسی نور کی وساطت سے سب کو دیکھا اور جانا اور معلوم کیا اور وہ نور تمام اسماء سے مسمّٰی ہے اور تمام اوصاف سے موصوف ہے اور تمام اشیاء سے منزہ (الگ وبے عیب) ہے اس سے پہلے کسی کا وجود نہیں ہے اور نہ تھا نہ رہے گا۔

اور ایک رسالہ میں فرماتے ہیں :-

اماچنانچہ حق تعالیٰ باقیست مہدی نیز کہ ولایتِ مصطفیٰ و نورِخاص ذاتِ خدا است او ہمیشہ است۔ ہمچناں باقی چنانچہ نقلِ بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ بالاگذشت کہ ولایتِ مصطفیٰ الان کماکان۔ و مقرر است کہ الولایۃ لا تقطع ابداً چرا کہ ولایتِ مصطفیٰ نورِخاص ذاتِ خدا است۔ واو ہمیشہ بود و باقی است ولہٰذا قال علیہ السلام کنت نبیاء آدم بین الماءوالطین۔ (دلیل العدل و بفضل)

ترجمہ :- یعنی لیکن جیسا کہ حق تعالیٰ باقی ہے مہدیؑ (کی ولایت) بھی باقی ہے ۔کیوں کہ (مہدیؑ) مصطفیٰ کی ولایت اور ذاتِ خدا کا نورِخاص ہے وہ ہمیشہ ہے اِسی طرح باقی رہے گا چنانچہ بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی نقل اوپر گزری کہ ولایتِ مصطفیٰ اب بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ تھی ۔ اور ثابت ہے کہ ولایت کبھی منقطع نہ ہوگی کیوں کی ولایتِ مصطفیٰ ذاتِ خدا کا نورِ خاص ہے اور وہ ہمیشہ تھا اور باقی ہے ۔ اِسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نبی اس وقت تھا جب کہ آدم مٹی اور پانی میں تھے ۔

حضرت جامیؒ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

والولایۃ لا تنقطع ابداً فانما من الجھۃ التی تلی الحق سبحانہ وھی باقیۃ دائمۃ ابداً سرمداً واکمل مظاھرھا خاتم الاولیاء۔

ترجمہ :- یعنی ولایت کبھی منقطع نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنی اس جہت سے جو حقِ سبحانہٗ سے تعلق رکھتی ہے ابدی، سرمدی، باقی اور دائمی ہے۔ اوراس کے مظہرِ اکمل خاتم الاولیاء ہیں۔

والولایۃ صفۃ الھیۃ لذالک سمیٰؐ نفسہ بالولی الحمید وقال اللہ الولی الذین اٰمنوا فھی غیر منقطع ازلاوابداً ولایمکن الوصول لاحدمن الانبیاء وغیرھم الی الحضرۃ الا لٰھیۃ الا بالولایۃ التی ھی باطن النبوۃ وھٰذہِ المرتبۃ من حیث جامعیۃ الاسم الاعظم الخاتم الانبیاء ومن حیث ظھورھافی لشھادۃ بتامھا لخاتم الاولیاء۔

ترجمہ :- یعنی ولایت صفتِ الٰہیہ ہے اسی لئے اپنے آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے "الولی الحمید" سے موسوم فرمایا ہے۔ اور فرمایاکہ اللہ مومنین کا ولی ہے۔ پس وہ ہدایت ازلاً۔ ابداً۔ غیر منقطع ہے۔ اور کسی نبی کو بارگاہِ الٰہی تک رسائی بغیر ولایت کے ناممکن ہے اور وہی نبوت کا باطن ہے۔ اور یہ مرتبہ اسمِ اعظم کی جامعیت کی حیثیت سے خاتم الانبیاء اور اس کے شہود میں ظاہر ہونے کی حیثیت سے خاتم الاولیاء ہی کے لئے ہے۔

اورشیخ محی الدین ابنِ عربی نے کنت نبیاء اٰدم بین الماءوالطین حدیثِ شریف کی شرح یہ بیان فرمائی ہے کہ : وغیرہ من الانبیاء ماکان نبیا الاحین بعث وکذالک خاتم الاولیاء ماکان ولیا واٰدم بین الماء ولطین وغیرہ من کااولیاء ما کان ولیاالابعد تحیل شرائط الولایۃ (ماخوذ از شواہد الولایت)

ترجمہ :- "یعنی خاتم الانبیاء کے سوائے ہر نبی اس وقت نبی ہوتا ہے جب کہ وہ مبعوث ہو۔ اسی طرح خاتم الاولیاء بھی اس وقت سے ولی ہیں جب کہ آدم پانی اور مٹی میں تھے۔ اور آپؐ کے سوائے ہر ولی اس وقت ولی ہوتا ہے جبکہ اس کو ولایت کی شرائط حاصل ہوں۔"

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہِ قاسم مجتہدِ گروہؒ نے ولایت کی جو خصوصیات بیان فرمائی ہیں یہ صرف مھدویہ ہی سے مخصوص نہیں بلکہ اکابرِ اہلِ سنت کی تصانیف میں بھی پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا ہدیۂ مہدویہ کا یہ دعویٰ کہ یہ صرف مہدویہ سے مخصوص ہے باطل ہے۔ غرض ولایت کی خصوصیات میں جو کچھ بیان کیا گیا کافی ہے۔ کیونکہ کاحقہ، بیان کرنے سے نطقِ انسان عاجز ہے۔ اس لئے یہاں مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ حاصلِ کلام یہ کہ "بینۃ" سے مراد اتباعِ ولایتِ مصطفیٰ ہے۔

اگرچہ مفسرین نے "بینۃ" کے متعدد مفہومات بیان کئے ہیں مثلاً البرہان۔ الواضح من اللہ۔ حقیقتِ دینِ اسلام۔ دلیلِ عقل۔ یقین۔ قرآن۔ یا نورِ ولایت۔ لیکن کتبِ مہدویہ میں "بینۃ" کی تفسیر "اتباعِ ولایتِ محمدیہ" جو بیان کی گئی فی الحقیقت یہ ان تمام امور کی اصل ہے اور امامنا علیہ السلام کا صاحبِ ولایت ہونا ان لوگوں کی بھی تسلیم ہے جن کو آپ کے مہدیءِ موعودؑ ہونے میں شک ہے۔ چنانچہ اس کے چند شواہد یہ ہیں:-

"در ولایت و جلال و بزرگی و کمال میر سخن نیست۔" (نجات الرشید) یعنی" میر (سید محمد جونپوری) کے جلال و کمال اور آپؑ کی بزرگی و ولایت میں کوئی کلام نہیں۔"

میر سید محمد جونپوری قدس اللہ سرہٗ العزیز از اعاظم اولیائے کبار دعویِٰ مہدیت از سرزدہ بود۔

یعنی میر سید محمد جونپوری قدس اللہ سرہٗ العزیز بڑے اولیا سے تھے اور اُن سے دعویٰ مہدیت سرزد ہوا تھا۔

(منتخب التواریخ)

شیخ الاسلام گفتہ فرستادند کہ ایں مرد آیتے است از آیاتِ خدا وعلمے کہ ماسالہا خواندہ ایم ایجا ہیچ قدرے و قیمت ندارد۔ (نجات الرشید)

یعنی شیخ الاسلام کے پاس کہلا بھیجے کہ یہ شخص خدا کی نشانیوں میں ایک نشانی ہے اور ہم نے برسوں میں جو علم حاصل کیا ہے اُن کے سامنے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو "آیتے است از آیاتِ خدا" کے الفاظ صاحبِ بینہ ہونے پر دلالت کررہے ہیں اور وہ ولایتِ مقیدہ محمدیہ اور اس کی اتباعِ تام ہے۔ اسی لئے حضرت رسول اللہ ﷺ نے مہدیء موعودؑ کی شان میں یہ بھی فرمایا کہ:- "یَقْفُوْا اَثَرِیْ وَلَایُخْطِیْ" قولاً۔ فعلاً۔ حالاً۔ بے خطا اتباع ہر مومن سے ممکن نہیں یہ تو معصوم عن الخطا اور منتخب بمنصبِ خلافتِ الٰہیہ کا ہی خاصہ ہے۔ اِسی لئے حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ:-

فان قیل ماالمعنی کاملاً فی اتباعة قلنا انه یتبعه فی احکام الشریعة بالوحی و فی الدعوة الی الله و فی احواله و اقواله وغیرہ‘ لا یتبع الرسل الاباستماع لاخبار (بعض الآیات)

یعنے اگر کہا جائے کہ مہدی حضرت رسول اللہ کی اتباع میں کامل ہوں گے اس کا کیا مطلب ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ مہدی علیہ السلام، حضرت رسول اللہ ﷺ کی اتباع احکامِ شریعت میں اور دعوت الی اللہ میں اور اُن کے اقوال و احوال میں وحی (بلاتوسط) کے ذریعہ کریں گے۔ اور مہدیؑ کے سوائے دوسرا شخص صرف احادیث سنکر ہی رسولوں کی اتباع کرتا ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ "صاحبِ بینہ" ہونا خلافتِ الٰہیہ کی اہم خصوصیت ہے اس لئے یہ "من" "خلیفته الله" کے لئے خاص ہے۔

(3) "یَتْلُوْہٗ" میں "ہٗ" کی ضمیر "مَنْ" کی طرف راجع ہے۔ "شَاہِدٌ" سے مراد مستند نقلیاتِ مبارکہ میں "قرآن" پائی جاتی ہے۔ حضرت شاہِ خوندمیر صدیق ولایتؓ و سلف الصالحین نے بھی یہی مراد بیان فرمائی ہے۔

(4) " اُولٰئِکَ یُؤمِنُوْنَ بِہٖ " میں " بِہٖ " کا مرجع وہی " مَنْ " ہے۔" اولٰئِک " کا مشارالیہ جو محذوف منوی اس کی توضیح نقلیاتِ بندگی میاں عبدالرشیدؒ میں " اِتّبَاعِ اُمَمٌ " (اتباع کرنے والی امتیں) بیان کی گئی ہے۔ یعنی بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ کے زمانہ میں لوگ جو مختلف جماعتوں میں بٹے ہوئے ہوں گے اُن میں سے جن کے حصہ میں ایمان مقدر ہے وہ سب اس " مَنْ " پر ایمان لائیں گے۔ اس تفسیر کا ثبوت :-" وَمَنْ یَّکْفُرْبِہٖ مِنَ لَاَحْزَابِ فَالنَّارُ مُوْعِدُہٗ ۚ (سورۃ ھود۔17) سے ہو جاتا ہے۔احزاب یعنے اس وقت کی جماعتوں سے جو اُس " مَنْ " سے کفر کرے گا اس کی وعدہ گاہ جہنم ہے۔ اس آیت میں احزاب کا لفظ " اُولٰئِکَ " کا مشارالیہ معلوم کرنے کے لئے رہبری کر رہا ہے۔ اور " اُولٰئِکَ " کا مشارالیہ " فَسَوْفَ یَاْتِی اللہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ ۙ (سورۃ المآئدۃ۔54) " میں جس قوم کا ذکر ہے وہ قوم بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں :-

فاذا کان المھدی علی ھٰذہ الحجۃ بنفسہ و القرآن یشھد علیہ بتایدہ وقوم خصہ اللہ تعالیٰ فی کلامہٖ یوصف لایمکن لغیرہٖ فسوف یاتی اللہ بقومٍ یحبھم ویحبونہ یشھد بصدقہ و یومن بہ فلا حاجۃ بشھادۃ اٰخر(بعض الآیات)

ترجمہ :- یعنی جب کہ مہدی ءِ موعودؑ بذاتہٖ ایسی حجت رکھتے ہوں اور قرآن کی تائید میں (اُن کے قول و فعل کی صداقت پر) گواہی دے رہا ہو اور ایسی قوم نے جن کی توصیف میں اللہ تعالیٰ نے " یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ " فرمایا ہو مہدی ءِ موعودؑ کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لایا ہو تو پھر کسی دوسری شہادت کی ضرورت ہی نہیں۔

بہرحال " اِتّبَاعِ اُمَمٌ "، " اُولٰئِکَ " کا مشارالیہ ثابت ہے۔ الغرض " اُولٰئِکَ یُؤمِنُوْنَ بِہٖ " سے " مَنْ " کی ذات داخلِ ایمانیات قرار پاتی ہے اور ازروئے دینِ اسلام حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد آپؐ کی اُمت میں بجز حضرت مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس پر ایمان لانا لازم ہو۔ یہ خصوصیت بھی " من " کے

خلیفۃ اللہ کے لئے خاص ہونے کی اہم حجت ہے۔

(5) " وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ‌ۚ (سورۃ ھود۔17) میں " بِهٖ" کا مرجع " اَفَمَنۡ كَانَ" ہے اس " مَنۡ" کے انکار کو کفر اور اس کی تعزیر نارِ دوزخ قرار دینا اس "مَنۡ" کے خلیفۃ اللہ سے خاص ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(6) " فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ‌" میں " مِنۡهُ" کا مرجع وہی " اَفَمَنۡ كَانَ" ہے جن مفسرین نے " مَنۡ" سے مراد حضرت رسول اللہ ﷺ بیان کی ہے اس کا نقص یہاں عیاں ہو جاتا ہے کیونکہ "فَلَا تَكُ " میں حضرت رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے۔ اور " مِنۡهُ" کا مرجع " اَفَمَنۡ كَانَ" ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ :- (اے محمدؐ) تو اس " مَنۡ" (محمدؐ) کے بارے میں شبہ نہ کر"۔ اس معنی میں جو فساد واقع ہو رہا ہے محتاجِ توضیح نہیں۔

اور بعض مفسرین نے " شَاهِدٌ" سے مراد قرآن لے کر " فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ" کا مرجع " شَاهِدٌ" قرار دیا ہے۔ اور بعضوں نے " فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ" کو اس " مِنۡهُ" کا مرجع قرار دیا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں قرآن اور جزِ قرآن کے بارے میں حضرت رسول اللہ ﷺ کو شک ہونا لازم آئے گا جو کسی طرح صحیح نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔سلفِ مہدویہ نے "فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ" میں " مِنۡهُ" کا مرجع " اَفَمَنۡ كَانَ" قرار دیا ہے جو حضرت مہدی علیہ السلام کی اس تفسیر سے عین مطابق ہے جو آپؑ نے " اَفَمَنۡ كَانَ" میں " مَنۡ" سے مراد ذاتِ مہدیء موعودؑ بیان فرمائی ہے۔

اب معنی صاف ہو گئے کہ " اے محمدؐ تو اس مہدیؑ کے متعلق شبہ میں نہ رہ"۔

اس توضیح سے ظاہر ہے کہ جس " مَنۡ " کی بعثت کے بارے میں اللہ جلِ شانہٗ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو یقین دلایا ہو اس " مَنۡ " کے خاص ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ اور اللہ جلِ شانہٗ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مزید تاکید کے طور پر فرمایا ہے:- اِنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ (سورة هود ـ 17)

یعنی تیرے رب کی طرف سے (اس کا مبعوث ہونا) حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس آیت میں " اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ" صاف دلالت کر رہے ہیں کہ وہ " مَنۡ " عام نہیں بلکہ اس سے خلیفۃ اللہ کی حیثیت رکھنے والا مفترض الطاعۃ والایمان خاص فرد مراد ہے۔

توضیح روایت (9) و (280) :- حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ " اگر بندہ خلوت میں قرآن کا مطالعہ کرکے معانی سونچ کر باہر آتا ہے تو بندہ ظالم اور مفتری علی اللہ ہوجائے گا۔ بندہ جو کچھ کہتا، کرتا، اور سناتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہتا، کرتا اور سناتا ہے۔ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزانہ بلاواسطہ تعلیم ہوا کرتی ہے"۔

(روایت 9)

واضح ہوکہ وحی بالتوسط نبوت و رسالت کی خصوصیت ہے۔ چونکہ آپؑ نبوت و رسالت کے دعوے پر مامور نہیں ہیں بلکہ منصبِ مہدیت و خلافتِ الٰہیہ کے دعوے پر مامور ہیں اس لئے " وحیِ بلاواسطہ " آپؑ کی خصوصیت ہے اور اسی لئے آپؑ کا ارشاد ہے:- " عُلِّمۡتَ مِنَ اللهِ بِلَاوَسِطَة جَدِیۡدَ الۡیَوۡمَ " یہی وجہ ہے کہ جہاں آپؑ نے " وحیِ بلاواسطہ " کا اعلان کیا اسی طرح " وحی بالتوسط " کا انتفا بھی فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:- " اینجا تعلیمِ بلاواسطه جبریل ہست اما دعویٰ جبریل نیست"۔

(فسطاس المستقیم مولفه حضرت شاہِ قاسم مجتہدِ گروہؒ)

وہبی علم جسے عطا کرنا ہو اس کو پہلے ہی سے ایسی قدسی صفات سے متصف کیا جاتا اور ایسی استعداد و صلاحیت عطا کر دی جاتی ہے کہ وہ اس کا حامل بن سکے۔ اور جو وہبی علم خلافتِ الٰہیہ کا منصب رکھنے والی برگزیدہ ہستیوں کو عطا ہوتا ہے وہ لغزش یا خطا سے پاک و مبرا ہوتا ہے۔

امامنا علیہ السلام کے صحابی حضرت شاہِ دلاورؓ سے ایک روایت، جلیل القدر تابعی حضرت شاہ عبدالرحمٰنؒ نے نقل کی ہے:- فرمودند کہ حق تعالیٰ بندہ را درہماں زماں چہار کتاب بلامثال تعلیم کرد۔ اگر بندہ توریت خواندے مردماں تحیروار "انی لک ھٰذا" گفتندے کہ بارکرت دیگر موسیٰؑ اظہار نمود بندہ ہضم میکرد۔ و اگر بندہ انجیل بخواندے مرد ماں گفتندے کہ کرت دوم مسیح ابنِ مریم اظہار کرد۔ ہمیں منوال اگر بندہ کلام اللہ خواندے مردماں گفتندے کہ ھٰذا رجل عزیز محمد رسول اللہ قدعادبمرۃ اخری و مردماں دریں باب در شک گشتے۔ بندہ بتوفیقِ اللہ تعالیٰ ہضم کرد۔ زیرا چہ بندہ را حامل اثقالِ ولایتِ محمدیہ خدائے تعالیی بیافریدہ است (مولود)

ترجمہ :- یعنی حضرت امامنا علیہ السلام نے فرمایا:- " اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اسی زمانہ میں چاروں کتبِ (سماویہ) کی بے مثل تعلیم دے دی ہے۔ اگر بندہ توریت پڑھتا تو لوگ متحیر ہو جاتے کہ تجھے یہ کیوں کر حاصل ہوا اور کہتے کہ موسیٰؑ نے دوبارہ ظہور پایا ہے۔ بندے نے (اس قوت و صلاحیت کو) ہضم کیا۔ اگر بندہ انجیل پڑھتا تو لوگ کہتے کہ مسیحؑ ابنِ مریمؑ دوسری مرتبہ نمودار ہوئے ہیں۔ اسی طرح اگر زبور پڑھتا تو کہتے کہ یہ تو داوٗدؑ ہیں۔ اگر کلام اللہ پڑھتا تو لوگ خیال کرتے کہ رسول اللہ ﷺ دوبارہ تشریف لائے ہیں۔ اور اس بارے میں مبتلائے شک ہو جاتے! بندہ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہضم کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو ولایتِ محمدیہؐ کا بار اٹھانے کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

نیز آپؑ کی ولادتِ باسعادت کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء ہی سے آپؑ کو وہبی علم عطا ہو رہا تھا۔

روایت ہے کہ:- حضرت سید عبداللہ گفتند کہ آں ذاتِ مبارک چوں متولد شد ہر دو دست بر شرم گاہِ

خود نہادند چوں بربدنِ شریف جامہ پوشانیدند دستہائے خود جدا ساختند و باز گاہیکہ جامہ ازتنِ مبارک دور میکردند بطور سابق دستہائے خود بر شرم گاہ می نہادند۔

(مولود مولفہ حضرت شاہِ عبدالرحمٰنؒ)

ترجمہ :- یعنی حضرت سید عبد اللہؒ (والدِ بزرگوار حضرت امامنا علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ اس ذاتِ مبارک کا تولد ہوا تو دونوں ہاتھ اپنی شرم گاہ پر رکھے ہوئے تھے ۔ جب بدنِ شریف پر کپڑا پہنایا گیا اپنے ہاتھ جدا کرلئے اور جب کبھی کپڑے آپؑ کے تنِ مبارک سے علٰحدہ کئے جاتے اسی طرح اپنے ہاتھ شرم گاہ پر رکھ لیتے تھے ۔"

یہ ایک عجیب وغریب واقعہ ہے کہ قدرت نے آپؑ کے پیدا ہوتے ہی آپؑ سے رشد و ہدایت کی بنیاد رکھوائی اور اہلِ دنیا کو احکامِ شریعت کی حفاظت ونگہداشت کا حیرتناک عملی درس دیا۔ اور اہلِ بصیرت کو یہ جان لینے کا موقع عطا فرمایا کہ یہ ہستی مستقبل میں کس منصب پر فائز ہوگی ! کیونکہ یہ علامت ان علائمِ ارہاصیہ میں سے ہے جو خلفائے الٰہی سے اُن کے دعوئے بنوت وخلافت سے بہت قبل ظاہر ہوا کرتی ہیں ۔ فی الحقیقت خاتمین علیہما السلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں قدسی صفات ہستیاں ازل ہی سے اس مرتبہ پر فائز ہیں۔چنانچہ اس خصوص میں حدیثِ کنت نبیاء أدم بین الماء والطین:- (میں نبیؐ اس وقت تھا جب کہ آدم کی مٹی خمیر کی جارہی تھی) کی تفسیر میں حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وغیرہِ من الانبیاء ماکان نبیا الاحین بعث و کذالک خاتم الاولیاء کان ولیا وأدم بین اماء والطین وغیرہ من الاولیاء ما کان ولیا الا بعد تحصیل شرایط الولایۃ۔(شواہد الولایت)

ترجمہ :- ازلی نبی ہونے کی خصوصیت حضرت رسولِ اکرم ﷺ ہی کے لئے ہے۔ آپؐ کے سوائے جتنے انبیاء ہیں وہ نبی اس وقت ہوتے ہیں جب کہ اُن کی بعثت ہوتی ہو۔ اور اسی طرح خاتم الاولیاء اس وقت سے ولی ہیں

جب کہ آدم علیہ السلام کی مٹی خمیر کی جارہی تھی ۔ خاتم الاولیاء کے سوائے جو ولی ہیں وہ اس وقت ولی ہوتے ہیں جب کہ اُن کو ولایت کی شرائط حاصل ہوں ۔

غرض یہ امر متحقق ہے کہ امامنا علیہ السلام کو وہبی تعلیم بلاواسطہ ہوا کرتی تھی جس کو آپؑ نے علی الاعلان اُس وقت ظاہر فرمایا جب کہ آپؑ نے بحکمِ خدائے تعالیٰ دعوئے مہدیت پیش کیا اور " وحیِ بلاتوسط" کے اظہار کا بھی یہی وقت تھا۔

اس کے علاوہ ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے آپؑ کو کسبی علم ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے ۔اس وقت مسلمانوں میں مکتب کی ابتداء تسمیہ خوانی سے ہوا کرتی تھی ۔ اور آپؑ کے والد کو حکومتِ وقت کی طرف سے خطاب و عزو جاہ و شوکت و حشمت حاصل تھی اس لئے انھوں نے بھی بڑے اہتمام کے ساتھ آپؑ کی کسبی تعلیم کی ابتداء تسمیہ خوانی سے کی ۔ اور یہ واقعہ اگرچہ کسبی تعلیم سے متعلق ہے لیکن اس میں بھی وہبیت کی غیر معمولی تائید شاملِ حال پائی جارہی ہے ۔ روایت ہے کہ :-

چوں وقت به مکتب نشتن میراں علیه السلام رسید چهار سال و چهار ماه چهار روز بعمرِ مبارک شده بود میراں عبد الله تشریع ضیافت نمودند۔ میاں شیخ دانیال را گویانیدند حضرت میراں فرمودند " شیخ دانیال سید هستند شاه دانیال باید گفت۔ " پس گویانیدند که امروز مکتبِ میراں سید محمد است باید که آمده بزبانِ مبارک خود بسم الله گویانند۔ پس شاه دانیال درحال برمکان سید عبد الله آمده حضرت میراںؑ را برادرنگ کلاں به نشاندند و خود پایانِ تخت استادند۔ و نیز حوالی تخت اکثر الناس من علماء الفقهاء والصلحا والاتقیاء والعرفاء والوزراء والعساکر استاده بودند همدراں حضرت خضرؑ قدوم فرمودند دراں جماعت کسے خضرؑ را نه شناخت مگر حضرت میراںؑ استاده تعظیم کردند۔ شاهِ مزکور و جمله حاضرین را بسا تعجب آمد که محبوبِ خورد سال یکدام تعظیم کرد۔ پس دراں زماں شاه دانیال سر از مراقبه برآورده دیدند که حضرت خضرؑ درجمیع الناس عموم و

خصوص استادہ اند۔ بعدہٗ بجانبِ حضرت خواجہؑ التماس برنیازمندی نمود۔خواجہ و شاہ ہر دو کس حضرت میراںؑ را نبشاندند و خود پایان نشستند و نیز خوانہ الیاسؑ و مہتر عیسیٰؑ و مہتر ادریسؑ بحکمِ خدائے تعالیٰ حاضر شدہ بودند۔چوں وقتِ بسم اللہ گویا نند خواجہ خضرؑ جواب فرمودند کہ شما بسم اللہ گویانید۔آمر تعالیٰ مرا مخصوص بایں کار فرستادہ است کہ امروز حبیب من بسم اللہ می گوید تو بر دو آمین گو۔بنا براں شاہ دانیالؒ بسم اللہ گویانیدند و حضرت خواجہ خضرؑ بصوت اعلان آمین گفتند۔(مولود مولفہ حضرت شاہ عبدالرحمٰنؒ)

ترجمہ :- یعنی جب امامنا علیہ السلام کا مکتب میں بیٹھنے کا وقت آپہنچا یعنے عمرِ مبارک چار سال چار ماہ چار یوم کی ہوئی تو حضرت میاں سید عبداللہ نے مجلسِ ضیافت منعقد کی اور حضرت شیخ دانیالؒ کو بھی کھلایا۔ حضرت امامنا علیہ السلام نے (یہ نام سن کر) فرمایا کہ شیخ دانیال سید ہیں شاہ دانیال کہنا چاہیئے۔" پس اسی (نام کے ساتھ) کھلایا گیا کہ آج میراں سید محمدؑ کے مکتب کی ابتداء ہے آپ تشریف لاکر اپنی زبانِ مبارک سے بسم اللہ پڑھائیں۔ حضرت شاہ دانیالؒ اسی وقت سید عبداللہ کے گھر آگئے اور سیدنا علیہ السلام کو ایک بڑے تخت پر بیٹھا دیا اور خود تخت کے پایہ سے لگے کھڑے رہے اور تخت کے اطراف و جوانب بہت سارے لوگ علماء، فقہاء، اتقیاء، عرفاء و عساکر کھڑے ہوئے تھے اتنے میں حضرت خواجہ خضرؑ نہضت افروز ہوئے۔ کسی نے حضرت کو نہ پہچانا مگر حضرت امامناؑ نے کھڑے ہو کر تعظیم دی۔ شاہ دانیالؒ اور سب حاضرین اس حرکت پر متحیر ہوگئے کہ اس کمسن محبوبؑ نے کس کو تعظیم دی ہے۔ پس تھوڑی دیر میں حضرت شاہ دانیالؒ نے مراقبہ سے سر اٹھاکر دیکھا کہ حضرت خضرؑ اس مجمع میں تشریف فرماہیں۔ پھر حضرت خضرؑ سے اپنی عاجزی پر التماس کیا۔ خواجہ اور شاہ دونوں حضراتؒ نے مامنا علیہ السلام کو بٹھادیا اور خود بھی وہیں تخت سے لگے بیٹھ گئے اور حضرت خواجہ الیاسؑ و مہتر عیسیٰؑ و مہتر ادریسؑ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس مجلس میں تشریف فرما تھے۔ جب بسم اللہ پڑھانے کا وقت آ گیا تو شاہ صاحب نے حضرت خضرؑ سے التماس کیا کہ آپ اپنی زبانِ مبارک سے بسم اللہ پڑھائیں۔ خواجہؑ نے جواب دیا کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ محض اس لئے بھیجا ہے کہ آج کے دن ہمارا

حبیب بسم اللہ پڑھتا ہے تم آمین کہلاؤ ! پس حضرت شاہ دانیالؒ نے بسم اللہ پڑھائی اور حضرت خضرؑ نے بآوازِ بلند آمین کہا۔

ملاحظہ ہو کہ اس روایت میں " حضرت شاہ دانیالؒ کی سیادت کا اظہار اور حضرت خواجہ خضرؑ کی شناخت و تعظیم وہبی علم پر دلالت کر رہے ہیں ۔ غرض کہ تسمیہ خوانی کی تقریب اپنی ظاہری و باطنی شان و شوکت کے ساتھ پوری ہوئی اور آپؑ کو حضرت شاہ دانیالؒ کے مدرسہ میں شریک کردیا گیا۔ کیا ہی خوش نصیب ہے وہ استاد ، جس نے خدائے تعالیٰ کے خاص ، منتخب تلمیذ کی معلمی کا شرف حاصل کیا ہو۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء حضرت شاہ دانیالؒ عالم رموزِ شریعت و طریقت اور صاحبِ حال بزرگ تھے ۔ انھوں نے اس مقدس ہستی کو جان لیا تھا۔ اس لئے جب کبھی اماماً مدرسہ تشریف لے جاتے استاد صاحب تعظیم وتکریم کے بعد آپؑ کو اپنی جگہ افروز کرتے تھے ۔ روایت ہے کہ :-

وقتیکه حضرت میراںؑ برائے تحصیلِ علم درمدرسه بیامدے شاہ دانیالؒ بسیار اکرام نمود و بحضورِ خود نشانده برائے تعظیم دیگراں را نیز فرمودے سید احمد که برادرِ کلاں بودند رشک بردند کی مرا گاہے چنیں تعظیم نمی کنند تایک روز خواجه خضرؑ برائے ملاقات شاہ دانیالؒ آمده بود ند و بعد رفتن حضرت سید احمد را برائے امتحان پر سیدند که ایں کدام کس بود جواب دادند من نمی دانم۔ بعدهٗ حضرت میراںؑ را پرسیدند حضرت فرمودند که خواجه خضرؑ بودند۔ شاہ دانیالؒ دل داشتگی کرده فرمودند که ایں برادر شما مردِ عظیم است وآنچه شرف ازباری تعالیٰ که دارد شما آگاه نیستند (مولود مولفه حضرت شاہ عبد الرحمٰنؒ)

ترجمہ :- یعنی حضرت مہدی علیہ السلام تحصیلِ علم کے لئے مدرسہ میں جب تشریف لاتے حضرت شاہ دانیالؒ بہت عزت واکرام سے اپنی جگہ بٹھاتے اور دوسروں کو بھی تعظیم کے لئے فرماتے تھے ۔ آپؑ کے بڑے بھائی سید احمد کو رشک ہونے لگا کہ کبھی میری تعظیم ایسی نہیں کرتے ۔ اتفاقاً ایک دن حضرت خضرؑ شاہ دانیالؒ کی ملاقات کے لئے آگئے تھے ۔ تشریف لے جانے کے بعد امتحان کے طور پر شاہؒ نے سید احمد سے پوچھا کہ یہ کون صاحب تھے ۔ سید

احمد نے کہا میں نہیں جانتا۔ پھر سیدنا علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ خواجہ خضرؑ تھے۔ شاہ دانیالؒ نے سید احمد کی دلداری کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے بھائی کی بہت بڑی ہستی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو شرف واعزاز رکھتے ہیں تم اس سے آگاہ نہیں ہو۔

سات سال کی عمر میں کلام اللہ حفظ فرمالیا اور بارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ شاہؒ نے تمام علماء کو جمع کیا سب نے باتفاقِ تمام آپؑ کو "اسد العلماء" کا خطاب دیا۔ آپؑ کی طالبِ علمی کے ایسے واقعات بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ کا علم اپنے استاد پر بھی فوقیت رکھتا تھا۔ استاد کے وہ عقدے اور شبہات جو برسوں سے حل نہ ہو سکے تھے حضرتؑ نے اپنی طالبِ علمی کے زمانہ میں حل کردیے ہیں۔

" میاں شاہ دانیالؒ تعلیمِ قرآنِ شریف بیک رکوع داد۔ حضرت میرانؑ قبل از تعلیم خود یک جز خواندے تا در ہفت سالگی تمام قرآن حفظ کردند۔" (مولود مولفہ حضرت شاہ عبد الرحمٰنؒ)

ترجمہ :- یعنی حضرت شاہ دانیالؒ قرآنِ شریف کے ایک رکوع کی تعلیم دیتے تو حضرت سیدنا علیہ السلام اپنی تعلیم سے قبل ہی ایک جز پڑھ لیتے تھے۔ یہاں تک کہ سات سال کی عمر میں پورا قرآنِ مجید حفظ فرمالیا"۔

حضرت مولانا شاہ برہانؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ :-

" چوں شیخؒ از ہر نسخہ کہ تعلیم یک جز دادندے حضرت امام علیہ السلام تمام ماہیت مردآں کتاب را باسوال وجواب واضح کردہ فرمودندے کہ بسیارر اشکالہائے شیخ ہم حل شدے۔"

(شواہد الولایت)

ترجمہ : جب شیخؒ دانیالؒ کسی نسخہ سے ایک جز کی تعلیم دیتے تو حضرت امامنا علیہ السلام اس کتاب کی پوری ماہیت سوال وجواب کی صورت میں اس طرح واضح کردیتے کہ خود شیخؒ کے بہت سارے اشکال بھی حل ہوجاتے تھے"

اور نقلیاتِ میاں عبدالرشیدؒ میں بھی اس نوعیت کی روایت ہے ۔ ۲۸۰

یعنی خواجہ خضرؑ ہمیشہ جمعرات کے دن مدرسہ میں تشریف لاتے اور شاہ دانیالؒ سے امتحان کے طور پر چند سوال کرتے جب اُن کو جواب سے مجبور پاتے حضرت امامنا علیہ السلام سے سوال کرتے ۔ آپؑ تمام سوالات کوایک ہی 1 جواب میں حل کر دیتے تھے ۔

جب امامنا علیہ السلام کی عمرِ شریف بارہ سال کی ہوئی اور وقت کی مناسبت پائی گئی تو حضرت خضرؑ نے حقدار کو حق پہنچانا چاہا۔ اس لئے میاں شاہ دانیالؒ سے فرمایا ندی کے کنارے صحرا میں جو مسجد ہے جسے کھوکری مسجد کہتے ہیں ۔ آپ دونوں وہاں آئیں ۔ شاہ دانیالؒ حضرت امامنا علیہ السلام اورآپؑ کے برادر حضرت سید احمد کو ہمراہ لئے ہوئے وعدہ گاہ پر پہنچے ۔ حضرت خضرؑ نے یہاں بھی شاہ دانیالؒ سے چند سوال کئے وہ جواب نہ دے سکے ۔ امامنا علیہ السلام سے سوال کیا گیا تو آپؑ نے ایک ہی جواب میں حل فرما دیا۔ اس کے بعد حضرت خضرؑ امامنا کو خلوت میں لے گئے اور جدِ امجد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جو امانت اُن کے پاس تھی آپؑ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عطائے بارِ امانت ہے ۔ " اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَ حَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ "(سورۃ الاحزاب-72) آیتِ قرآنِ مجید کا مفہوم پورا پورا آپؑ پر صادق ہے ۔ پھر آپؑ نے کہا

---

1 ۔ ہم یہاں مثال کے طور پر ایک روایت کا ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ آپؑ کس طرح سوالات کو ایک ہی جواب میں حل فرمادیا کرتے تھے ۔ روایت ہے کہ ایک موقع پر کسی نے چار بڑی کتبِ سماویہ کے نزول کی ماہیت کی نسبت حضرت سے سوال کیا تو آپؑ نے جواب فرمایا کہ "مرادِ توریت و زبور و انجیل و فرقان به یک کلمه اندک " لا الٰہ الا اللہ" (انصاف نامه)

کہ خدائے تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنے جد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس امانت سے تلقین کریں۔ یہ ذکرِ خفی کی تعلیم جو میرے پاس امانت تھی آپؐ کو پہنچادی گئی۔ کچھ حاملِ اثقال کو بھی ملنا چاہیئے۔ پھر حضرت امامناؑ نے حضرت خضرؑ کو ذکرِ خفی کی تلقین کی۔ اس کے بعد دونوں صاحبِ رموز و اسرار ہستیاں خلوت میں آئیں اور حضرت خضرؑ نے حضرت شاہ دانیالؒ سے فرمایا کہ یہ مہدیِ موعودؑ ہیں میں نے اِن کی مہدیت کی تصدیق کی ہے تم بھی تصدیق کریں اور تلقین حاصل کریں۔ پس حضرت دانیالؒ اور حضرت سید احمد دونوں نے تلقین کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اِن دنوں حضرت شاہ دانیالؒ نے سیدنا علیہ السلام کو "سید الاولیاء" کا لقب دیا۔ اور دن بدن حضرت کی ولایت عوام پر ظاہر ہونے لگی۔

یہ واقعات بارہ سالہ عمر یعنی دعوائے مہدیت سے اٹھائیس 28 سال قبل کے ہیں۔ گویا اپنی مہدیت کا علم ہونے کے بعد بھی جب تک علی الاعلان دعوے کا تاکیدی حکم نہ ملا آپؐ نے طویل عرصہ تک مہدیت کو ظاہر نہیں فرمایا۔ غرض ان واقعات سے ظاہر ہے کہ امامنا علیہ السلام کا علم طالبِ علمی کے زمانہ میں ہی اتنا بڑھا ہوا تھا کہ استاد کے عقدے حل ہوجایا کرتے تھے۔ اورآپؐ کو غیبی وہبی تائید حاصل تھی۔ جب ہی تو آپؐ کو بارہ سالہ عمر میں "اسد العلماء" کا خطاب علماء نے بالاتفاق دیا۔ اوراس کے بعد آپؐ کے کیمیاءِ اثر وعظ و بیان اور ریاضت و زہد و تقویٰ کی وجہ آپؐ "سید الاولیاء" مشہور ہوگئے۔ چنانچہ کتبِ تواریخ بھی اس کے شاہد ہیں۔ جس کی مثالیں دوسرے مضامین میں پیش کی جاچکی ہیں۔

حضرت امامنا علیہ السلام کا اپنے استاد کے علم پر فوقیت رکھنا کوئی تعجب کی بات نہیں جب کہ قرآنِ مجید میں حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کا وہ قصہ موجود ہے جس میں حضرت سلیمانؑ کے فیصلہ کو آپؑ کے والد

حضرت داوٗدؑ نے اپنے فیصلہ کے مقابلہ میں تسلیم کرلیا تھا۔ حالانکہ اس وقت حضرت سلیمانؑ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ اور حضرت داوٗدؑ اولوالعزم صاحبِ کتاب پیغمبر تھے۔ آیت کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْيَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْنَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّالِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ۔ۙ۝
فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًاوَّعِلْمًا ز (سورۃ الانبیآء۔ 78-79)

ترجمہ :- یعنی داوٗد و سلیمان کو بھی (یاد کرو) جب کہ وہ دونوں کھیتی کا جھگڑا فیصل کر رہے تھے جب کہ ایک کھیت میں ایک قوم کی بکریاں رات کو چر گئی تھیں۔ اور اُن کا فیصلہ ہمارے سامنے تھا۔ پھر ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھادیا اور ہر ایک کو ہم نے حکمت و علم عطا کیا ہے؟

تفسیرِ خازن، تفسیرِ کبیر وغیرہ بڑی بڑی کتابوں میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داوٗدؑ کے پاس ایک کسان اور چرواہا دونوں آئے۔ کسان نے فریاد کی کہ اس چرواہے کی بکریاں رات کو میرے انگور کے کھیت میں گھس پڑیں اور سخت نقصان پہنچائیں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ "کھیت کے بدلے بکریاں کسان کو دیدی جائیں۔ دونوں وہاں سے حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچے۔ آپؑ نے فیصلہ سن کر فرمایا" میں الوالامر ہوتا تو دوسرا ہی فیصلہ کرتا جو دونوں کے لئے مفید ہوتا" فریادیوں نے یہ بات حضرت داوٗد علیہ السلام تک پہنچا دی۔ آپؑ نے فرزندِ ارجمند کو بلا کر پوچھا تم کیا فیصلہ کرتے؟ سلیمانؑ نے کہا میں کسان کو بکریاں اس طرح دیتا کہ اس کا کھیت دوبارہ تیار ہونے تک ان بکریوں کی نسل، دودھ اور صوف وغیرہ سے فائدہ اٹھائے اس کے بعد جن کی بکریاں اس کے حوالے کردی جائیں"۔ حضرت داوٗد علیہ السلام نے فیصلہ کو بہت پسند فرمایا۔ اِسی پر عمل کرنے کا حکم دیا۔

امام فخرالدین رازیؒ تحریر فرماتے ہیں :-

قال ابنِ عباس رضی اللہ عنہ احکم سلیمان بذالک وھوابن احدی عشر ستۃ۔

(مفاتح الغیب المعروف بہ تفسیرِ کبیر جلد 5 صفحہ 172

ترجمہ :- یعنے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ نے کہاکہ سلیمان علیہ السلام نے جس وقت یہ فیصلہ کیا، گیارہ سال کی عمر تھی۔

علماء نے اس واقعہ پر بہت بحثیں کی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام سے بھی غلطی نہیں ہوئی البتہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو اس سے بہتر بات معلوم کرائی۔ یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ حضرت سلیمان گیارہ سالہ فرزند ہونے کے باوجود اُن کے والد اور صاحبِ کتاب پیغمبر سے بہتر بات معلوم کرائی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر بھی فرمایا ہے کہ " وَ كُلًّا اٰتَيۡنَا حُكۡمًا وَّعِلۡمًا " یعنے ہم ہر ایک کو حکمت و علم عطا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ حکمت و علم عطا کرنے پر قادر ہے۔ اپنے ہر خلیفہ کو عطا فرماتا ہے۔

اسی طرح جب مہدی علیہ السلام بھی خلیفۃ اللہ ہیں تو اُن کو حکمت و علم ، حضرت شاہِ دانیالؒ کے علم پر کیوں نہ فائق ہوں جب کہ شاہ دانیالؒ خلیفۃ اللہ نہیں ہیں۔ جو مقدس ہستی الوہیت کے بحرِ ناپیدا کنار کی پیراک ہو اس کے سامنے کسبی علوم کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

امامنا علیہ السلام کو بارہ سالہ عمر کے اندر اندر کسبی علوم سے جو تعلق رہا اس کی نوعیت بھی نہایت خاص اور اہم ہے خود امامنا علیہ السلام نے ایک دفعہ فرمایا:-

فرمودند کہ حضرت باری تعالیٰ بجز اُمّی علمِ لَدُنّی عطا نمی شود یا اُمّی اصلی باشد یا جعلی۔ بندہ را پیش ازاں علمِ ظاہری بود آں علم را فراموش گردانیدہ بعدہٗ بعلمِ قرب مقرب کردند۔

(نقلیات حضرت بندگی میاں عبد الرشیدؓ و انصاف نامہ)

ترجمہ :- یعنی فرمایا کہ درگاہِ باری تعالیٰ سے امی ہی کو علمِ لدنی عطا ہوتا ہے۔ خواہ امی اصلی ہو یا جعلی ۔ بعد میں امی بنا دیا گیا ہو) بندے کو اس سے پہلے علمِ ظاہری تھا وہ علم بھلا دیا گیا۔ اس کے بعد علمِ قرب (منصبِ مہدیت) سے مقرب کیا گیا۔

واضح ہو کہ یہ روایت منصبِ مہدیت کے اعلان کے بعد کی ہے ۔ اس لئے کہ آپؑ 14/ جمادی الاولیٰ 847ھ ہجری دوشنبہ کے دن طلوعِ فجر سے قبل جونپور میں پیدا ہوئے ۔ بارہ سال کی عمر 859ھ ہجری میں اسد العلماء کا خطاب حاصل کیا۔ چالیس سال کی عمر 887ھ ہجری سے دعوئے مہدیت کی ابتداء فرمائی ۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپؑ کو دعوئے مہدیت کے اٹھائیس سال قبل ہی علمِ ظاہری سے فارغ التحصیل قرار دیا جاچکا تھا۔ وہ بھی بھلا دیا جانے کے بعد آپؑ کو علمِ قرب یعنی وحیِ بلاواسطہ سے مشرف کیا گیا جو منصبِ مہدیت کی اہم خصوصیت ہے ۔ جس کے کمال کا زمانہ وہی ہوتا ہے جب کہ مہدیت و خلافت کا دعویٰ کیا جائے ۔

یہی وجہ ہے کہ امامنا علیہ السلام نے کسی علوم سے کچھ بھی کام نہیں لیا۔ آپؑ نے کوئی مضمون لکھا نہ کوئی کتاب تصنیف فرمائی البتہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرح چند دعوتی مکاتیب پائے جاتے ہیں جن میں دعوت اور حکمت و موعظمت کی وہی سیدھی سادھی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کو بیان کرنی چاہیئیں ۔ علمی نوک جھوک یا تبحر و تلاطم ان میں نہیں ہے ۔

جتنے انبیاء مبعوث ہوئے ہیں اُن کے طریقۂ رشد و ہدایت کے مطالعہ سے واضح ہو گا کہ انھوں نے بجز کتاب اللہ کے دوسری کتاب پر رشد و ہدایت کی نہ انھوں نے اپنی طرف سے کوئی کتاب تصنیف کی ۔ حضرت خاتم النبین محمّد ﷺ نے تو اپنی احادیثِ شریفہ تک لکھنے سے منع فرما دیا تھا۔ " لا تکتبوا عنی غیرالقرآن " کیونکہ

خلفائے الٰہی کی دعوت احکامِ الٰہیہ اور صرف کتاب اللہ پر رہی ہے۔ خواہ وہ کتاب اُن پر نازل ہوئی ہو یا اُن سے پہلے کے کسی پیغمبر پر اسی طرح امامنا علیہ السلام نے بھی کتاب اللہ پر مخلوق کو دعوت دی اور اسی کے رُموز و حقایق پر آگاہی بخشی۔ اور ایسی تعلیم دی کہ جس سے باطن کے صیقل اور عشق و محبتِ الٰہی کے لوازم کی تکمیل ہو اور معرفتِ توحیدِ باری تعالیٰ کے اعلیٰ مدارج حاصل ہوں۔ غرض کسبی علوم کا استعمال نہ کرنا آپؑ کے کسبی علوم کو بھلا دیا جانے کا یہ بھی ایک بین ثبوت ہے۔

فی الحقیقت آپؑ کا کسبِ علم آپؑ کے علایم ارہاصیہ کے منجملہ ایک اعجاز کی حیثیت بھی رکھتا ہے کیوں کہ اس زمانہ کے خانقاہوں، مسجدوں اور مدرسوں میں جابجا علومِ دینیہ و علومِ مشرقیہ کی تعلیم ہوا کرتی تھی۔ اس لئے علماء و حفاظ کی تعداد بکثرت موجود تھی جن میں سے ایک سے ایک برتر صاحبِ کمال پائے جاتے تھے۔ اور خصوصاً جونپور اس زمانہ میں علماء و فضلاء کا مرکز بنا ہوا تھا۔

پس جس طرح خدائے قدوس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو نغمہ سراؤں میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساحروں میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اطباء میں اور حضرت خاتم النبین محمد مصطفیٰ ﷺ کو فصیح اللسان عربوں میں اعجاز عطا فرمایا تھا اِسی طرح آپؑ کو اُس زمانے کے جلیل القدر علماء و حفاظ میں اعجاز نما علم و حفظ عطا فرمایا ہے۔ پس یہی وجہ تھی آپؑ کی بظاہر تحصیل کی۔اس سے قدرت کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے الٰہی کی غیر معمولی قوت و استعداد کے ایسے مظاہرے سے اُن کی غیبی استعداد، تائید کا ایقان پیدا کرایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفۃ اللہ کو اُس کے زمانے کے صاحبِ کمال لوگوں پر برتری عطا کی جاتی ہے۔ اسی طرح امامنا علیہ السلام کو بھی آپؑ کے زمانے کے باکمال علماء و حفاظ پر حیرتناک برتری عطا فرما کر آپؑ کی معجز نما قوت و استعداد کو ظاہر فرمایا گیا ورنہ جس کنزِ مخفی سے فیضان حاصل ہو رہا تھا اور جس ذاتِ قدسی صفات سے آپؑ تعلیم پا رہے تھے اُس فیضان اور

تعلیم کے ہوتے ہوئے آپؑ کو کسبِ علم کی کوئی حاجت نہ تھی۔ پس سیدنا علیہ السلام کی طالبِ علمی صرف اظہارِ اعجاز پر مبنی تھی اور بس!!!۔ چنانچہ روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

بعد از مہدیت پیشِ خدائے تعالیٰ عرض کردند کہ اے بارِ خدایا اگر بعد از مہدیت ایں چنیں علمِ لدنی عطا کردی ؟ پس آں علمِ ظاہری را چہ مقصود بود؟ فرمان شد برائے حجتِ خلق پیش ازاں علم ظاہر دادیم (انصاف نامہ باب دہم)

ترجمہ :- یعنی مہدی ءِ موعود علیہ السلام نے منصبِ مہدیت عطا ہونے کے بعد بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا کہ خدایا! جب تونے ایسا علمِ لدنی عطا فرمایا ہے تو اُس (ابتدائی) علمِ ظاہری سے کیا مقصود تھا ؟ فرمان ہوا " خلق کی حجت کے لئے"۔

ملاحظہ ہو اس روایت میں " حجت " کا لفظ اعجاز کی حیثیت پر بداہتہً دلالت کر رہا ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ سیدنا علیہ السلام کو بلند مرتبہ وہبی تعلیم حاصل تھی۔ اورآپؑ نے اس تعلیمِ بلاواسطہ کی اپنی خصوصیت پر ایسے واضح علایم وآثار کے ذریعہ مخلوق کو آگاہ فرمایا جیسے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے وجود اور اپنی قدرتِ کاملہ پر اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی نبوت و رسالت کی صداقت پر آیات وبینات کے ذریعہ آگاہ فرمایا ہے اسی لئے آپؑ نے دعوئے مہدیت کے بعد فرمایا کہ :-

" اگر بندہ خلوت میں قرآن کا مطالعہ کرکے معانی سوچ کر باہر آتا ہے اور بیان کرتا ہے تو بندہ ظالم اور مفتری علی اللہ ہو جائے گا۔ بندہ جو کچھ کہتا، کرتا، اور سناتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے کہتا، کرتا اور سناتا ہے۔ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزانہ بلا واسطہ تعلیم ہوا کرتی ہے۔ (روایت 9)

اس لئے کہ اس وقت آپؑ کا علمِ ظاہری بھلا دیا گیا تھا آپؑ صرف علمِ بلاواسطہ سے استفادہ فرما رہے تھے۔ اپنی ذہنی سوجھ بچار اور کتب متداولہ کی معلومات سے استمداد کی آپؑ کو قطعاً ضرورت نہ تھی۔

فسبحان الذی بعث المھدی الموعود الرشد و الھدایۃ و خلقنا فی امتہ ذات الفضیلۃ و الکرمتہ۔

اللھم اھدنا و اھدالاموتوفیق الایمان والسطاعۃ۔

توضیح روایت (10) :- مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے اعتراض کیا ہے کہ :-

" ثُمَّ " کے معنی تراخی کے ہیں لازم ہوکہ قراءت کے ساتھ ہی بیان بھی ہو نہ کہ حیاتِ آنحضرت ﷺ کے۔ پس یہ کہناکہ معنی " ثُمَّ " کے حضرت کے زمانہ میں درست نہیں نا درست ہے۔ " ثُمَّ " کو سینکڑوں برسوں کی تاخیر درکار نہیں۔ اور نہ اس میں یہ شرط ہے کہ بعد انقراضِ حیات مخاطب کے اس کا ظہور ہو۔ بلکہ مطلق تاخیر کا مفاد ہے۔ خواہ زیادہ ہو یا کم۔ چنانچہ شواہد اس کے بے شمار ہیں۔۔ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی۔ ثم انزل علیکم من بعد النعم امتہ نعاسا۔ ثم یاتی من بعد ذالک سبع شداد ثم لنفسہ فی الیم (ہدیۂ مہدویہ)

صاحبِ ہدیہ نے خود اس امر کو تسلیم کرلیا ہے کہ " ثُمَّ " مطلق تاخیر کا فائدہ دیتا ہے خواہ تاخیر کم ہو یا زیادہ۔ اور جس طرح انھوں نے تراخی قریبہ کے شواہد پیش کئے ہیں اِسی طرح تراخیِ بعیدہ کے بھی بہت شواہد ہیں۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَینَا حِسَابَھُم۔ ثُمَّ اِنَّکُم یَومَ الْقِیَامَۃِ تُبْعَثُونَ۔ ثُمَّ یُمِیتُکُمْ۔ ثُمَّ یُحیِیکُم۔

ملاحظہ ہوکہ " ثُمَّ " کا استعمال قیامت تک کی تاخیر کے لئے بھی ہوا ہے۔ اور قاضی بیضاوی نے لکھا ہے :-

" ھُوَ دَلِیلٌ عَلَی جَوَازِ تَاخِیرُ الْبَیَانَ " یعنی وہ آیت تاخیرِ بیان کے جواز کی دلیل ہے۔

اس آیت کے ماقبل مضمون کا ربط یہ ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے سامنے قرآن پڑھتے تو آنحضرت ﷺ بھی اُن کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی پڑھنے لگتے تاکہ بھول نہ جائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۝ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۝ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۝ۚ

(سورۃ القیٰمتہ۔ 16-17-18)

ترجمہ:۔ یعنی تم اُن کے ساتھ ہی زبان کو حرکت نہ دو اور یاد کرنے کے لئے جلدی نہ کرو۔ بے شک اس قرآن کو (تمہارے دل میں) جمع کر دینا اور اس کو (تمہاری زبان پر) قائم کردینا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم اس کو (جبرئیل کی زبانی) پڑھیں تو تم اُن کے پڑھنے کی پیروی کرو۔

اس کے بعد یہ آیت ہے:۔ "ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۝ؕ" (سورۃ القیٰمتہ۔19) یعنی پھر اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کا جلدی پڑھنا حفظِ قرآن کے لئے تھا۔ بیانِ قرآن کے لئے نہیں۔ "ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" کا تعلق اس کے پہلے کے مضمون سے ہونا ضروری نہیں ہے اور نحوی قاعدہ بھی یہ ہے کہ "ثُمَّ" دو جملوں کے مضمون کو علحٰدہ کرنے کے لئے بھی استعمال ہوا کرتا ہے۔

اور بعض شواہد ایسے بھی ہیں جن سے مہدی ءِ موعود علیہ السلام کا مبینِ قرآن ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:۔ "نَحْنُ نَاتِيكُمْ بِالتَّنْزِيل وَاَمَّاالتَّاوِيل ضِيَاتِى بِهٖ اَلْفَارِقْلِيطْ" یعنی ہم تمہارے پاس تنزیل (صحف) لے آتے ہیں اور لیکن تاویل (بیان) تو فارقلیط لے آئے گا۔ فارقلیط سے بعض لوگوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ مراد لی ہے اور یہ کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ صاحبِ کتاب ہیں صرف صاحبِ بیان نہیں اور "نَحْنُ نَاتِيكُمْ" جمع متکلم ہے۔ اس میں صاحبِ کتاب انبیاء کی پوری جماعت داخل ہے۔

اس کے بعد تاویل یعنے بیان کو علٰحدہ کر کے فارقلیط سے مخصوص کیا گیا ہے۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد مہدی ءِ موعود خلیفتہ اللہ ہی کی ذات ہے جس پر بیانِ قرآن کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے فارقلیط سے مراد مہدی ءِ موعود علیہ السلام ہیں۔

علامتہ العصر بندگی میاں عبدالملک سجاوندی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :- جعل الشیخ فارقلیط نلسان عیسیٰ علیه السلام عبارة عن المھدی (سراج الابصار) یعنی شیخ عبدالرزاق کاشیؒ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کردہ فارقلیط سے محمد مہدیؑ مراد لیا ہے۔

اور تفسیرِ معالم میں آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ‌ۚ (سورة المآئدة۔ 105) (یعنی اے ایمان والو! اپنی فکر کرو۔) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :- ان القرآن نزل منه ای مض تاویلھن قبل ان نیزلن و منه ای وقع تاویلھن علی عھد رسول اللہ و منه ای وقع تاویلھن بعد رسول اللہ و منه ای یقع تاویلھن فی اٰخر الزمان۔۔۔ یعنی قرآن نازل ہوا اور بعض تاویل اس کے پہلے گزر چکیں اور بعض کی تاویل رسول اللہ کے زمانے میں ہوئیں اور بعض کی تاویلیں رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوئیں اور بعض کی تاویلیں آخر زمانہ میں ہونگی۔ یعنی آخر زمانہ میں بیانِ قرآن مہدی ءِ موعود علیہ السلام کریں گے۔

شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ فرماتے ہیں :-

قد اخبر علیه السلام عن المھدی انه لایخطی و جعله ملحقًا بالانبیاء علیھم الصلوٰة والسلام فی ذالک الحکم (فتوحاتِ مکیه)

ترجمہ :- رسول اللہ ﷺ نے مہدی علیہ السلام کی نسبت خبر دی ہے کہ وہ خطا نہ کریں گے۔ اور اس صفتِ عصمت میں رسول اللہ ﷺ نے مہدی علیہ السلام کو انبیاء سے ملحق فرما دیا ہے۔

مہدی ءِ موعود علیہ السلام کی یہ شان ہے تو اُن کے ذریعہ بیانِ قرآن ضروریاتِ دین سے ثابت ہوتا ہے۔ تاکہ قرآنِ مجید کے مضامین اس قطعی الدلالہ ذریعہ سے معلوم ہوجائیں اور دینِ اسلام کی روح از سرِ نو تازہ ہو جائے۔ اس لئے جس طرح بعض آیات میں مہدی ءِ موعودؑ کی بعثت کے متعلق اشارات پائے جاتے ہیں اسی طرح ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ میں بھی ایسا ہی اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور جب کہ امامنا حضرت سید محمد مہدی ءِ موعود علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ کے بے واسطہ حکم سے فرمادیا کہ یہاں بندہ کی ذات مراد ہے تو اب اشارہ نہ رہا بلکہ تفسیر متعین ہوچکی کہ یہ مہدی ءِ موعودؑ ہی سے متعلق ہے۔

قرآنِ مجید میں توحید، عبادات و معاملات اور قصص سے متعلق جو مضامین ہیں ان میں توحیدِ باری تعالیٰ اصل ہے۔ اور اسلام۔ ایمان۔ احسان کی تعلیم اسی توحید سے تعلق رکھتی ہے۔

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہٗ سے ایک حدیث مشکوٰۃِ شریف میں بیان ہوئی ہے۔ جس میں جبرئیل علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کا سوال و جواب درج ہے۔:-

قال یا محمد اخبرنی عن الاسلام قال الاسلام ان تشهدان لااله الا الله و ان محمد رسول الله و تقیم الصلوٰة و توتی الزکوٰه و تصوم رمضان و تحج البیت ان استطعت الیهِ سبیلا قال صدقت۔ قال فاخبرنی عن الایمان قال ان تومن بالله و ملٰئکتهٖ و کتبهٖ ورسلهٖ والیوم الاٰخر و تومن بالقدرخیره و شره قال صدقت قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبدالله کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک ۔۔۔۔۔الخ رواه مسلم و رواه انوهریره رضی الله عنه۔

ترجمہ :- (جبرئیل علیہ السلام نے) سوال کیا اے محمد ﷺ مجھے اسلام کی خبر دیجیئے۔ فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں بعد یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ رمضان میں روزے رکھو۔ اور اگر سفر کی استطاعت ہوتو حج کرو۔ (جبرئیلؑ نے) کہا آپؐ نے سچ فرمایا۔ پھر کہا مجھے ایمان کی خبر دیجیئے۔

فرمایا اللہ اور ملائکہ اور آسمانی کتابوں اور رسولوں اور قدر خیر و شر پر ایمان لائیں۔ (جبرئیلؑ نے) کہا آپؐ نے سچ فرمایا۔ پھر کہا مجھے احسان کی خبر دیجیئے۔ فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس کو دیکھ نہ سکتے ہو تو یہ (خیال رکھو) کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔

واضح ہو کہ تعلیمِ اسلام متعلق بہ خصوصیاتِ نبوت ہے۔ اور تعلیمِ احسان بہ خصوصیاتِ ولایت ہے۔ اور ایمان ان دونوں میں مشترک ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایمان و اسلام عبادات و معاملات پر علی سبیل الدعوت قرآنِ مجید کی تعلیم سے عوام الناس کو کماحقہ مستفید فرمایا۔ اور احسان کی تعلیم خاص خاص صحابہ رضی اللہ عنہم کو دی گئی۔ اِسی لئے اکثر صوفیہ و محققین نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو مبدۂ ولایت تسلیم کیا ہے۔ تعلیم احسان سے متعلق ہم نے طلبِ دیدارِ خدا اور ذکر اللہ کے بیان میں جو توضیح کی ہے اس کے ملاحظہ سے شریعت و طریقت اور احسان کی تفصیل معلوم ہوگی۔

چونکہ تعلیمِ احسان خصوصیاتِ ولایت سے متعلق ہے اس لئے مشیتِ ایزدی نے ایک مظہرِ ولایت کی بعثت کو ضروری قرار دیا۔ اسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا :-

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝
(سورۃ الرحمٰن۔ 1-2-3-4)

اس آیہ شریفہ میں عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ سے مراد حضرت رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپؐ ان ظواہرِ قرآن پر بیان کرنے کے لئے مامور ہیں جو نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اَلْقُرْاٰنَ جو کہ ولایت سے تعلق رکھتا ہے وہ مہدیؑ نے بیان کیا ہے۔

(روایت 221)

نیز فرمایا کہ :- ایمان ذاتِ خدا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ولایتِ محمدیہؐ کے ان احکام کو بیان کرنے کے لئے مبعوث فرمایا ہے جو کہ مہدی موعودؑ سے متعلق ہیں (روایت 220)

نیز فرمایا کہ :- ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه' سے مراد ذاتِ مہدی ہے یعنی خدائے تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے کہ (اے پیغمبر) تم رنجیدہ نہ ہوں قرآن کے احکام کی مشیت اور اس کی مرادیں جو احسان سے تعلق رکھتی ہیں تم سے فوت نہ ہوں گی بلکہ آخر زمانہ میں جو کہ فترہ وحی کا موقع ہے اس وقت قلوب سے متعلق رکھنے والے معانی و احکامِ قرآن، مہدی کی زبان سے بیان ہوں گے ۔۔ الخ (روایت232)

غرض ہمارے اس مختصر مضمون سے ظاہر ہے کہ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه' میں بیان متعلق باحسان کی طرف اشارہ ہے جس کا تعلق خصوصیاتِ ولایتِ محمدیہؐ سے ہے اور اس کے مظہر حضرت مہدی ءِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ۔

توضیح روایت 11 :- اس روایت کی وجہ سے صاحبِ ہدیۂ مہدویہ نے مہدی علیہ السلام پر شرکِ حقیقی کا الزام عاید کیا ہے ۔چنانچہ لکھا ہے کہ :-

یہ صفتِ الٰہی کہ ان اللہ یعلم غیب السمٰوٰت والارض۔یعلم مایلج فی الارض وما یخرج منھا ------الخ

ان تک مشقال حبة من خردل فتکن فی صخرة اوفی السمٰوٰت اوفی الارض یات بھااللہ کہ صفتِ علمِ الٰہی اور جابجا جنابِ باری اس کو اپنے واسطے خاص فرماتے ہیں ۔شیخ موصوف (امامناً) بھی اس میں خدا کے ساتھ شریک ہیں کہ اسی طرح کا علمِ غیب ان کو بھی حاصل ہے ۔"

اس کے بعد انھوں نے شواہد الولایت وغیرہ کتابوں سے اسی مضمون کی روایات پیش کی ہیں جو کہ روایت ۱۱ میں ہے۔

اور ایک روایت یہ بھی پیش کی ہے کہ :-

"شیخِ مذکور (اماماً) نے اپنے خلیفہ دلاور کے حق میں فرمایا کہ میاں دلاور کو عرش سے تحت الثریٰ تک ایسا روشن ہے جیسا کہ ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو۔" اس کے بعد لکھا ہے کہ :-

" دیکھئے بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ خود بدولت کو تو جملہ موجودات کہ جس میں سمٰوات و ارض و ما بینھما سب داخل ہے مانند دانے رائی کے یا مثل روپیے اشرفی کے ہاتھ میں تھے۔ مریدین کے ہاتھ میں بھی عرش وفرش مانند دانے رائی کے رکھا ہوا ہے۔ اور اہلِ سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ ایک نوع کی شرکِ حقیقی کا دعویٰ ہے۔ اور یہ فرق کچھ بکار آمد نہیں ہے کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ میں بالذات ہے اور بشر میں بواسطۂ عطائے الٰہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت بشر میں پیدا نہیں کرتا ہے کہ کوئی بشر مانندِ حق سبحانہ کے عالم موجودات یا خالقِ کائنات یا رزاق حیوانات یا حافظ ارض و سمٰوات ہو جائے۔ استغفراللہ العظیم پھر خدا اور بندے میں کیا فرق رہا۔ (ہدیۂ مہدویہ عقیدۂ ہفدتم)

مولفِ ہدیۂ مہدویہ کے رکیک اندازِ بیان اور ہزل و ہجو پر حیرت و تعجب کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کتاب کے زیادہ تر مقامات پر اس سے بہت زیادہ ناشائستہ مضامین موجود ہیں جو خود مولف ہی کے معیارِ اخلاق اور میلانِ طبعی کے آئیندار ہیں۔ اور مولف کا یہ معیارِ اخلاق خود اُن کے الزاماتِ منسوبہ کا جواب بھی ہے جو انھوں نے ایک مدعی

مہدیت و خلافت ہستی، جس کی ولایت کی حدتک اس زمانے کے اکثر اغیار کا اتفاق اُن کی تصانیف میں موجود ہو۔ اس ہستی کی طرف بد خلقیاں منسوب کرنے کی نیت سے تحریفات اور غلط استدلال میں انتہائی جدوجہد کی ہے۔

زیر بحث محولہ بالا مضمون میں معترض نے لکھا ہے کہ :-

" یہ فرق کچھ بکار آمد نہیں ہے کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ میں بالذات ہے اور بشر میں بواسطۂ عطائے الٰہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت بشر میں پیدا نہیں کرتا۔۔الخ

اور اِسی بنا پر نیاز فتحپوری مدیر رسالہ نگار لکھنو نے بھی حضرت رسول اللہ ﷺ کی پیشینگویوں کی روایات کو ناقابلِ لحاظ قرار دیا ہے۔ ہم نے اس کے جواب میں ایک رسالہ مسمیٰ بہ " علمِ غیب " 1359ھ میں شائع کیا ہے جس میں با دلیل واضح بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ ایسی فاش غلطی ہے جس سے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ متواترہ و صحیحہ کا انکار لازم آتا ہے۔ علمائے متقدمین و متاخرین نے اس مسئلہ پر جو کہ معرکتہ الآرا بحثیں کی ہیں اُن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمِ غیب وہ ہے جو سارے ممکنہ ذرائع علم مفقود ہونے کے باوجود بغیر کسی توسط کے معلوم ہوجائے۔

ظاہر ہے کہ ایسا علم انسان کی طاقت سے باہر ہے حتیٰ کہ نبی و خلیفتہ اللہ کے لئے بھی محال ہے۔ مولوی عبدالحق محدثِ دہلوی نے فلایظھر علی غیبہٖ احداً الامن ارتضیٰ من رسول کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:-

امام فخرالدین رازیؒ غیبہٖ سے مراد صرف قیامت کی خبر لیتے ہیں (معتزلہ وغیرہ کے) اس اعتراض سے اور اُن شبہات سے بچنے کے لئے بعض "غیب"، کاہن اور اہلِ خواب بھی جانتے ہیں (جلد 7 ص 244)

اس پر قاضی شنوکانی نے لکھا ہے کہ :-

"ظنیت و قطعیت کا بین فرق ہوتے ہوئے علمِ غیب رسول اللہ ﷺ کے اظہار میں کیوں تامل کرنا چاہیئے۔

احقر کا خیال یہ ہے کہ توسط اور بلا توسط کا فرق ایک دلیلِ واضح اور برہانِ قاطع ہے۔ اس لئے ہم کو نہ معتزلہ وغیرہ کے ایسے اعتراض سے بچنے کی ضرورت ہے۔ نہ ظنیت و قطعیت کی بحث کی ضرورت۔ کیونکہ کاہنوں وغیرہ کے علم کو زیرِ بحث علمِ غیب سے کوئی نسبت ہی نہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نبی، خلیفۃ کو امورِ مغیبہ کا قطعی ویقینی علم ہونے کے باوجود اس پر بھی علمِ غیب کا اطلاق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ علم توسط اور وسیلہ ہی سے ہوتا ہے۔ خواہ وہ توسط کسی مخصوص فرشتے کا ہو یا خود ذاتِ باری تعالیٰ کا آخر توسط و ذریعہ تو ضرور ہے۔ اسی لئے مذہبِ اسلام میں یہ مسلم ہے کہ علمِ غیب سوائے خدا کے کسی کو حاصل نہیں۔

قرآنِ مجید میں ایسی آیات بھی ملتی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کا صاحبِ علمِ غیب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ (سورۃ التکویر۔24)

ترجمہ :- (حضرت ﷺ) غیب کی باتیں کرنے میں بخیل نہیں ہیں۔

ملاحظہ ہو بخیل کا لفظ آپؐ کے صاحبِ علمِ غیب ہونے پر دلالت کررہاہے۔ کیونکہ بخیل وہی ہے جس کے پاس زر و دولت ہو اور ضرورت پر کام نہ لے۔ اگر کسی کے پاس زر و دولت ہی نہ ہو اور وہ ضرورت پر خرچ نہ کرسکے تو اس کو مفلس و محتاج کہتے ہیں بخیل نہیں کہتے۔ پس "عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ" کی نفی سے ثابت ہے کہ آپؐ صاحبِ علمِ غیب ہیں۔

اس کے علاوہ ایسی احادیث بھی موجود ہیں ۔یہی وجہ کہ اکابرِ علمائے اہلِ سنت کی بعض کتابوں میں حضرت رسول اللہ کو بھی عالم الغیب کہا گیا ہے۔ اور یہ محض مجاز کی حیثیت ہے۔

خلیفتہ اللہ کا یہ علم اگرچہ ذریعہ وسیلہ ضرور رکھتا ہے لیکن وہ ایسا وسیلہ ہے کہ اکتسابِ علم کے سارے وسائل وذرایع اور قوائے انسانی کی پوری مکمل قوتیں صرف کردینے کے باوجود حاصل کرنا محال ہے۔ گویا خلیفتہ اللہ کا یہ علمِ غیبت اور وہبیت کا مظہر ہے۔ اِسی لئے ایسے علم کو بھی مجازاً علمِ غیب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ علمِ غیب سے بالذات متصف صرف خدائے وحدہ‘لا شریک له‘ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفوں کو جن امورِ مغیبہ سے واقف کرایا ہے اس سے انکار آیاتِ قرآنی کا انکار ہے اور آیاتِ قرآنی کے انکار کا حکم معلوم!

اس باب کی آیاتِ کریمہ ملاحظہ ہوں :-

(1) عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔۔ الخ (سورۃ الجن۔ 26-27)

ترجمہ :-اللہ غیب کا جاننے والا ہے اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے آگاہ کرتا ہے۔

(2)وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۝-الخ(سورۃ آل عمران-179)

ترجمہ :- اور اللہ یوں نہیں کرتا کہ غیب کی باتوں پر تم کو آگاہ کردے لیکن (کسی کو آگاہ کرنا چاہتا ہے تو) اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

(3) وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَىْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ (سورۃ البقرہ-255)

ترجمہ :- اور وہ خدا کے ایک ذرہ علم کا بھی احاطہ نہیں کرسکتے مگر اتنے کا جتنے کا وہ چاہے۔

(4) وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط (سورہ النسآء۔113)

ترجمہ :۔ اور اللہ نے آپؐ پر کتاب و حکمت نازل کی اور آپؐ کو وہ سب کچھ معلوم کردیا ہے جو آپؐ نہیں جانتے تھے اور آپؐ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

(5) وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ۔۔۔۔الخ (سورۃ النحل۔ 89)

ترجمہ :۔ اور ہم نے آپؐ پر کتاب نازل کی ہے ہر چیز کا بیان کرنے لئے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے :۔

عن ابی بکر بن مجاھد انه قال یوما ما من شی فی العالم الاوھو فی کتاب اللہ تعالیٰ (اتقان)

ترجمہ :۔ ابوبکر بن مجاہدؒ کی روایت ہے کہ انھوں نے ایک دن کہا کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کا ذکر قرآن میں نہ ہو۔

اور صاحبِ تفسیر عرائس نے لکھا ہے کہ :۔

وھو کتابه المکنون و خطانه المصؤن بخبر عما کان و یکون من کل جد و علم۔

ترجمہ :۔ اور وہ اس کی کتاب جو چھپی ہوئی ہے اور اُس کا وہ خطاب جس کی حفاظت کی گئی ہے خبر دیتے ہیں پورے پورے علم وعدہ کے ساتھ ہر اُس چیز کی جو ہوچکی اور ہونے والی ہے۔

(6) وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ (سورۃ الکھف۔65)

ترجمہ :۔ اور ہم نے اُس کو (محمد ﷺ کو) ہمارے پاس سے ایک علم سکھا دیا ہے۔

ان آیاتِ کریمہ سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفوں کو امورِ مغیبہ سے واقف کرایا ہے۔ اس عطیۂ الٰہی کو شرک قرار دینا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت کا بشر میں پیدا کرنے کا الزام عاید کرنا، قرآنِ مجید کی آیاتِ صریحہ کا بدیہی انکار ہے۔ اس پر لطف یہ کہ اس کو اہلِ سنت کا اعتقاد قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ اہلِ سنت پر صریح بہتان ہے۔!

ہر آں کہتر کہ با مہتر ستیزد   چناں افتد کہ ہرگز بر نہ خیزد

انبیاء خلفائے الٰہی کو امورِ مغیبہ پر آگاہ کرنا آیاتِ کریمہ و احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے بلکہ اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اولیائے کاملین و صادقین کو بھی آگاہ کیا گیا تھا۔ ہم یہاں ایسی روایات بھی پیش کرسکتے ہیں جو بعینہٖ روایت (11) اور اُن روایات کے مطابق ہیں جن پر مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے عقیدہ ہفدم کے تحت اعتراض کیا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃِ شریف میں ہے :-

قال رسول اللہ ﷺ انی اری مالا ترون والسمع مالا تسمعون و انی اعلم أخر اھل الجنۃ دخولا و أخر اھل النار خروجًا۔

ترجمہ :- حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے اور میں اس آخری شخص کو بھی جانتا ہوں جو جنت میں داخل ہوگا اور اس آخری شخص کو بھی جانتا ہوں جو دوزخ میں داخل ہوگا۔

اور ایک حدیثِ شریف ہے کہ :-

ان اللہ قدرفع لی الدنیا فانا انظر الیھا و الیٰ ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامت کا نما انظر الیٰ کفسی ھٰذہٖ۔

ترجمہ :- تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو مجھ سے (اتنا) قریب کر دیا ہے کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں اور اس میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب اس طرح دیکھ رہا ہوں گویا کہ میری دونوں ہتیلیوں کو دیکھ رہا ہوں۔

اس حدیثِ شریفہ کو ابنِ حجر مکیؒ نے طبرانی سے روایت کیا ہے اور سید شاہ محی الدین قادری ویلوری نے اپنی کتاب فضل الخطاب کے فائدہ (29) میں بیان کیا ہے۔

قاعدہ ہے کہ دوری کی وجہ ہر چیز اپنی حقیقی جسامت سے کم دکھائی دیتی ہے۔ خواہ یہ دوری جہتِ فلک سے ہو یا جہتِ زمین سے چاند، سورج، ستارے، سیارے سب کی جتنی جسامت ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس میں سے ہر ایک کی جسامت فی الحقیقت بدرجہا بڑی ہوتی ہے۔ اسی طرح طیارہ جتنا بلند ہوگا زمین پر کی ہر بڑی چیز چھوٹی دکھائی دے گی۔ مقامِ غور ہے کہ جن کو سیر مافوق الافلاک العرش اور فنا فی الذات والصفات حاصل ہو اُن کو موجوداتِ عالم کا ایک ذرہ برابر دکھائی دینا قابلِ اعتراض کیسے ہوسکتا ہے ؟

چنانچہ صاحبِ یواقیت نے لکھا ہے کہ :-

وانما کان تعالیٰ لایحویہ مکانلان المکان المقول ھو من سقف العرش الیٰ نجوم الا زمین و ذالک کالذرۃ بالنبۃ لما فوق العرش و لما تحت النجوم۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ :-

واما العارفون من الانبیاء و کمل اتباعھم قیرون ھٰذہٖ العرش بالنبۃ لاتساع الوجود کالذرۃ الطایرۃ فی الھواء لیس لھا سقف ترسی علیہ و الارض تنزل علیھا فسبحان اللہ من لایعرف قدرہ۔

(یواقیت بحث 34)

مذکورہ دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء اور اُن کے تابعین کو سیرِ مافوق العرش اور فنافی اللہ کی وجہ عرش سے تحت الثریٰ تک ایک ذرہ کے جیسا دکھائی دیتا ہے۔

اور حضرت محبوبِ سبحانی سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے اس قصیدہ میں جس کے مطلع کا مصرعِ اولیٰ سقانی الحب کاسات الوصال یہ ہے۔ یہ شعر تحریر فرمایا ہے:-

نظرات الیٰ بلاد اللہِ جمعًا	میں نے حکمِ اتصال کی وجہ اللہ تعالیٰ کے تمام کائنات کو رائی کے دانے کے
کخردلة علی حکم اتصال	مانند دیکھا ہے۔ (ماخذ از ختم الہدیٰ اسبل السوی اردو ردِ ہدیۂ مہدویہ مطبوعہ 1391ھ

حاصلِ کلام یہ کہ ان حقائق کی موجودگی میں امامنا حضرت مہدی ءِ موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے متعلقہ جن روایات پر جس انداز سے مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے اعتراض وبحث کی ہے اس میں اخلاق اور صرف مسلماتِ اکابرِ اہلِ سنت ہی کی خلاف ورزی نہیں ہے بلکہ اس سے احادیثِ رسول اللہ اور آیاتِ کلام اللہ کا انکار بھی لازم آیا ہے۔

استغفراللہ العظیم۔

جو دونِ فطرت سے نہیں لایق پرواز　　　اس مرغکِ بے چارہ کا انجام ہے افتاد

توضیح روایت (12) :- یہی روایت انصاف نامہ میں بھی باختلافِ الفاظ بیان ہوئی ہے۔ ہدیۂ مہدویہ میں انصاف نامہ کی روایت پر اعتراض کیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ :-

" انصاف نامہ کے باب اول میں لکھا ہے کہ علماء نے ان کے مہدی سے سوال کیا کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ :-

یواطی اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی ۔ یعنی مہدی کا نام میرے نام کے اور مہدی کے باپ کا نام میرے باپ کے موافق ہوگا۔ اور تمہارے باپ کا نام تو سید خاں ہے ۔انھوں نے جواب دیا کہ رسولِ خدا کے باپ مرد کافر تھے اُن کا نام عبداللہ کیونکر ہوسکتا ہے ۔ بلکہ محمد رسول اللہ کا نام محمد عبداللہ تھا اور مہدی کا نام بھی محمد عبداللہ ہے۔۔۔۔۔۔الخ

سبحان اللہ یہ عجیب کلام ہے کہ آج تک کسی نے کسی سے نہ سنا ہوگا ان بزرگ کو باوجود دعویٰ قرآن فہمی کے اتنا خیال میں نہ آیا کہ کفارِ عرب تمام اللہ کو مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھیراتے تھے۔اس واسطے کافرکہلاتے تھے۔۔۔ اور صحابۂ کرامؓ میں بہت سے شخص ایسے تھے کہ ان کے باپ داداوں کا نام عبداللہ تھا۔۔ اگر شیخ جونپور کو ان میں سے ایک بھی یاد ہوتا تو ہرگز یہ شبہ نہ کرتے کہ کافر عربی کا نام عبداللہ کیونکر ہوگا۔ اور طرفہ یہ کہ اپنے باپ کا نام بسبب شہرت کے بدل نہ سکے اور حضرت رسالت پناہ کے باپ کا نام عبداللہ ہونے سے انکار کیا اس کو سہوِ کاتب ٹھیرایا اور خیال نہ کیا کہ یہ خبرِ متواتر قطعی ہے۔۔۔ خود مہدی کا قول ان کی کتابوں میں مذکور ہے کہ منکر اجماعِ صحابہ نبوت و ولایت کافر ہوجاتا ہے ۔ باوجود اس اعتقاد کے کیسا ایسے اجماع کا انکار کیا۔ اب مہدویت کہاں باقی رہی مثلِ سہوِ کاتب اُڑگئی۔ اب چاہیئے کہ ثابت کریں کہ جب کہ حضرت رسالت پناہ کا نام محمد عبداللہ ہے اُن کے والدِ ماجد کا کیا اسم شریف ہے۔ جب تک کہ یہ ثابت نہ کریں گے کہ حضرت کے والد کا نام بھی سید خاں تھا ان بزرگ کا مطلب حاصل نہ ہوا۔۔۔۔ اب بخوبی ثابت ہوا کہ جیسا کہ ان کے مہدی کی نسل کی طرف اعلیٰ نعمت اللہ بیٹے امام کاظم کے نہیں ہیں طرف اسفل میں عبداللہ بھی ان کے باپ نہیں ہیں اور یہ نسب از سرتا پا منشوا ہے۔۔۔ اور مہدوی ناحق اپنے پیرومرشد کے باپ دادا میں دست تصرف دراز کر رہے ہیں۔ اور سید خاں کو اڑا کر سید عبداللہ کو باپ ٹھیرا رہے ہیں۔ نسب کے مقدمہ میں تصرف نہایت گناہ ہے۔ اپنا باپ چھوڑ کر

دوسرے کی طرف نسبت کرنا سخت برا ہے۔ وہ بزرگ اسی گناہ کے خوف سے اپنے باپ کا نام نہیں بدلتے تھے مگر عجب غفلت تھی کہ اپنے واسطے پیغمبرؑ کے باپ کا نام بدل دیا اور قرآن کو بھی فراموش کیا۔۔ الخ

(ہدیۂ مہدویہ دلیل دوم)

اور اس عبارت سے قبل لکھا ہے:-

فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا تمام نہ ہوگی یہاں تک کہ قائم کرے گا اللہ تعالیٰ ایک فرد میرے اہلِ بیت سے کہ موافق ہوگا نام اس کا میرے نام کے اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے۔ پس بھر دے گا زمین کو عدل وانصاف سے جیسا کہ بھر گئی ہوگی ظلم و بیداد سے انتہائی۔ غرض کہ یہ حدیث مہدویوں اور اُن کے مہدیٔ کے نزدیک مسلم اور صحیح ہے۔ مگر جیسا کہ ایک شخص نماز نہیں پڑہتا تھا اس سے لوگوں نے سبب پوچھا تو کہا کہ قرآن میں آیا ہے کہ "لا تقربالصلوٰة" لوگوں نے کہا اس کے آگے تو پڑھ کہا کہ آگے تو تمام قرآن ہے سب پر کون عمل کرتا ہے۔ ایسی یہاں مہدوی پچھلے فقرہ کو دیکھ کر گھبرائے اس واسطے کہ اُن کے مہدی کو حکومت نصیب نہ ہوئی کہ زمین کو عدل سے بھر دینا اُن پر صادق آئے۔ اس واسطے اُن کے خورد و بزرگ مہدی سے لے کر یہاں تک اس میں طرح طرح کی تاویلیں اور تحریفیں کرتے ہیں۔ مگر فقرہ اول کو سب نے بلا تحریف تسلیم کیا!۔ متقدمینِ مہدویہ نے بھی یہ دعویٰ نہ کیا چنانچہ عبدالملک سجاوندی صاحبِ سراج الابصار نے اصالتہً اور صاحبِ اعجاز دلائل نے متابعتاً جس جگہ کہ احادیث موافقہ اپنے میراں کی تائید میں نقل کیں اس حدیث کا بالکل نام نہ لیا۔اور متاخرین نے جب کہ زمانہ گزر گیا اور ان کے باپ دادا کے پہچاننے والے مر گئے بے دھڑک میراں کے باپ کا نام بدل ڈالا بلکہ صاحبِ شواہدالولایت نے ماں کا نام بھی آمنہ ٹھیرایا حالانکہ مطلع الولایت اس سے مقدم ہے اُن کی ماں کا نام بی بی آقا ملک لکھتا ہے۔۔ الخ (ہدیۂ مہدویہ دلیل دوم)

اندازِ بحث اور معیارِ اخلاق کے بارے میں مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ روایت (11) کی بحث میں ہم نے جو حقیقت نمایاں کی بہت کافی ہے۔ اب ملاحظہ ہو کہ مندرجہ بالا مضمون میں تحریف و حذف لفظ اور استدلال میں کس قدر اضداد و اختلاف موجود ہے۔

(1) پہلے تو کہا "مہدویوں کے پاس یہ حدیث مسلم ہے۔ پھر کہتا ہے کہ آخری حصہ سے گھبرا گئے۔ اور اِسی لئے "صاحبِ سراج الابصار و صاحبِ اعجاز الدلائل" نے اس حدیث کا نام نہ لیا" حالانکہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ صاحبِ سراج الابصار نے اس حدیث کے آخری حصہ پر معہ دلائل تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ کتاب مع مقدمہ و ترجمہ طبع ہوچکی ہے جو چاہیں تصدیق کرلیں۔ خود معترض نے بھی لکھا ہے کہ "ان کے خورد و بزرگ مہدی سے لے کر یہاں تک اس میں طرح طرح کی تاویلیں و تحریفیں کرتے ہیں۔

(2) "مطلع الولایت" کے حوالہ سے معترض نے بیان کیا ہے کہ "ان (مہدی) کی ماں کا نام بی بی آقا ملک ہے" یہ بھی سراسر غلط بیانی ہے۔ "مطلع الولایت" کے جتنے نسخے ہم نے دیکھے سب میں عبارت یہ ہے۔

" والدۂ آنحضرت نیز عفیفہ صالحہ مدام شب خیر بودند درثلث آخر معاملہ دیدند کہ آفتاب از آسمان در گریبانِ خود فرود آمدہ بالا سوئے آسمان رفت و بروایتے ماہ از آسمان در گریبانِ خود فرود آمدہ بالا سوئے آسمان رفت۔ نام بی بی آمنہ بود و نام بی بی آقا ملک میاں سید عثمان بعد معاملہ مذکور داشتند۔۔۔الخ (مطلع الولایت)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ بی بی کا نام آمنہ تھا۔ لیکن مذکورہ واقعہ کے بعد میاں سید عثمانؒ آپ کو آقا ملک پکارنے لگے۔ ملاحظہ ہو کہ معترض نے محض الزام عاید کرنے کی نیت سے کس طرح عبارت حذف کردی۔ اصل نام چھپادیا۔ اور بلاوجہ صاحبِ شواہد الولایت پر تبدیلِ نام کا الزام عاید کردیا۔

(3) معترض نے لکھا ہے کہ (حدیث کا) کا فقرۂ اول سب (مہدویوں) نے بلا تحریف تسلیم کیا " اور یہ بھی لکھا ہے کہ " متاخرین نے جب زمانہ گزر گیا اور اُن کے باپ دادا کے پہچاننے والے مرگئے بے دھڑک میراں کے باپ کا نام بدل ڈالا" ۔ جب حدیث کے پہلے فقرہ کو تسلیم کرنے کی وجہ سے متاخرین کو اتنی دشواری پیش آئی کہ نام الٹ پلٹ کرنے پر مجبور ہوگئے ۔ تو مقامِ غور ہے کہ متقدمین نے اس کو تسلیم ہی کیوں کیا اور دلیلِ دعویٰ کس بنا پر قرار دیا جب کہ باپ دادا کے پہچاننے والے موجود تھے ۔ ؟ اس کے خلاف میاں عبدالملک سجاوندیؒ صاحبِ سراج الابصار نے منہاج التقویم میں میاں شیخ مبارک ناگوری کے تیسرے سوال کے جواب میں وہی حدیث درج فرمائی ہے ۔ اگراس زمانہ میں امامنا علیہ السلام کے والد کا نام سید عبداللہ مشہور نہ ہوتا تو علامہ سجاوندیؒ یہ حدیث پیش نہ کرتے ۔

(4) معترض نے لکھا ہے کہ " اپنا باپ چھوڑ کر دوسرے کی طرف نسبت کرنا سخت برا ہے وہ بزرگ اس گناہ کے خوف سے باپ کا نام نہیں بدلتے تھے" اور اس کے بعد ہی یہ لکھا ہے کہ "مگر عجب غفلت ہے کہ اپنے واسطے پیغمبر کا نام بدل دیا۔" معترض کا یہ تضاد اور یہ غلط بیانی ، نقلِ شریف میں تحریف وتصرف کا نتیجہ ہے ۔ اس کی توضیح آگے معلوم ہو جائے گی ۔

(5) معترض نے انصاف نامہ کی اصل روایت ہی میں تصرف کیا ہے ۔ انصاف نامہ کے الفاظ یہ ہیں :-

" پدرِرسول مرد کاف بود آں عبداللہ چگونہ باشد۔ بلکہ محمد رسول اللہ ہم محمد عبد اللہ باشد و مہدی ہم محمد عبداللہ باشد۔"

اس کے بجائے معترض نے یہ لکھا ہے " رسولِ خدا کے باپ مرد کافر تھے ان کا نام عبداللہ کیونکر ہوسکتا ہے بلکہ

محمد رسول اللہ کا نام محمد عبداللہ تھا اور مہدی کا نام بھی محمد عبداللہ ہے۔" ظاہر ہے کہ انصاف نامہ کی عبارت میں " عبداللہ " سے مقصود مدلول لفظ ہے۔ نام نہیں ہے۔ معترض نے نام کی قید اپنی جانب سے بڑھا دی ۔ حالانکہ یہاں " عبداللہ " نام ہونے کی بحث کو معنی " عبداللہ " کا مصداق ہونے کی طرف رخ پھیر دیا گیا ہے۔ چنانچہ نقلیاتِ حضرت میاں عبدالرشیدؒ جو انصاف نامہ سے مقدم ہے اس میں بھی یہی مفہوم زیادہ واضح الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

" پدرِ حضرت رسالت پناہ مشرک بود عبداللہ چوں باشد ایں سہوِ کاتب است۔ عبارت در اصل محمد عبداللہ است و مہدی سیرِ عبداللہ است۔" (روایت 12) ملاحظہ ہو۔ " چوں باشد" اور " چگونہ باشد" اور " عبارت" کے الفاظ اس مقصد کے شاہد ہیں کہ یہاں " عبداللہ " سے معنوں کا مصداق مقصود ہے۔

(6) معترض نے لکھا ہے کہ اب بخوبی ثابت ہوا کہ جیسا کہ اُن کے مہدی کی نسل کی طرف اعلیٰ نعمت اللہ بیٹے امام کاظم کے نہیں طرف اسفل میں " عبداللہ " بھی اُن کے باپ نہیں ہیں" اس کے جواب میں صاحبِ ختم الہدیٰ نے جو تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کتبِ انساب میں امام موسیٰ کی اولاد کے ناموں میں بڑا اختلاف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نعمت بن اسمٰعیل بن موسیٰ کاظم" ہے۔ اگر کہیں اتفاقاً نعمت اور امام کاظم کے درمیان کا نام اسمٰعیل ترک ہوگیا ہو تو اس کو اس طرح بنائے اعتراض بنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ عمادالدین عیسوی نے " ہدایت المسلمین" کے باب ششم کی فصل سوم میں بعض اسلامی کتبِ تواریخ " روضتہ الاحباب " و " مدارج النبوت " کے حوالے سے اعتراض کیا ہے کہ " عدنان" سے لے کر اوپر " اسمٰعیل" تک بعض اکتالیس نام اور بعض چالیس نام اور بعض کچھ اور بتلاتے ہیں۔ پس مسلمان جو محمد ﷺ کو ابراہیمؑ کی اولاد قرار دیتے ہیں ابراہیمؑ تک اُن کا نسب ثابت توکردیں ! کیا یہ اعتراض محض تعصب کا نتیجہ نہیں۔"

واقعہ دراصل یہ ہے کہ جانتے تھے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے والدِ ماجد کا نام " سید عبداللہ " تھا اور حکومتِ وقت کی طرف سے اُن کو " سید خاں " خطاب ملا تھا۔ خطاب میں لفظ " سید " خود بین ثبوت ہے اس کے علاوہ اغیار کے متعدد شجراتِ نسب اور تصانیفِ متقدمین میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ حضرتؑ کے والد کا نام " سید عبداللہؒ " تھا۔ چنانچہ صاحبِ ختم الھدیٰ لکھتے ہیں کہ :-

" ہمارے ہم نسب اور تمہارے ہم مذہب میسور میں سید دستگیر صاحب وغیرہ مشائخین کہ اُن کے شجراتِ انساب میں بھی یہاں " عبداللہ " اور وہاں سید نعمت اللہ موجود ہے۔ (ختم الھدیٰ ردِ ہدیۂ مہدویہ)

مولوی خیرالدین محمد صاحب الہ آبادی نے جونپور نامہ کے باب پنجم میں لکھا ہے :-

"پدرش خواجه عبدالله از جانب سلطنت سید خاں خطاب داشت و مادرش آمنه خاتون که خواهر قیوام الملک باشد۔ به آقاملک مخاطب بود، ہر دو مادر و پدر از اجله سادات بنی فاطمه بودند۔

" جونپور نامہ " مولوی خیرالدین صاحب کی تالیف ہونے کے ثبوت میں صاحبِ مقدمہ سراج الابصار نے یس۔ ایم جعفر کی انگریزی تصنیف کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ سراج الابصار مطبوع ص 2

اور صاحبِ تحفۃ الکرام کی یہ تحریر بھی نقل کی ہے کہ :-

"سید الاولیا سید محمد الملقب میراں مهدی بن میر عبدالله المعروف به (سید) خاں که نسبتش به امام موسیٰ کاظم می پیوند (جلد دوم ص 22)

اس سے ظاہر ہے کہ آپؑ کے والد کا نام " سید عبداللہؒ " مشہور و معروف تھا۔ اسی لئے حدیث " اسم ابیه اسم ابی"

کو استدلال میں پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ امر خود مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ " یہ حدیث مہدویوں اور اُن کے مہدیؑ کے نزدیک مسلم اور صحیح ہے۔"

غرض بعض معاصر علماء نے حضرت امامنا علیہ السلام کے نام و نسب کو جاننے کے باوجود لفظِ " خاں " کو عمداً بنائے اعتراض قرار دیا تو حضرت نے الزامی جواب دیا ہے کہ " خدا سے پوچھو کہ سید خاں کے بیٹے کو مہدی کیوں بنایا "!

صاحبِ ختم الہدیٰ نے بیان کیا ہے کہ " محققین کی اصطلاح میں " عبداللہ " فرد وقت ہوتا ہے۔ جس کو قطب مدار اور قطب داور بھی کہتے ہیں لیکن ابتدائے آدم سے انتہا تک روحِ محمدؐ ہی جمیع اقطاب کی مدد و معاون ہوتی ہے۔ چنانچہ یواقیت کے مبحث (45) میں درج ہے کہ :-

اماقطب الواحدالجمیع الانبیاء و الرسل والاقطاب من حین نشاءالاقسانی الیٰ یوم القیامة فھو روح محمدنافھم۔

اور مبحث (33) میں لکھا ہے کہ :-

قال فی الفتوحات فی باب البعین و مائتین ان اسم القطب فی کل زمان عبداللہ۔۔الخ

اس کا خلاصہ یہی ہے کہ روحِ محمد ﷺ پر قطبِ زماں کی مدد و معاون ہوتی ہے۔ اور وہ " عبداللہ " ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ بحیثیتِ مسلمانِ تام " عبداللہؐ " ہیں۔

اسی لئے امامنا علیہ السلام نے اُن علماء کے جواب میں " عبداللہ " کے الفاظ سے یہ استفادہ فرمایا کہ خلیفۃ اللہ کی اہم خصوصیت، عبدِتام "، " مسلمانِ تام " ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھو یہ کہ جس طرح محمدؐ حقیقتاً " عبداللہؐ " تھے بندہ بھی

"عبداللہ" کی شان رکھتا ہے یا نہیں ؟ صرف والد کا نام "عبداللہ" ہونا دعویِٰ مہدیت کے لئے کافی نہیں ہے۔۔

امامنا علیہ السلام کے جواب میں رفع اعتراض کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ سید النسب اور سید عبداللہ کے فرزند ہونے کے باوجود صرف خطاب کے لفظِ "خاں" پر سے سید خاں کے بیٹے قرار دے کر آپؑ کی سیادت کو متاثر کرنے کی کوشش کرنا حق بجانب ہوسکتا ہے تو لفظ کی یہی بحث حضرت رسول اللہ ﷺ کے والدِ ماجد کے نام سے متعلق بھی کی جاسکتی ہے کہ "مشرک" فی الحقیقت "عبداللہ" کیسے ہوسکتا ہے اس جواب سے حضرت رسول اللہ ﷺ کے والد کا نام "عبداللہ" ہونے سے انکار لازم نہیں آتا ورنہ ہمارے سلسلۂ نسب میں آنحضرتؐ کے والد کا نام "سید عبداللہ" نہ ہوتا۔ اور اسی لحاظ سے امامنا علیہ السلام کا نام "محمد عبداللہ" ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ سید محمدؑ ہے اور خود مولفِ ہدیۂ نے بھی کہیں "محمد عبداللہ" لکھنے کی جراءت نہیں کی ہے۔

لہٰذا حضرت رسول اللہ ﷺ کے والد کا نام "سید عبداللہ" ہونے سے انکار قرار دے کر "خبرِ متواتر قطعی" اور "اجماعِ صحابہؓ" سے انکار کا الزام جو عاید کیا گیا سراسر بے بنیاد ہے۔

توضیح روایت (26،27) :- حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں حق کی تاثیر ہر روز ترقی ہی پا رہی تھی۔ حتیٰ کہ افغانستان کی جیسی مملکت میں غیر معمولی مقبولیت و فتحمندی حاصل ہوئی جیسا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو ملک عرب میں حاصل ہوئی تھی۔ پانچ سو سال قبل کے افغانستان میں مہدویہ مذہب کی تبلیغ کوئی آسان کام نہ تھا۔ امامنا علیہ السلام کی کامیابی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ شاہِ وقت نے آپؑ کا مزارِ مبارک اور گنبدِ شریف بنائی اور اب بھی وہاں ہزاروں آپؑ کے معتقد ہیں۔ آپؑ کا عرس اہتمام سے کرتے ہیں اگرچہ کہ

حضرت کے خلفا و متبعین وہاں موجود نہ رہنے اور امتداد زمانہ کی وجہ حضرتؑ کی تعلیماتِ علیٰ حالیہ باقی نہیں رہی ہیں اس کے باوجود آج بھی مہدوی وہاں زیارت کے لئے جاتے ہیں تو اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے ۔ غرض اس روایت میں حضرت کا یہ فرمان کہ :-

" تاثیرِ حق ہمچو ماہِ اول روز است کہ ہر روز زیادہ تر شود تا آنکہ بکمال رسد۔"

حضرتؑ کے زمانہ میں حضرتؑ کے دعویٰ مہدیت کی صداقت و قبولیت سے متعلق ہے جس کی تاثیر آپؑ کے زمانہ میں درجہ کمال کو پہنچ گئی تھی ۔ یہ ترقی آپؑ کے بعد بھی رہی یا نہ رہی ؟ یہ ایک علحٰدہ بحث ہے کیونکہ خود حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے ۔ " ان الذین بدء غریباً سیعودالذین کمابدہ" اسی طرح حضرت مہدی ِٔ موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے بھی فرمایا ہے کہ " درآخرِوقت دین نقصان خواہد شد"

توضیح روایات دربیانِ معجزات :- ایک چیز کا وجود، دوسری چیز کے وجود یا ظہور کی دلیل ہونا یقینی و مسلمہ امر ہے ورنہ معلومات سے مجہولات کا علم حاصل نہ ہوتا۔ اسی لئے نشانی یا دلیل طلب کرنا انسان کی فطری خصوصیت ہے ۔ اوریہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کبھی اپنے خلیفہ کو بھیجا اس کے ساتھ نشانیاں بھی دی ہیں کہ جن سے حجت قائم ہوچنانچہ فرماتا ہے :-

ذَالِکَ بِاَنَّھُمۡ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡھِمۡ رُسُلُھُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوۡا فَاَخَذَ ھُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّہٗ قَوِیٌّ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۝

(سورۃ المؤمن- 22)

ترجمہ :- یہ اس وجہ سے ہے کہ رسول اُن کے پاس کھلی نشانیاں لے آتے تھے ۔ ان لوگوں نے انکار کیا پس اللہ تعالیٰ نے اُن کا مواخذہ کیا بے شک وہ قوی ہے ۔ سخت عذاب دینے والا ہے ۔

لطافتِ طبع ، رقتِ قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کے خاص جوہر ہیں جن کے ذریعہ وہ پند و نصیحت ، ارشاد و ہدایت کو قبول کرسکتا ہے۔ شعاعِ نور شیشہ کے اندر سے گذر جاتی ہے لیکن پتھر میں فولادی تیر بھی گھس نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ خلیفتہ اللہ کے سامنے آتے ہی اُس کو مان لیتے ہیں۔ اُن پر اس کے حرکات وسکنات ، اخلاق و عادات ، احکام وتعلیمات کا فوراً اثر پڑنے لگتا ہے۔ اور بعض لوگ مزید اطمینان کے لئے خرقِ عادت یعنی معجزہ کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اللہ چاہتا ہے تو اپنے خلیفہ کے ذریعہ ایسا معجزہ دِکھاتا ہے کہ وہ لوگ ویسا کام کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو معجزہ کے ظہور کے بعد معترف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا کو اژدھا بنانے کے بعد بعض ساحروں نے آپؑ کی نبوت کو تسلیم کرلیا تھا۔ اور جن کے دلوں میں ہدایتِ ایمان کی سعادت نہیں ہوتی اور جھٹلانے کے لئے معجزہ طلب کرتے ہیں وہ اب بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ " اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ " (سورة المآئدة-110) یعنی یہ بجز کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ

(سورة النمل-13-14)

ترجمہ :- پس جب اُن کے پاس ہماری کھلی نشانیاں (راستہ) دکھانے والی آئیں تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے اور انھوں نے گمراہی وتکبر سے انکار کردیا۔ حالانکہ اُن کے دل اُن کی صداقت کا یقین کرچکے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفار اگرچہ نشانیاں دیکھ کر بھی انکار کربیٹھتے ہیں مگر اُن کے دل اُن نشانیوں کے منجانب اللہ ہونے پر یقین کرلیتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب تک وہ نشانیاں طاقتِ بشری سے خارج نہ ہوں اُس قسم کا

یقین ہو نہیں سکتا۔ اِسی لئے قرآنِ مجید میں آیات یا بنیات کا استعمال انھیں معنوں میں ہوا ہے جو قدرتِ بشری سے خارج ہوں اور وہ خاص قدرتِ الٰہیہ پر دلالت کرتے ہوں یا انبیاء کی نبوت کو ثابت کرتے ہوں۔ اور اسی لئے ان کو معجزات کہتے ہیں۔

معجزہ کا ممکن ہونا ایک بدیہی امر ہے جس پر دلیل لانے کی ضرورت نہیں کیونکہ بہ ظاہر جو باتیں عادت کے خلاف دکھائی دیتی ہیں وہ فی الاصل ممکن ہوتی ہیں۔ اگر وہ ممکن نہ ہوتیں تو اُن کا ظہور ہی نہ ہوتا۔ بعض منکرینِ نبوت کا خیال ہے کہ قانونِ قدرت کے خلاف کسی امر کے تسلیم کرنے کو عقل جائز نہیں سمجھتی کیونکہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو جائز ہوجائے گا کہ پہاڑ سونا ہوجائیں اور دریا تیل۔؟ علامہ سعدالدین تفتازانی نے " شرح مقاصد" میں اس خیال کی تردید فرمائی ہے کہ :-

ان المراد بخوارق العادة امور ممکنة فی نفسها و ممتنة فی العادة بوقوعها کانقلاب عصاحیة فامکا نها ضروری و ابداء هالیس ابعد من ابداء خلق الارض و السماء و بینهما۔

ترجمہ :- خوارقِ عادت سے مراد وہ امور ہیں جو بذاتہا ممکن ہوتے ہیں اور عادتاً ممتنع۔ عادتاً ممتنع ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ایسے امور عادت کے طور پر وقوع میں نہیں آیا کرتے۔ مثلاً لکڑی کا سانپ بن جانا۔ بعیداز عقل معلوم ہوتا ہے لیکن لکڑی کو سانپ وہی قدرت بنائی جس نے زمین و آسمان اور اُن کے درمیان کی ہر چیز پیدا کی ہے۔ لٰہذا عصا کا سانپ بن جانا بھی ممکن ہے۔

اگرچہ ، سحر، خارق عادت ہونے میں معجزہ سے مشابہ ہے لیکن اصول میں بہت زیادہ فرق ہے۔ (1) سحر میں تعلیم و تعلم کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ مخصوص عملیات کی وجہ سے صادر ہوتا ہے اور معجزہ محض منشاءِ قدرتِ الٰہی کی وجہ

سے ظاہر ہوتا ہے۔ (2) "سحر" نفوسِ خبیثہ سے صادر ہوتا ہے اور معجزہ نفوسِ قدسیہ سے۔

علامہ سعدالدین تفتازانی فرماتے ہیں :-

السحر امر خارق للعادة من نفس شریر خبیثة بمباشرة اعمال مخصوصه یجری فیها التعلیم و التلمذ بهذین الامرین یفارق المعجزة والکرامة (شرح مقاصد)

ترجمہ :- سحر ایک خارق عادت امر ہے جو بد نفس اور خبیث لوگوں سے صادر ہوتا ہے۔ جس کے لئے مخصوص اعمال اور تعلیم و تعلم کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دونوں خصوصیتیں معجزہ و کرامت کے مقابلہ میں سحر کے فرق کو ظاہر کر دیتی ہیں۔

شیخ الرئیس نے ایک رسالہ میں "فعل و انفعال" پر بحث کرتے ہوئے "معجزہ" کی تین خصوصیتیں بیان کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ :-

صنف یتعلق بفضلة العلم و ذالک بان یوتی المستعد ذالک کمال العلم عن غیر تعلیم و تعلم البشری حتی یحیط علما بماشاء اللہ تعالیٰ بقدر لطافة البشری باللہ الحق و طبقات الملٰئکة۔

ترجمہ :- انبیاء کا معجزہ فضیلتِ علم سے بھی متعلق ہوتا ہے اور یہ کمالِ علم بشری تعلیم و تعلم سے نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ اور اس کے ملائیکہ کے ذریعہ نبی اپنی استعداد و لطافت کے موافق ہر اس علم پر حاوی ہو جاتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔

اس توضیح سے ظاہر ہے کہ معجزہ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ انسانی جدوجہد کے بغیر منجانب اللہ اس کا ظہور ہوا کرتا ہے اور کرامت کی بھی یہی صورت ہے۔ لیکن معجزہ اور کرامت میں اصطلاحی فرق یہ ہے کہ مدعی خلافتِ الٰہیہ سے

صادر ہو تو معجزہ۔۔ نفوسِ مطہرہ و مقدسہ سے بلا دعویٰ خلافتِ الٰہیہ صادر ہو تو کرامت کہتے ہیں۔

چونکہ مہدی ءِ موعود علیہ السلام خلیفتہ اللہ ہیں جن کی خصوصیت محی الدین عربیؒ نے فتوحاتِ مکیہ میں یہ بیان فرمائی ہے۔ :-

فان المهدی حجة الله علیٰ اهل زمانه و هی درجة الانبیاء التی یقع فیهاالمشارکة۔

ترجمہ:- بے شک مہدیؑ، اپنے اہلِ زمانہ پر اللہ کی حجت ہے اور وہ حجت انبیاء کے درجہ سے مشارک ہے۔

اور صاحبِ کشف الحقائق نے لکھا ہے کہ :-

دعوته کدعوةالنبی و جزبه کحزب النبی و علمه کعلم النبی و ذاته کذات النبی۔

ترجمہ :- مہدیؑ کی دعوت نبیؐ کی دعوت کی جیسی، اُس کی گروہ نبیؐ کی گروہ کی جیسی، اُس کا علم نبیؐ کے علم کے جیسا اور اُس کی ذات نبیؐ کی ذات کے جیسی ہے۔

اس لئے امامنا علیہ السلام سے جو خوارقِ عادات ظہور میں آئے ہوں اُن کو بھی معجزات کہتے ہیں۔ چونکہ معجزات کا ظہور بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جب چاہتا ہے اپنے خلیفہ کی تائید میں ظاہر فرماتا ہے۔ اس لئے امامنا علیہ السلام نے بارہا فرمایا کہ :-

حجت دادن کارِ خداوندیست حجت دہد یا نہ دہد بندہ را دریں چہ کار است بر ما تبلیغ فرض است۔ (روایت 26)

ترجمہ :- معجزہ عطا کرنا خدائے تعالیٰ کا کام ہے عطا کرے یا نہ کرے بندہ کا اس میں کیا دخل ہے۔؟ ہم پر تو صرف تبلیغ فرض کی گئی ہے۔

آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے بہت معجزے عطا فرمائے ہیں جن میں سے چند معجزے نقلیات کی اس کتاب میں درج ہوئے ہیں اس کے علاوہ " حجۃ المنصفین" ، "انصاف نامہ" " مولود مولفہ حضرت میاں عبد الرحمٰنؒ، " مطلع الولایت" وغیرہ کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں ۔ حضرت شاہِ قاسم مجتہدِ گروہؒ نے " افضل المعجزات" میں ایک سو معجزے جمع کئے ہیں " شواہد الولایت" باب (36) میں بھی بیان ہوئے ہیں نیز غیر مہدویوں کی بعض کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں جن کی تفصیل طوالت کا باعث ہوگی ۔ یہاں اس کا موقع نہیں ۔ آپؑ کے معجزات میں اہم اہم اخبارِ مغیبہ پائے جاتے ہیں ۔ مثلاً :-

(1) روایت ہے کہ امامنا علیہ السلام نے آخر وقت سب کو پند و نصائح کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کسی کو میری مہدیت میں شک ہو یا آزمایش منظور ہو تو قبر میں رکھنے کے بعد دیکھو اگر بندے کو پاؤ تو سمجھو کہ بندہ مہدیء موعود نہیں تھا ۔ جب آپؑ کا وصالِ مبارک ہوگیا آپؑ کو لحدِ مبارک میں پہنچانے کے بعد آپؑ کے فرزند حضرت بندگی میاں سید محمود ثانیِ مہدی رضی اللہ عنہٗ نے آپؑ کا فرمان یاد دلایا اور دیکھا تو لفافہ خالی تھا ۔

یہ کیسی اہم پیشنگوئی ہے جسے امامنا علیہ السلام نے اپنے دعوئے کی صداقت کی ایک حجت قرار دی اور تحدید کے ساتھ پیش فرمایا اگر یہ پوری نہ ہوتی تو آپؑ کے متبعین ایک سال تک وہاں رہ کر تبلیغ جاری نہ رکھتے ۔

(2) امامنا علیہ السلام ایک دفعہ اس آیت پر بیان فرمارہے تھے ۔

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوْذُوا فِي سَبِيْلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا۔۔۔الخ (سورۃ آل عمران-195)

ترجمہ :- جن لوگوں نے ہجرت (1) کی اور جو اپنے گھروں (2) سے نکالے گئے اور میرے (یعنے اللہ کے) راستے (3) میں ستائے گئے اور جنھوں نے جہاد کیا اور قتل کئے گئے ۔

اس آیت کی چاروں صفات کی توضیح کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ یہ صفات بندہ اور بندہ کی گروہ سے بھی متعلق ہیں ۔ پہلی تین صفات کا ظہور تو چکا ۔ چوتھی صفت باقی ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ پوری ہوگی اور چونکہ بندہ مہدی ءِ موعود خلیفۃ اللہ ہے دنیا کی کوئی قوت بندے پر غالب نہیں آسکتی ۔ اس لئے بندہ کی چوتھی صفت کا ظہور " سید خوندمیر " (آپؑ کے داماد و صحابیؓ) کے ذریعہ ہوگا ۔ یہ میرے بدل ہوں گے ۔ یہ خاتمِ ولایتِ محمدیہ کی صفت کا بار ہے اس کے حامل کا سر جدا، تن جدا، پوست جدا ہوکر رہے گا ۔۔۔۔ ۔ پھر آپؑ نے حضرت سید خوندمیرؓ کی کمر سے دو تلوار باندھتے ہوئے فرمایا کہ جس وقت مقاتلہ ہوگا پہلے دن لڑائی میں تمہاری فتح ہوگی اگرچہ اس دن ساری دنیا کی قوت بھی تمہارے مقابلہ میں ہو اور تم تنہا رہیں ۔ یہ بات بندے کی صداقتِ مہدیت کی حجت ہے ۔ یعنی اگر ایسا نہ ہو تو سمجھنا کہ میں مہدی ءِ موعود نہیں تھا" ۔

روایات سے ثابت ہے کہ امامنا علیہ السلام کے بیس سال بعد پیشنگوئی پوری ہوئی اور آج حضرت شاہِ خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی تین زیارت گاہ ہیں ۔ سدراسن (1) ۔ پٹن (2) ۔ چاپانیر (3) ۔ علاقۂ گجرات میں موجود ہیں ۔ اس کی " تفصیل " روایت (176)، (177) کی توضیح میں معلوم ہوجائیگی ۔

توضیح روایات دربیان پسخوردہ :- تاثیراتِ پسخوردہ کی روایات میں امامنا علیہ السلام کے پسخوردہ کا عمل جو پایا جارہا ہے وہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کے عین مطابق ہے ۔ آنحضرت ﷺ کا بھی یہی عمل تھا ۔ بچے بیمار پڑتے یا پیدا ہوتے تو اُن کو آپؐ کی خدمت میں حاضر کرتے آپؐ بچے کے سر پر ہاتھ پھیر کر اپنے منھ میں کھجور ڈال کے اس کے منھ میں ڈالتے اور اس کے لئے برکت کی دعا فرمائی ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا لڑکا پیدا ہوا تو آپؐ کی خدمت میں لائے آپؐ نے اس کا نام رکھا اپنے منھ میں کھجور ڈال

کے اس کے منھ میں ڈالی اور برکت کی دعاء فرمائی ۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تو اُن کی والدہ حضرت اسماءؓ اُن کو لے کرآئیں اور آپؐ کے گود میں رکھ دیا۔ آپؐ نے کھجور منگوا کر چبائی اوراس کے منھ میں ڈالدیا پھر برکت کی دعاء دی۔

آپؐ بعض بچوں کے منھ میں کلی کردیتے اور بعض کے منھ میں لعابِ دہنِ مبارک ڈالتے اور بعض کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے ۔ (بخاری کتاب الدعوات باب الدعالو للصبیان بالبرکۃ مسح رؤسھم و کتاب العقیقۃ باب تسمیۃ المولودعداۃ یولدلمن لم یحق تحنیکہ) ماخوذ اسوۂ صحابہؓ

اس کے علاوہ امامنا علیہ السلام کے زمانے میں مریدوں اور عوام پر مشائخین کی کرامات اور مافوق العادت مظاہرے اُن کے اعلیٰ معیار کی دلیل قرار پاچکے تھے۔ اس لئے عموماً مشائخین ، اپنی بساط قائم رکھنے کے لئے تعویذ گنڈے عملیات کی سادھنی، جنات و موکلین کو تابع کرنے کی مشقیں وغیرہ امور میں منہمک ہوچکے تھے اور یہ شریعت و اخلاق کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ اس لئے امامنا علیہ السلام نے پسخوردہ کا عمل جاری فرمایا۔ جس کے ذریعہ ہر تکلیف و ہر بلا سے نجات مل جاتی تھی۔ بلکہ نورِایمان بھی نصیب ہوتا تھا۔ اور یہ کیفیت محض صالحیت اور لطفِ الٰہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اِسی لئے آپؐ کے متبعین کا بھی یہی عمل رہا ہے۔

روایت ہے کہ شہرِ چاپا نیر میں ایک رئیس حضرت بندگی میاں شاہِ نعمت رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کچھ (منتر وغیرہ) پڑھ کر پھونکنے کی درخواست کی آپؐ نے فرمایا :- ما خواندن نمی دانیم اگر در خاطر باشد پسخوردہ بدہیم والشفاء من اللہ۔ (انصاف نامہ باب 2)

یعنی میں (منتر وغیرہ) پڑھنا نہیں جانتا ہوں اگر چاہتے ہو تو پسخوردہ دونگا۔ اور شفاء تو اللہ کی جانب سے ہے۔

حاصل یہ کہ امامنا علیہ السلام کا اورآپؑ کی گروہ میں فقرائے کرام کا عمل پسخوردہ ہی رہا ہے۔۔۔

روایت (267،275) میں بارگزیدہ کتے کا زہر حضرت کے لعابِ دہنِ مبارک سے رفع ہوجانے کا ذکر ہے۔ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے دائرہ میں کتے کی موجودگی پر سخت اعتراض کیا ہے حالانکہ دوسری روایات میں یہ توضیح موجود ہے کہ وہ " جن " تھا۔ چنانچہ دوران اعتراض میں خود صاحبِ ہدیہ نے بھی اپنے الفاظ میں یہ روایت درج کی ہے۔

"میاں سید محمود مہدیِ ثانی کے پاس بھی ایک کتا تھا لالہ نام ایک روز بی بی ملکانؓ نے اس کو اینٹ کا ٹکڑا مارا۔ میاں نے کہا کہ اگر وہ کتا ہو تو اس کو مارو لیکن وہ کتا نہیں ہے۔ بی بیؓ نے کہا کہ میرانجیؓ یہ بھائی کالو (امامنا علیہ السلام کے دائرہ کا کتا) کے بجائے کہا، ہاں یہ اس کا بھائی ہے۔ (ماخوذ از ہدیۂ مہدویہ)

اس کے علاوہ اس کتے کا ذکر اللہ میں مشغول رہنا ، احترامِ رمضان کی وجہ اوقاتِ روزہ میں کچھ نہ کھانا اور بعض وقت اس کی بانگ پر موذن کا بیدار ہونا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کو عرفان مآب ہستیوں کے سوائے عام لوگ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کوئی حیرت و تعجب کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف وصریح طور پر فرمایا ہے کہ :-

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ۔ الخ (سورۃ بنیٓ اسرآئیل۔ 44)

ترجمہ :- اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی حَمۡدُ وَتَسۡبِیۡحُ نہ پڑھتی ہو۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ گوید

یعنی جو گھانس زمین سے اگتی ہے " وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ " کہتی ہے۔ مگر افسوس کہ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے خوب دل کھول کر طنز و تمسخر کیا ہے۔ حالانکہ روایت سے ظاہر ہے کہ وہ جن تھا تو پھر اس کی موجودگی اور اس کی خصوصیات پر اعتراض کا موقع ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ (سورۃ الذّٰریٰت۔ 56)

ترجمہ :- میں نے جن وانسان کو عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔

توضیح روایات دربیان انکارِ مہدی :- انکارِ مہدی ءِ موعودؑ کفر ہونے کے بارے میں جو روایات باب دوم میں بیان ہوئی ہیں اُن کے متعلق کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ روایت (3) کی توضیح میں آیۂ کریمہ " اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّہٖ " کے تحت بحث کی جاچکی ہے۔ اس کے علاوہ جب کہ بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ کی ضرورت احادیثِ رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے تو بعثتِ مہدی ءِ موعودؑ یا بعثت کے بعد ذاتِ مہدی ءِ موعودؑ کا انکار فی الحقیقت احادیثِ شریفہ کا انکار ہوگا۔ اور یہ یقیناً کفر ہے۔

ان احادیث وجود المہدی وخروجہٖ فی اٰخرالزمان وانہ من عترۃ رسول اللہ من ولد فاطمۃ بلغت حدالتواتر المعنوی فلا معنی لانکارھا۔ومن ثم وردمن کذب بالدجال فقد کفرومن کذب بالمہدی فقد کفررواہ ابوبکر الاسکاف فی فواید الاخبارو ابوالقاسم اسمعیل فی شرح السیر۔

(اشاعۃ فی اثیر الساعۃ)

ترجمہ :- یعنی مہدیؑ کا وجود اور آخر زمانے میں اُن کا خروج ہونے اور آلِ رسول و اولادِ فاطمہؓ سے ہونے کے بارے میں احادیث تواترِ معنوی کا درجہ رکھتی ہیں اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے (یہ حدیث) وارد ہوئی ہے کہ جس نے (اخراج) دجال کا انکار کیا کافر ہے اور جس نے مہدیؑ کا انکار کیا کافر ہے۔ ابوبکر اسکاف نے فوایدالاخبار میں ابوالقاسم اسمٰعیل نے شرح السیر میں اس کی روایت کی ہے۔

متواترات موجبِ یقین ہوتے ہیں ان کا انکار بالاتفاق کفر ہے۔ مہدی ءِ موعودؑ سے متعلقہ احادیث کے تواتر معنوی کو تسلیم کرلیا گیا ہے اس لئے آمدِ مہدی ءِ موعودؑ کا اور آمد کے بعد ذاتِ مہدی ءِ موعودؑ کا انکار کفرِ مسلم ہے۔ یہ انکار

از روئے احکامِ شرعیہ کفر تو ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی آدمی کو کافر کہتے پھریں چنانچہ روایت نمبر 29 ملاحظہ ہو کہ صحابہ کرامؓ نے بغیر عبارت یعنی آیت وحدیث کے بغیر کسی کو کافر نہ کہنے پر گفتگو فرمائی ہے۔ اور خراسان میں بعض برادرانِ دائرہ کی نسبت حضرت امامناؑ کی خدمت میں شکایت پیش ہوئی کہ شہر میں جاکر لوگوں کو کافر کہتے پھرتے ہیں تو حضرتؑ نے اُن لوگوں کو سزا دینے کا حکم صادر فرمایا تھا اور یہ روایت متفق علیہ ہے۔

اسی طرح تبلیغِ دین میں موعظہِ حسنہ کے جو اصول ہیں اُن کی پوری پوری پابندی کی جاتی تھی۔ روایت (40) میں ملاحظہ ہو کہ ایک ضدی عالم حضرت مہدی علیہ السلام سے بے ہودہ بحث کر رہا تھا ایک برادر نے تنگ ہوکر عرض کیا کہ میرانجیؑ! آپؑ کیوں سر خالی فرمارہے ہیں۔ فرمایا بندہ کو خدائے تعالیٰ نے اسی لئے تو بھیجا ہے۔ امامنا علیہ السلام نے اپنی صداقت کی تفہیم کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ روایت نمبر (83) ملاحظہ ہوکہ حضرتؑ کی عادتِ شریفہ تھی کہ بیانِ قرآن کے وقت اہلِ فہم کو قریب بلایاکرتے تھے اگرچہ وہ مفلس ومحتاج ہی کیوں نہ ہو۔ آپؑ کے صحابہِ کرامؓ کا بھی یہی طریقہ تھا۔ روایت نمبر(41) کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگاکہ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ سے بیانِ قرآن کے وقت یا خانگی ملاقات کے وقت کوئی شخص بے ڈھنگا سوال کرتا تو آپؓ اس کو سوال کا طریقہ بتلاتے اور سمجھاتے کہ تمہارے سوال کا یہ مقصد ہوگا۔ لیکن تنگ نہ ہوتے تھے۔ بلکہ کسی مہاجرؓ نے بھی سوال کرنے والے سے بیزاری نہیں کی اور نہ کسی کو سوال سے باز رکھا ہے اور نہ کسی کو اپنی بات پر اعتقاد رکھنے پر مجبور کیا ہے۔ بلکہ فرمایا کرتے کہ جو بات مشکل ہو اس کی تحقیق کرلیاکرو ورنہ وبال تمہاری گردن پر رہے گا۔"

نیز روایت (57) ملاحظہ ہوکہ ایک عالم عہدہ دار سے حبِ دنیا کفر ہونے پر بحث ہوئی تھی۔ اس نے ضد سے اپنے آپ کو محبِ دنیا قرار دینے کی کوشش کی تو آپؑ نے تین بار تفہیم فرمائی کہ تم کلمہ گو ہو تم میں ایسی صفت

نہیں ہونی چاہیئے جس کی قرآن مذمت کر رہا ہو۔اس پر بھی وہ مصر رہا تو اُس نوبت پر بھی آپؑ نے یہ نہ فرمایا کہ میں تم کو کافر کہتا ہوں بلکہ فرمایا خدائے تعالیٰ کے حکم سے تم کافر ہیں۔ اس پر قرآنِ شریف کی آیت بھی آپؑ نے سنادی۔

کسی فرد یا کسی فعل کے اچھا ہونے یا برا ہونے کا معیار احکامِ شرع ہیں۔ اہلِ سنت کی یہی عقیدہ ضابطہ ہے۔

الحسن ما حسنه الشرع والقبح ما قبحه الشرع۔

یعنی جس کو شرع اچھا قرار دے وہی اچھا ہے۔ جس کو برا قرار دے وہی برا ہے۔

بے حکمِ شرع آب خوردن خطا است　　وگر خوں بریزی بفتویٰ روا ست (سعدیؒ)

حاصل یہ کہ احکامِ شرع کی رو سے مہدی ءِ موعودؑ کا انکار کفر ثابت ہے اور اس کا اطلاق بلا لحاظِ قلت و کثرت ہو گا جیسا کہ ہر خلیفتہ اللہ کی بعثت کے وقت دنیا کے انسان مومن و کافر دو جماعتوں میں تقسیم ہوتے آئے ہیں۔

روایت (51) کی توضیح "قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا" کی روایات میں (177،176) کے تحت تفصیلاً بیان ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور روایت (50 تا 55) میں مخالفین کے گھر جانے کی ممانعت وغیرہ سے متعلق جو بیان ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امامنا علیہ السلام سے خصوصاً قاضی و علماء و مشائخین نے سخت مخالفت برپا کی تھی۔اور اس کا زیادہ تر سبب یہ تھا کہ حضرتؑ کے احکام و تعلیمات کے لحاظ سے ان لوگوں کی روش پر ازروئے دین کاری ضرب لگ رہی تھی انکار، مکر و فریب اور اُن کی دنیا پرستی اور بداعمالیاں بے نقاب ہو رہی تھیں۔ ایسی صورت میں امامنا علیہ السلام نے اپنے متعبین کو اُن لوگوں سے روابط نہ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔کیوں کہ مہدوی جہاں جاتے تھے تو اُن کو الٹی

حجتوں سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے یا اُن کو جھگڑے میں مبتلا کر دیتے تھے۔ اس لئے اماماً نے فتنہ و فساد سے بچانے کی تدبیر اختیار فرمائی۔

اور روایت (55) میں یہ آیت بھی بیان ہوئی ہے :-

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًامِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُواالْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ ۝

(سورۃ اٰل عمران-100)

ترجمہ :- اے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو اگر تم اہلِ کتاب سے کسی فریق کی پیروی اختیار کرو گے تو وہ تمہارے ایمان کے باوجود تم کو کفر کی حالت کی طرف پھیر دیں گے۔

اس سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ مخالفین کی صحبت، اہلِ ایمان کے لئے مضر ہوا کرتی ہے اس لئے بھی حضرتؑ نے منع فرمایا ہے۔ علماء و مشائخین کی طرف سے اس شدت کی مخالفت کے بارے میں حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ نے فتوحاتِ مکیہ کے باب 33 میں پہلے ہی پیشنگوئی فرمادی تھی کہ :-

ازاخراج ھٰذاالامام فلیس له عدومبین الالفقها خاصة لانهم لا یبقی ریا ستهم-

ترجمہ :- جب امام مہدیؑ کا ظہور ہوگا تو خصوصاً فقہا و علماء ہی اُن کے کھلے دشمن ہوں گے کیوں کہ اُن کی حکومت باقی نہ رہے گی۔

توضیح روایات دربیانِ اقتدائے منکرین :- اقتدائے منکرین جائز نہ ہونے کے بارے میں جو روایات (42 تا 49) بیان ہوئی ہیں اُن پر تبصرہ کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ انکارِ مہدی ءِ موعودؑ ازروئے احکامِ

شرعیہ کفر ثابت ہے اس لئے منکرین کی اقتداء ناجائز ہونا کسی بحث کا محتاج نہیں ۔ ائمہ اربعہؒ کے اختلافات جن مسائل میں پائے جاتے ہیں وہ اگرچہ کہ فروعی اختلافات ہیں اس کے باوجود مسائل کے احکام کی وجہ ایک امام کا پیرو، دوسرے امام کے پیرو کی اقتداء نہیں کرسکتا کیوں کہ ایک امام کے مسئلہ کے تحت وضو ہو جاتا ہے اور دوسرے امام کے تحت نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں آخرالذکر امام کا پیرو اول الذکر امام کے پیرو کی اقتداء نہیں کرے گا کیونکہ اس کے امام کے مسئلہ کے حکم کے لحاظ سے اس کی نماز بے وضو قرار پاتی ہے جب کہ فروعی مسائل کے اختلاف کی یہ صورت ہے تو مہدی ءِ موعودؑ کی ذات سے اختلاف جوکہ اصولِ دین سے اختلاف کے حکم میں داخل ہے یقیناً مانعِ اقتداء ہے ۔ خصوصاً نمازِ پنجگانہ ایسی عبادت ہے جس کے لئے امام صحیح الاعتقاد ہونا ضروری ہے ۔

توضیح روایات دربیانِ عشق :- کہنے کو تو عشق ایک معمولی لفظ ہے لیکن مجاز و حقیقت ، امکان اور وجوب کے عجیب وغریب نازک معانی ومطالب کا حامل ہے ۔ فلاسفہ اور علمائے محققین نے اس پر بہت طویل ودقیق بحثیں کی ہیں ۔ ہم یہاں اس کی ایک اہم نوعیت کا اجمالاً بقدرِ ضرورت ذکر کرتے ہیں جس سے حضراتِ خاتمین علیہما السلام کا مرتبہ اور اُن کی بنیاری خصوصیات کا علم ہوسکے گا۔

بحرالعلوم علامہ شمسی مرحومؒ نے جلاء العنین میں لکھا ہے :-

"واضح ہوکہ عشق کمالِ محبت کا نام ہے۔ اگر یہ صفت ممکنات میں نفوس "ناطقہ" سے متعلق کی جائے تو "زوالِ علم وعقل" کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللہ اگر واجب تعالیٰ سے متعلق کی جائے تو کمالِ محبت، کمالِ علم کے ساتھ ماننا لازم ہوگا۔ یہاں (یہاں یعنی جب اس کا تعلق واجب تعالیٰ سے ہو) اس عشق کی بحث ہے جو ظہورِ حقیقت

واجب تعالیٰ کا مقتضی ہو۔ واجب تعالیٰ کے عشق سے مراد وہ تحریک ذاتی ہے جو باطن واجب تعالیٰ کے ظہور کا سبب بنے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ایک ذات کے دو اعتبار ہیں ۔ ایک اعتبارِ باطن دوسرا اعتبارِ ظاہر ہے۔ اعتبار اول سے مراد عاشق اور اعتبارِ ثانی سے مراد معشوق ہے۔ پس تجلیِ ذاتی کی تحریک سے ذات کا باطن ایک صیقل دار آئینہ بن گیا۔ جس میں باری تعالیٰ کے وجودِ ظاہر کا حسن جلوہ گر ہوگیا۔"

فخرالدین اعراقی نے "لمعات" میں بیان فرمایا ہے کہ :-

خود را درآئینه عاشقی من حیث باطن الوجود الذی من خواصه الامکان و معشوق من حیث ظاهر الوجود الذی من لوازمه الوجوب۔ برخود عرض کرد وحسنِ خود را من حیث ظاہرالوجود برنظرخود من حیث باطن الوجود جلوه داد۔؟

لیکن بعض محققینِ صوفیہ مثلاً شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ زیرِ بحث نوعیت میں عاشق و معشوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور تفصیلی دقیق بحث کے بعد یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایجادِ عالم کی یہی علت ہے۔ غرض صوفیۂ کرام کے قول کے مطابق ، عالمِ شہادت کی ہر جنس کا ظہور ہر ایک خاص اسم باری تعالیٰ سے ہوا ہے۔ اور حضرتِ انسان کا ظہور اسمِ جامع یعنی اسم "اللہ" سے ہوا ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ نے فتوحاتِ مکیہ جلد ثانی میں اس کی بہت تفصیل بیان فرمائی ہے۔

اس لحاظ سے عام افراد انسانی اگرچہ مظہر شیون الوہیت ہیں تاہم انبیاء علیہم السلام کا وجود اس ظہور میں ممتاز ہے۔ سب کمالاتِ الوہیت و آثار اُن کے معجزات میں عرفان مآب ہستیوں کو نظر آتے ہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ محققین صوفیہؒ کا یہی مذہب ہے کہ آنحضرت ﷺ عشقِ حقیقی کے مظہرِ کامل ہیں ۔ اس مختصر اجمالی بحث سے واضح ہے کہ موجوداتِ عالم میں عشق کی اکمل مظاہر ذات سرورِ کائناتؐ ہے۔ اور یہی حبِ ذاتی اور

عشقِ حقیقی مبداء ولایتِ محمدیہؐ ہے۔ جسے عام اصطلاح میں تعینِ اول کہتے ہیں۔ اس ولایت سے حضرت خاتم الانبیاء سرورِ کائنات موصوف ہیں اور اس کے خاتم حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام ہیں۔ یعنی خاتمین علیہما السلام کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ حبِ ذاتی اور عشقِ حقیقی کے اکمل مظاہر ہیں۔

اسی لئے شیخ محی الدین اکبرؒ نے "خصوص" میں حدیث کنت بیناء أدم بین الماءوالطین (میں نبیؐ اس وقت تھا جب کہ آدمؑ کی مٹی خمیر کی جا رہی تھی) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وغیرہ من الانبیاء ماکان نبیا لاحین بعث و کذالک خاتم الاولیاء کان ولیاء أدم بین الماء و الطین وغیرہ من الاولیاء ما کان ولیاء الا بعد تحصیل شرائط الولایۃ۔

ترجمہ :- (ازلی نبیؐ ہونے کی خصوصیت حضرت رسول اللہ ﷺ ہی کے لئے مخصوص ہے) آپؐ کے سوائے جتنے انبیاء ہیں وہ نبی اس وقت ہوتے ہیں جب کہ اُن کی بعثت ہو۔ اور اِسی طرح خاتم الاولیاءؑ اُس وقت سے ولی ہیں جب کہ آدم کی مٹی خمیر کی جارہی تھی۔ خاتم الاولیاءؑ کے سوائے جو ولی ہوتے ہیں وہ اس وقت ہوتے ہیں جب کہ اُن کو ولایت کی شرائط کی تحصیل ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح تمام انبیاء و مرسلین کی نبوت و رسالت میں اور حضرت خاتم النبینؐ کی نبوت و رسالت میں مراتب و خصوصیات کا فرق ہے "تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ"(سورۃ البقرہ۔253) یعنی یہ حضراتِ مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے اُن میں بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔

اِسی طرح تمام اولیا کی ولایت اور حضرت مہدی علیہ السلام کی ولایت میں مراتب و خصوصیات کا فرق ہے۔ اور یہ دونوں قدسی صفات ہستیاں ازل ہی سے مرتبۂ خاتمیت پر فائز ہیں۔

خاتمِ ولایتِ محمدیہؑ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے بعد ولایتِ عامہ بھی جاری نہ رہے گی کیونکہ مذہبِ مہدویہ میں دیدارِ خدا ممکن اور جائز ہے اور طلبِ دیدارِ خدا فرض ہے اور " دیدارِ خدا" قربِ الٰہی" " ولایتِ عامہ" کا مفہوم ایک ہی ہے جب دیدارِ خدا ممکن ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ "قربِ الٰہی" یعنی ولایت سے بھی مشرف ہونا ممکن ہے۔ اور اسی لئے طلبِ دیدار فرض کی گئی ہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام صرف ولایتِ محمدیہؑ کے خاتم ہیں جس کی ازلی خصوصیت آپؑ کو منجانب اللہ حاصل ہے۔

نفوسِ ناطقہ کے لحاظ سے صفتِ عشق کا اطلاق کمالِ محبت کے بعد کیا جاتا ہے۔ یعنی محبت کی انتہا پر عشق کی ابتداء ہوتی ہے۔ آئیندہ توضیحات سے ظاہر ہوگا کہ فرائضِ ولایت کا تعلق فی الحقیقت عشق ہی کے لوازم سے ہے۔

روایت (189) ملاحظہ ہوکہ امامنا علیہ السلام نے فرمایا:- طالب پر وہ کیا چیز فرض ہے جس کی وجہ خدا کو پہنچ سکے۔

پھر آپؑ ہی نے جواب فرمایا کہ وہ عشق ہے۔ عشق کس طرح حاصل ہوسکتا ہے! فرمایا کہ " دل کی توجہ ہمیشہ خدائے تعالیٰ کی طرف قائم رکھنے سے حاصل ہوتا ہے"۔

اور ایک موقع پر بطورِ تمثیل فرمایاکہ :-

" ایک شخص کا لڑکا گم ہوجائے تو والدین کے دل میں کس قدر تشویش پیدا ہوجاتی ہے اور اُن کا کیا حال ہوجاتا ہے؟ طالبانِ خدا نے عرض کیاکہ میرانجیؑ والدین کو اپنے لڑکے کی محبت میں کھانا پانی سب زہر ہوجاتا ہے۔ نیند نہیں آتی جب تک لڑکا ہاتھ نہ آئے اس کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ امامنا علیہ السلام نے فرمایا۔ بھائیو! خدا کی طلب اور اُس کے عشق میں اُن والدین کی سی کیفیت ہوجانا چاہیئے۔ پھر فرمایا لڑکے کا عشق تو بہت بڑا ہے ایک سوئی

کے گم ہوجانے پر اُس کی تلاش میں جتنی توجہ کی جاتی ہے اتنا بھی خدا کی طرف متوجہ ہوجاؤ تو خدا کو پہنچ سکو گے۔"

(شواہدِ ولایت)

اور روایت (218) ملاحظہ ہو کہ ایک دفعہ خراسان میں امامنا علیہ السلام عشق کا بیان فرمارہے تھے مولانا درویش محمدؒ نے جامہ چاک کرتے ہوئے نعرہ لگایا کہ ہم عشق کہاں سے لائیں۔ آپؑ نے فرمایا بندہ عشقِ کسبی کا بیان کررہا ہے۔ کام کرو تاکہ عشق حاصل ہوسکے۔ عشقِ عطائی تو پیغمبروںؑ کا مقام ہے۔

دوسری روایات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ امامنا علیہ السلام کی خدمت میں وہبی عشق سے سرفراز ہستیاں بھی موجود تھیں۔

روایت ہے کہ ایک روز میاں فہیم مہاجر رضی اللہ عنہٗ نے سیدنا علیہ السلام سے عرض کیا کہ میاں سید خوندمیرؓ و میاں عبدالمجیدؓ ہاتھ ملائے ہوئے باتیں کررہے ہیں۔ اور زیادہ وقت ذکر اللہ میں نہیں بیٹھتے۔ آپؑ نے فرمایا:-

" نشستن کارِ شما است کہ شما کاسب ہستید و کارِ ایشاں دیگر است۔ ایشاں را عطاست" (انتخاب المو الید باب 11)

اس سے معلوم ہوا کہ کاسب اور عطائی دونوں قسم کے صحابہؓ تھے۔ عشقِ وہبی کے لئے کسب کی ضرورت نہیں ہوتی صرف فیضِ صحبت کافی ہوجاتا ہے۔

چنانچہ روایت ہے کہ حضرت بندگی میاں سید محمود ثانیِ مہدیؑ کی عمرِ شریف 18 یا 19 سال کی تھی کہ آپؑ نے حجرہ کے باہر سے اس "تعلیمِ بلاواسطہ" کا ذکر جو عطائے منصبِ مہدیت کے بارے میں حضرت امامنا علیہ السلام اپنی زوجۂ محترمہ بی بی الہدادی رضی اللہ عنہا سے بیان فرمارہے تھے۔ سنتے ہی جذبۂ حقانی طاری ہوگیا بے ہوش ہوگئے۔

امامنا علیہ السلام کو منجانب اللہ خبر ہوئی تو گود میں اٹھا کر حجرے میں لے گئے ۔ بی بیؓ سے فرمایا کہ دیکھو سید محمودؓ کا گوشت ، پوست ، استخواں بال بال لَا اِلٰهَ اِلَّا الله ہوگیا ہے ۔ جب ہوش آیا تو آپؑ نے ذکرِ خفی کی تلقین کی ۔ اور اُسی وقت بی بیؓ اور فرزندِ ارجمندؓ نے تصدیق مہدیتؑ کا شرف حاصل کیا۔

نیز حضرت سید خوندمیرؓ کی نسبت آپؑ نے فرمایا :-

" بھائی سید خوندمیر به استعدادِ تمام آمده بودید چراغ دان ، فتیله و روغن موجوده بود اما ہمیں یک کار افروختن باقی مانده بود۔ اکنوں از چراغِ ولایتِ محمدی روشن کرده است"۔

اسی لئے امامنا علیہ السلام نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ : " تصدیقِ بنده بینائی خدا " (حاشیه انصاف نامه)

اور اسی لئے بعض صحابہؓ کو آپؑ نے پیغمبروں کے مقام کی بشارت دی ہے ۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے بھی قومِ مہدیؑ کی نسبت ایسی ہی پیشنگوئی فرمائی ہے ۔ چنانچہ امام فخرالدین رازیؒ نے تفسیرِ کبیر میں ایک حدیث بیان کی ہے کہ :-

قال رسول الله صلی الله علیه و سلم انی لا عرف قوما هم بمنزلتی فقال الاصحاب کیف یکون یا رسول الله انت خاتم النبین و لا نبی بعدک فقال لیسوا من الانبیاء ولٰکن یغبطهم الانبیاء بقربهم و مقعدهم من الله وهم المتحابون فی الله۔ (جلد ثانی)

ترجمہ :- حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ایسی قوم کو جانتا ہوں جو میری منزل میں ہے ۔ اصحابؓ نے عرض کیا یا! رسول اللہ ﷺ ایسا کیسا ہوسکے گا جب کہ آپؐ خاتم النبیٖن ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ۔ آپؐ نے فرمایا وہ لوگ انبیاء تو نہیں ہیں لیکن اللہ سے اُن کے قرب و مقامِ قرب کی وجہ سے انبیاء اُن پر رشک کریں گے ۔ اور وہ حق تعالیٰ سے محبت رکھنے والے ہونگے ۔

گویا یہ حدیثِ شریف قرآنِ مجید کی آیت " فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ "(سورۃ المآئدۃ۔54)

یعنی اللہ ایسی قوم کو لائے گا جس سے اللہ محبت رکھتا ہو اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں) کی تفسیر واقع ہوئی ہے۔

ہم اس آیت اور حدیث پر فضائلِ صحابہؓ سے متعلقہ روایات کی توضیح میں بحث کریں گے انشا اللہ تعالیٰ۔

مقامِ غور ہے کہ انسان کی اِس سے بلند معراج بھی ممکن ہے ؟ کہ وہ خدا کا محب ہو اور خدا اُس کا ۔ قرآن نے انسانیت کے ارتقاء کا جو تصور پیش کیا ہے اس سے بڑھکر بھی کوئی فلسفہ ہے جو انسانوں کو اس کے سوائے اس سے بلند تر مرتبہ پر فائز کر سکے۔

عشق دمِ جبرئیل ، عشق دلِ مصطفیٰ | عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام

عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک | عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام

عشق فقیہِ حرم ، عشق امیرِ جنود | عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

غرض عشق و محبتِ الٰہی فی الحقیقت بدنِ اسلام کی روح ہے۔ حضرت امامنا علیہ السلام کی تعلیمات ، بے روح علمیت کے خلاف ایک جہادِ عظیم ہیں۔ جو لوگ محض ظاہری شعائر کی پابندی کو اسلام سمجھ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے بجائے بندوں کی حاکمیت میں گرفتار تھے ایک بے روح جسد کو زندہ قالب سمجھ رہے تھے اُن کے لئے ہدایت ہیں۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق ** عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

(اقبالؔ)

قرآنِ مجید کا مخاطب عقل بھی ہے قلب بھی ہے ۔ بلکہ عقل سے زیادہ قلب مخاطب ہے کیونکہ قلبی شہادت ہی ایمان بالغیب کی حامل ہوسکتی ہے ۔ قرآن سے ہدایت پانے والوں کے لئے یہی شرطِ اولیں اور یہی اُن کے ارتقاء کا معیار ہے ۔ " هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ --الخ"(سورۃ البقرہ ۔2-3)

اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود کو صرف عقلی حیثیت سے تسلیم کرنا کافی نہیں قرار دیا بلکہ خالق کے ساتھ محبت پیدا کرنے کی تلقین بھی فرمائی ہے ۔ جس کے بغیر محض عقلی بیعت کی بنا، پر انسان ایک جسدِ بے روح کی حیثیت میں رہ جاتا ہے ۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ " وَابْتَغُوٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَتَه "---الخ (سورۃ المآئدۃ۔35) (یعنی اللہ تعالیٰ کو پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو) تقویٰ کے ساتھ ساتھ بموجب آیت " كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ" ۝ (سورۃ التوبۃ۔119)

صحبتِ صادقین کی برکت سے عشق و محبتِ الٰہی کا صحیح اور قریب ترین راستہ معلوم کیا جاسکتا ہے ورنہ ایک غیر مربوط انسان کو ہزارہا خطرات ، صدہا وساوس اور بیسیوں حوادث بہت جلد گمراہ کرسکتے ہیں ۔ " بیعت " شیخ کے واسطہ

سے عبد و معبود کے درمیان ایک رشتۂ محبت قائم کرنے والا ذریعہ ہے ۔ اور یہ ایسا وسیلہ ہے جس سے قالبِ بے جان میں حقیقی زندگی حاصل ہوسکتی ہے ۔ اِسی لئے دورِ نبوت میں بھی بیعت کا عمل جاری تھا اور دورِ ولایت میں بھی ۔ تا ایں دم بفضلِ خدائے تعالیٰ جاری ہے ۔ اور تا قیامت جاری رہے گا ۔

دیں نہ گردد پختہ بے آدابِ عشق ** دیں بگیر از صحبتِ اربابِ عشق (اقبالؒ)

آیات و احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ دنیا میں جب صالحین و راشدین کا وجود ختم ہوجائے گا تو سمجھ لوکہ وہی وقت وقوعِ قیامت کا ہے ۔

حاصلِ کلام یہ کہ امامنا علیہ السلام کی تعلیمات مثلاً طلبِ دیدارِ خدا، ترکِ دنیا، توکل، ذکرِ کثیر، صحبتِ صادقاں، عزلت، ہجرت وغیرہ امور فی الحقیقت عشق و محبتِ الٰہی کے لوازم ہیں اور ہر عاشق کو خواہ وہ کسی کا عاشق ہو فطرتاً ایسے ہی مسائل کا حامل ہونا لازم ہے۔ اور از خود اس میں یہ کیفیات پیدا ہوتی جاتی ہیں بشرطیکہ عشق کی لو پیدا ہوچکی ہو۔ یہ ایسی بات ہے کی جس کو ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے اس لئے مزید تشریح ہم موجبِ طوالت سمجھتے ہیں۔

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل | یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردان خود آگاہ و خدا مست | یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات (اقبالؔ

****

فرائضِ ولایت

حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام کی خصوصیات کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا اور جو کچھ آگے بیان ہوگا اس سے یہ ثابت ہے کہ آپؑ خلیفۃ اللہ ، مامور من اللہ ہیں ۔آپؑ کی تصدیق فرضِ شرعی ہے۔ اس لحاظ سے آپؑ نے جن احکام کو منجانب اللہ فرض قرار دیا ہو وہ سب احکام لازماً فرائضِ ولایت ہیں اور احکامِ شرعیہ کے مماثل ہیں۔

اس کے علاوہ جب کوئی حکم اصولِ دین (کتاب اللہ ، سنتِ رسول اللہ ، اجماع ، قیاس) سے کسی ایک اصل کے تحت ثابت ہو جاتا ہے تو اس کا شمار احکامِ شرعیہ میں ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی امامنا علیہ السلام کے احکام ، فرائضِ شرعیہ کے مماثل ہیں کیونکہ آپؑ نے کتاب اللہ و احادیثِ رسول اللہ سے بھی اُن احکام کی فرضیت ثابت فرمائی ہے۔

اب یہ بحث کہ جن مسائل کو ائمہ مجتہدین نے مستحب قرار دیا ہو اُن کو فرض قرار دینے سے ؎ اختلافاتِ کثیرہ موجود ہیں۔ اکثر مسائل کسی کے پاس فرض ہیں، کسی کے پاس سنت ، کسی کے پاس مستحب جب کہ اس اختلاف سے نسخ لازم نہیں آتا ہے تو احکامِ فرائض مہدی ءِ موعودؑ سے نسخ کا لزوم کیسے صحیح ہو سکے گا درانحالانکہ مہدی ءِ موعودؑ کا حکم ، احکامِ مجتہدین کے بہ نسبت زیادہ موجبِ تعمیل ہے کیونکہ مہدی ءِ موعودؑ ، معصوم عن الخطا ، خلیفۃ اللہ مخبرِ صادق ہیں۔ اسی لئے امام شعرانی نے بیان کیا ہے کہ :-

فیطبل فی عصرہ التعبید بالعمل بقول من قبلہ من المذاھب۔۔الخ

؎ قرار دینے سے نسخ لازم آئے گا صحیح نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ خود ائمہ کے مسائل میں اختلافات

ترجمہ :- (جب مہدی علیہ السلام کی بعثت ہو جائے گی تو) آپؑ کے زمانے میں آپؑ سے پہلے کے سارے مذاہب (ائمہ و علماء) کی تعبید بالعمل باطل ہو جائے گی۔۔ الخ

بعض لوگ شریعت و طریقت کو دین میں تفریق اور "اِنَّ الّدِیْنَ عِنْدَاللہِ الْاِسْلَامْ" کے مغائر سمجھتے ہیں حالانکہ اُن دونوں کی اصل کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ ہے۔ حق تو یہ ہے کہ وہ طریقت ہی کیا؟ جو شریعت کے خلاف ہو جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے اس امر کو واضح کیا ہے۔ فی الاصل یہ ایک سے ایک اعلیٰ صورت ہے جس طرح کے اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں نظامِ تعلیمات میں پائی جاتی ہیں۔

تفسیر، فقہ، کلام وغیرہ سب کا موضوعِ بحث قرآن تو ہے لیکن ہر ایک کے اصول اور ہر ایک کا اندازِ بحث جدا جدا ہے۔ اس نوعی جدائی کو فی الاصل تفریق نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ہر ایک کے مسائل و لوازم اپنی اپنی خصوصیات کے حامل ہیں۔ اس طرح کہ ایک دوسرے کے مدد و معاون ہیں۔ جس سے احکام و تعلیم کی تکمیل اور "تعمیلِ تامہ" کا مفاد حاصل ہوتا ہے۔

حکومت کے مختلف شعبوں کے آئین و قوانین، بلحاظِ ضروریات، جدا جدا ہوتے ہیں۔ فوجداری کے مسائل میں مالگزاری کے قوانین سے استدلال بے محل اور غیر متعلق قرار دیا جائے گا۔ دارالقضا کے قوانین کا استعمال بلدیہ کے زیرِ بحث مسائل میں صحیح نہ ہو سکے گا۔۔ ہر ایک کی بجائے خود منفردانہ خصوصیات کے باوجود سب کا تعلق اسی نظامِ حکومت سے ہے جس سے یہ منسلک ہیں بلکہ مذکورہ مثالوں میں نسبتہً ایک سے دوسرے میں بہت کچھ فرق نمایاں ہے لیکن مسائلِ طریقت کے لئے تو شریعت کی استمداد و استعانت لازم ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے

ان دونوں میں تفریق نہیں ہے۔ البتہ ہر ایک کے مسائل کی بحث میں اسی کی خصوصیات و لوازم اور اسی کے اصول سے استدلال کیا جاتا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے بعض وقت بادی النظر میں "تفریق" کا گمان پیدا ہوجاتا ہے جو صحیح قیاس پر مبنی نہیں۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے معاشی و سیاسی معاملات اور قلب و باطن کی پاکی، خلوص، خشوع و خضوع، دیانت وغیرہ تمام اُمور، انسان کے اوصاف اور معاشرتی لوازم کو منتظم کرتے اور اعلیٰ تہذیب کی طرف انسانیت کی رہبری کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان مسائل میں باطنی حیثیات بھی موجود ہیں اور یہ سب کے سب اتباعِ شریعت و حجتِ خدا و رسول میں داخل ہیں۔ لیکن ان سب کے ہوتے ہوئے لقائے محبوب کی طلب و جستجو اور اس کے عشق کی لو کا دل میں پیدا ہونا اور طلب کے حصول کے لئے اربابِ معرفت کی صحبت میں عملِ صالح پر کاربند ہونا۔ احوال و مقامات کا حاصل ہونا یہ ایسے باطنی امور ہیں جن پر باطن کا لفظ فی الحقیقت اپنے مفہومِ تام کے ساتھ صادق آتا ہے۔

حاصل یہ کہ اس اصطلاحی ظاہر و باطن کے مسائل بجائے خود اپنی اپنی ضروریات و خصوصیات کے حامل ہیں جن میں تفریق کی نوعیت بتاین کی حیثیت سے نہیں قائم کی جاسکتی۔ بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ باطن کے مسائلِ ظواہر کو انسانیت کے اعلیٰ مراتب اور اشرف المخلوقات کی حیثیت عطا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مخلوقات میں ملٰئکہ بھی ہیں اس لئے اشرف المخلوقات کا مفہوم اسی وقت مکمل ہوسکتا ہے جب کہ انسانیت، ملٰئکہ کی لطافت اور اُن کے شرفِ قربِ الٰہی پر اشرف ہو۔!!!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَلَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ (سورۃ العنکبوت۔45)

ترجمہ :- بے شک نماز برائیوں اور ممنوعات سے روکتی ہے اور البتہ اللہ کا ذکر بہت ہی بڑا ہے۔

نماز اور اس کی غرض و غایت کے بیان کے بعد نہایت مختصر اور بے انتہا بلیغ انداز میں فرمایا ہے کہ :-

" وَلَذِکۡرُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ " اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین تو ایک ہی ہے۔" اِنَّ الّذین عنداللہ الاسلام" اور یہ اسلام ساری نسانی دنیا کے لئے تمام انسانی ضروریات کا حامل ہے۔ جو لوگ دنیا کی سیاسی معاشی تنظیم چاہتے ہیں اُن کی بھی رہبری کرتا ہے جو لوگ انسانی تہذیب اور عبادات و اذکار کا ذوق رکھتے ہوں اس کی تعلیم بھی اسی دینِ اسلام میں موجود ہے۔ جو لوگ لقاءاللہ چاہتے ہوں اُن کی رہبری بھی یہی اسلام کرتا ہے۔ اسلام ایک مکمل دین ہے جس میں اعلیٰ ترین مراتب تک ارتقاء کا سامان پایا جاتا ہے۔ پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ باطن کے مسائل اسلام سے الگ ہیں یا شریعت و طریقت میں تفریق و تباین ہے۔!!!

حاصل یہ کہ فرائضِ ولایت بھی احکامِ شرعیہ کے مماثل ہیں اور یہ علمائے اصول و فقہاء و متکلمین کے مستخرجہ احکامِ کلیہ اور اُن کے معینہ اصول کی فروع سے مطابقت بھی رکھتے ہیں۔

توضیح روایات دربیان طلبِ دیدارِ خدا :- اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان واعتقاد کے بعد اس کی طلب پیدا ہونا ایک فطری لازمہ ہے۔ انسان کی نفسیات کا علم رکھنے والے اس بات سے انکار نہ کرسکیں گے کے ہر انسان میں ذوقِ طلب کا جذبہ فطرۃً موجود ہے۔ جس کی وجہ صدہا ہزارہا مقاصد دورانِ عمر میں حاصل ہوتے جاتے ہیں لیکن ذوقِ طلب میں فرق نہیں آتا۔ مطمئن ہونے نہیں پاتا۔ بڑی بڑی سندیں حاصل

کرنے کے لئے نہایت انہماک و محنت کے ساتھ کوشش کئے جاتا ہے۔ جب یہ حاصل ہو جائیں تو طلب کا جذبہ ختم نہیں ہو جاتا۔ بڑے بڑے عہدے، عز و جاہ، دولت و ثروت، اہل و عیال کی طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ حاصل ہو جائیں تو پھر کسی نہ کسی طلب کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہزاروں مقاصد حاصل ہوتے چلے جاتے ہیں پھر بھی تشنگیِ طلب موجود۔ سکون و اطمینان ندارد۔

اس ناقابل انکارِ حقیقت پر غور کرنا چاہیئے کہ آخر انسان کے لئے وہ کونسا مقصد ہے جس کے حاصل ہوجانے کے بعد جذبۂ طلب اتنا سیر ہو جائے کہ پھر کسی دوسری طلب کی ضرورت ہی نہ رہے۔ سکون و اطمینانِ قلب نصیب ہوجائے۔ قرآنِ مجید کے اس مضمون پر غور کرنے کی ضرورت ہے جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ازل ہی میں ہم سے کیا جواب لیا گیا تھا۔ " اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰیۛ " (سورۃ الاعراف۔ 172) یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ (بے شک تو ہی ہمارا رب ہے) اس سے ظاہر ہے کہ ہم ازل ہی میں اس ربوبیت کا اقرار کرچکے ہیں۔

اس جہان میں آنے کے بعد انسان میں ذوقِ طلب کا پایا جانا اور دنیا کا کسی بڑے سے بڑا فائدہ حاصل ہوجانے کے باوجود سکون واطمینانِ قلب کا نصیب نہ ہونا اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ اس طلب کا اصل تعلق اسی ربوبیت سے ہونا چاہیئے جس کا ہم اقرار کرچکے ہیں مگر عقل کی غلط رہبری اور گمراہ ماحول کے اثرات نے زیادہ تر انسانوں کو غیراللہ کا پرستار بنادیا۔ اور ایسے ہزاروں اسبابِ پرستش پیدا ہوگئے۔ خواہ کسی کی پرستش کی طرف مائل ہوجائیں لیکن کسی قابلِ پرستش و قابلِ عبادت وجود کی طلب و جستجو کا فطری میلان تو پایا جا رہا ہے۔۔۔ جو لوگ منکرینِ خدا ہیں ان سے نظامِ کائنات کے اسباب و علل پر بحث کی جائے تو وہ بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں کہ

ایک طاقت ضرور ہے جو اس نظامِ کائنات کی علت العلل ہے۔ گویا یہ "اللہ" کے منکر ہیں لیکن اس لفظ کے مفہوم کو ماننے پر مجبور ہیں اس لئے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی خدا کا منکر نہیں۔ اصطلاحات و تصورات کا فرق ہے۔ جس کی وجہ اعتقادات و عملیات میں بھی بہت بڑا فرق واقع ہوگیا ہے۔ اسی لئے قرآنِ مجید میں مذکور ہے کہ :-

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ۔۔۔الخ۝(سورۃ الزخرف۔87) یعنی اور اگر تم اُن سے پوچھو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ "اللہ"۔

غرض انسان میں جو ذوقِ طلب موجود ہے اس کو اسی خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف رجوع کیا جائے جس کی وجہ ایسا سکون واطمینان نصیب ہو سکتا ہے کہ غیر اللہ کی طلب کا ذوق ہی نہیں رہنے پاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ۝27 ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً۝ 28 فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ۝29
وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ۝30 (سورۃ الفجر۔27،28،29،30)

ترجمہ :- اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی برضا بن کر رجوع ہوجا۔ اپنے خدا کے بندوں میں شامل ہو اور جنتِ دیدار میں داخل ہوجا۔

انسان جس طرح نفع بخش و محفوظ کن محسوسات سے محبت رکھتا ہے اسی طرح اُن ماورائے محسوسات اُمور سے بھی محبت کرتا ہے جن کے فضل و کمال کا علم ہوجائے۔ رستم کو اگرچہ دیکھا نہیں لیکن اس کے کمالِ طاقت اور کمالِ شجاعت کا آج بھی علم ہوتا ہے تو اس کی قدر و محبت کا میلان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر شخص تسلیم کرے گا کہ کسی کے فضل وکمال کا ذکر ہو تو اس کی تعریف وتوصیف اور اظہارِ قدر کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اس ذات وحدہ لا شریک کے مظاہرِ قدرت سے جب کہ اس کے کمالِ لایزال کا علم ہوجائے لازماً محبت

اور اس کے احترام کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان واعتقاد کے بعد اس کی طلب پیدا ہونا ایک فطری لازمہ ہے۔

ہر شخص کی محبت اور طلب کا تعلق اسباب و اغراض کی نوعیتوں کا تابع رہا کرتا ہے۔ ہر ایک کی محبت اور اس کے درجاتِ ایقان کی حیثیت سے محبت کے مراتب بڑھتے جاتے ہیں۔ بعض لوگ صرف ظاہری نظامِ عبادات و معاملات کی حد تک مظاہرۂ محبت واطاعت پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور بعض کے جذباتی عنصر میں اتنا انقلاب پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اُن حدود سے اوپر ترقی چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ عن التشبیہات ہے۔ کوئی تمثیل ممکن نہیں۔ صرف تفہیم کی خاطر ہم یہاں ایک نوعیت کا ذکر کرتے ہیں۔

کسی ملک کی رعایا اپنے حاکم کی حکومت میں زندگی بسر کر رہی ہے وہاں کے قوانین کی پابندی، سزا و جزا کو قبول کرتے ہوئے پوری اطاعت کر رہی ہے۔ اس لحاظ سے وہ سب لوگ مطیع و فرمانبردار رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہی میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے قلوب میں یہ جذبہ موجزن ہوتا ہے کہ بادشاہ کے مقرب و منظورِ نظر بننے کا شرف و اعزاز حاصل کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے امن و امان اور عام اجتماعی سیاسی قوانین کے علاوہ دوسرے طریقے ایسے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں کہ مقربِ بارگاہِ سلطانی بننے میں سہولت حاصل ہو۔ اسی کے ذرائع اور وسائل کی جستجو میں منہمک رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سارے مراحل کے طے ہو جانے کے باوجود، تقرب کا اعزاز عطا ہونے کی درخواست کا منظور ہونا صرف لطف و کرمِ سلطانی کا محتاج رہا کرتا ہے۔

کلمۂ توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اوامر و نواہی سے متعلقہ عام مسائل پر اعتقاد و عمل، مطیعِ خدا و رسول ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس کے باوجود بعض مومنین ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں عرفان اور وصال الی المطلوب کی طلب پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لئے عشق و محبتِ الٰہی کے لوازم اور کاملین صادقین کے فیضِ صحبت اور اُن کی تعلیم و تربیت پر صدقِ دل سے پورے طالبِ صادق کی شان میں عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تمام شرائطِ عشق و محبت کی پابندی کے بعد بھی مقصد کا حاصل ہونا صرف فضلِ الٰہی پر منحصر رہتا ہے اور بس۔

ذَالِکَ فَضۡلُ اللهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَاءُ وَاللهُ ذُوالۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتِ متخیلہ عطا فرمائی ہے۔ اس کی وجہ سے تصورات حاصل ہوا کرتے ہیں جو چیز اس کے سامنے ہو اس کا تصور تو جو اس ظاہریہ کے ذریعہ ہوجاتا ہے لیکن جو سامنے موجود نہ ہو اس کا ذکر کیا جائے اور اس کی خصوصیات و علامات بیان کی جائیں تو ذہن میں بوجہ ما اس چیز کا تصور پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہے۔ مثلاً جنگ کا محاظ ہم نے دیکھا نہیں لیکن وہاں کے حالات اور ہتیاروں کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں تو اُن امور کی نسبت ایک تصور قائم ہوجاتا ہے۔ اگر وہاں کی تصاویر سامنے ہوں تو اس صورت میں جو تصور قائم ہوگا بلحاظ صحت اول الذکر تصور کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہوگا۔ سب سے زیادہ صحیح تصور تو اسی صورت میں ہو سکے گا جب کہ ہم خود جنگ کے محاذ پر پہنچکر بچشمِ خود معائنہ کریں۔ تصور کی اس مجمل گفتگو کے بعد یہ سمجھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں رسولوں اور صحائف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی صفات و خصوصیات سمجھائی گئی ہیں۔ دنیا میں اس کی قدرت کے گوناگوں مظاہرات پر سے اس کے وجود کا یقین پیدا کیا گیا ہے۔ جس کا اقرار اولین شرطِ اسلام قرار دی گئی ہے۔ اس اہتمامِ اقرار کے بعد انسان کے ذہن میں اللہ کے وجود کے متعلق بوجہ ما تصور پیدا ہونا بھی فطری امر ہے۔ یہ تصور جس انسان میں زیادہ سے زیادہ

قریب الصحت ہو گا اقرارِ توحید کے منازل میں اس کا مقام آگے ہو گا۔

بحرالعلوم علامہ شمسی مرحوم نے لکھا ہے :-

"وجود اور صفاتِ باری تعالیٰ چونکہ حکما و صوفیہ کے پاس عینِ ذاتِ باری تعالیٰ ہیں تو محال ہے کہ باری تعالیٰ کا تصور بالکنہ یا بکہنہ ہو سکے مگر تصور بالوجہ و بوجہہ محال نہیں کیونکہ مخلوقات اور ان کے آثار میں غور کرنے سے تصور بالوجہ اور تصور بوجہہ کا حصول ممکن ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں فکر و غور کرنے کا حکم دیا ہے۔ (تنویر الہدایہ 16)

زبان سے کلمۂ توحید کہہ دینے رسول و قرآن پر ایمان لانے اور حقّ المقدور قوانین کا اتباع کر لینے سے داخلِ اسلام تو ہو جاتا ہے لیکن یہ عامیوں کا درجہ ہے۔ دوسری صورت اُن علما و متکلمین و فلاسفہ کی ہے جو دلائل و براہین سے وجودِ باری تعالیٰ ثابت کرتے ہیں۔ تیسری صورت اُن عارفین کی ہے جو استدلالی طریقہ کو ناقص سمجھتے اور دیدار کے طالب ہوتے ہیں۔ گویا علم الیقین سے عین الیقین زیادہ کامل ہے اور اس سے زیادہ حق الیقین کا درجہ ہے۔ امام فخرالدین رازیؒ فرماتے ہیں :-

ان القلوب الصافیۃ مجبولۃ علی حب معرفۃ اللہ علی اکمل الوجوہ و اکمل طوق المعرفۃ ھوالرویۃ

(تفسیرِ کبیر جلد 3 صفحہ 243)

ترجمہ :- بے شک صاف قلوب، اللہ تعالیٰ کی معرفت کامل ترین درجہ پر حاصل کرنے کے لئے فطرۃً مائل ہیں۔ اور معرفت کا کامل ترین طریقہ رویت ہے۔

گفت ایں علم و ہنر گفتم کہ پوست ** گفت حجت چیست؟ گفتم روئے دوست

گفت دین عامیاں ؟ گفتم شنید ** گفت دین عارفاں ؟ گفتم کہ دید (اقبالؒ)

علم سے متعلقہ احکام کے باب میں عشق و علم اور علومِ مکاشفہ و علومِ شرعیہ پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے عقیدۂ شریفہ میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

نیز حکم کردہ است کہ از ہریکے مرد وزن طلبِ دیدارِ خدا فرض است تا آنکہ بچشمِ سر یا بچشمِ دل یا درخواب نہ بیند مومن نباشد مگر طالب صادق۔۔۔الخ

ترجمہ :- نیز امامنا علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ ہر مرد و عورت پر طلبِ دیدارِ خدا فرض ہے۔ چشمِ سر یا چشمِ دل سے یا خواب میں خدا کو جب تک نہ دیکھے مومن نہ ہوگا مگر طالبِ صادق (پر بھی ایمان کا حکم ہے)۔

مومن کی یہ خصوصیت درجاتِ یقین کے اعتبار سے ہے۔ لیکن مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مذہبِ مہدویہ میں بجز دیدارِ خدا کے مومن نہیں ہوسکتا اور مہدویوں پر خوب طعن و تہزو کیا ہے۔ اور دیدارِ خدا کے بارے میں بھی انھوں نے اختلاف کیا ہے اور اس کو مسلماتِ اہلِ سنت کے مغائر قرار دیا ہے۔۔۔۔ناظرین خود محسوس فرمالیں گے کہ یہ غلط الزام ہے۔ کیونکہ فرمانِ مذکور الصدر میں "دیدارِ خدا" کو فرض نہیں کہا گیا ہے بلکہ "طلبِ دیدار" فرض قرار دی گئی ہے اور دیدار پر ایمان کا انحصار بھی نہیں کیا گیا ہے۔ "مگر طالبِ صادق" کے الفاظ اس کے شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ نقلیاتِ میاں عبدالرشیدؓ میں اسی مضمون کی صاف و صریح روایت موجود ہے کہ: "حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا مومنِ حقیقی وہ شخص ہے جو بینا ہو، چشمِ سر سے یا چشمِ دل سے یا خواب میں۔اگر ان تینوں میں سے ایک بینائی بھی حاصل نہ ہو اور پوری طلب رکھتا ہو کہ بینائی روزی ہو تو ایسے مومن پر بھی ایمان کا حکم ہے"۔ ملاحظہ ہو روایت (188)۔

اسی مضمون کی ایک اور توضیحی روایت بیان ہوئی ہے جس میں "ظالم النفسہٖ" مقتصد اور سابق بالخیرات کی تفسیر بیان ہوئی اور جبروتی، ملکوتی، لاہوتی ان تینوں مقامات کے ذکر کے بعد یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں کہ :-

ہریکے ازیں سہ مقام ندارد و طلب و سعی ہم ندارو ماتم نمی کند آں از گروۂ مہدی نباشد از مدعیان و مکذبان ناشد (روایت 223)

اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ دیدارِالٰہی سے مطلق مشرف نہ ہوئے ہوں اُن سے نفسِ ایمان کی نفی نہیں کی گئی ہے مگر افسوس کہ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے یہ الزام عاید کیا ہے کہ جن مہدویوں کو دیدار حاصل نہیں وہ سب کافر ہیں۔ حالانکہ اسی قسم کے احکام کی مثالیں آیات و احادیث میں بھی موجود ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (سورۃ المآئدۃ۔47)

ترجمہ :- اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے جو لوگ اس کا حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں۔

حدیثِ شریف ہے کہ :-

لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عھدلہ۔

ترجمہ :- جس شخص میں امانت نہ ہو اس کو ایمان نہیں ہے جس میں عہد کی پابندی نہ ہو اس کو دین نہیں۔

ایضاً :- المسلم من سلم المسلمون من یدہٖ و لسانہ۔

ترجمہ :- مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ سے اور جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایضاً :- من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر۔

ترجمہ :- جس نے عمداً نماز ترک کی وہ کافر ہوا۔

ایضاً:- لیس بمومن مامن بات شبعاناو جاره جایع۔

ترجمہ :- وہ شخص مومن نہیں جس کا ہمسایہ بھوکا ہو اور خود پیٹ بھر کھاکر رات گزارے۔

ایسی بہت ساری مثالیں ہیں ۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ان احکام کی اتباع جن مسلمانوں میں نہ پائی جائے وہ مسلمان و مومن نہیں کہلائے جاسکتے ؟ اس کا جو کچھ جواب ہو گا وہی ہمارا جواب ہے ۔

اللہ کا دیدا چشمِ سر یا چشمِ دل سے یا خواب میں ہونے کے بارے میں مہدویہ کا جو مسلک ہے وہ بھی مسلماتِ اہلِ سنت کے مغائر نہیں ہم اس کی بھی مختصراً توضیح دیتے ہیں ۔

شرح مواقف جو علم کلام کی مشہور کتاب ہے اس میں دیدار کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے :-

اجتمعت الائمة من اصحابنا علیٰ ان رویةالله تعالیٰ فی الدنیا و الأخرة جائزة عقلاً واختلفوا فی جوازها سمعا فی الدنیا فاثبة بعضهم و نفاه اٰخرون۔

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کی رویت ، دنیا و آخرت میں عقلاً جائز ہونے پر ہمارے ائمہؒ کا اجماع ہے۔ اور بہ اعتبارِ نقل دنیا میں جائز ہونے پر اختلاف ہے۔ بعض نے دنیا میں دیدار ہونے کو ثابت کیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے ۔

اور شرح عقاید میں لکھا ہے کہ :-

هٰذا مشعر بامکان الروية فی الدنیا ۔ یعنے یہ اشارہ ہے اس بات کا کہ دنیا میں رویت ممکن ہے ۔

اور علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں ذکر کیا ہے کہ :-

اما الاجماع فاتفاق الامة قبل حدوث المخالفین علیٰ وقوع الرویة

ترجمہ :- مخالفین پیدا ہونے کے پہلے امتِ محمدیہؐ نے وقوعِ رویت پر اتفاق کیا ہے۔

ایضاً :- حتی روی حدیث الرویة احدو عشرون رجلاً من کبارالصحابة رضی اللہ عنھم۔

ترجمہ :- رویت کی حدیث اکیس جلیل القدر صحابیوں سے مروی ہے۔

قرآنِ مجید میں دیدارِالٰہی سے متعلق جو آیتیں ہیں ان میں سے ہم یہاں صرف ایک آیت کی بحث پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ ایسی آیت ہے کہ جس پر معرکتہ الآرا بحثیں ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَاللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (سورة الانعام-103)

ترجمہ :- ابصار اس کا (اللہ تعالیٰ کا) ادراک نہیں کرسکتے اور وہ ابصار کا ادراک کرتا ہے اور وہ لطیف خبیر ہے۔

بعض جماعتوں نے اس آیۂ شریفہ سے نفیِ رویت پر استدلال کیا ہے اور مفسرینِ اہلِ سنت نے اس سے دیدارِالٰہی کا ثبوت بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام فخرالدین رازیؒ نے تفصیلاً بحث کرتے ہوئے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اس آیت سے دیدارِالٰہی کی نفی نہیں بلکہ تائید ہوتی ہے۔

واضح ہوکہ کسی شئے کو دیکھنے کی عموماً دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ شئے کا جتنا حصہ نظر کے مقابل ہو اتنا ہی دیکھا جاسکے۔ دوسری یہ کہ شئے کہ سارے اطراف و جوانب بہ یک نظر دیکھ سکیں۔ اس لحاظ سے رویت کی دو قسمیں ہوئیں۔ (1) رویتِ لامع الاحاطہ (2) رویت مع الاحاطہ۔ دوسری صورت کو ادراک کہتے ہیں۔۔ اس توضیح سے ظاہر ہے کہ آیۂ شریفہ میں ادراک کی نفی کی گئی ہے جو بالکل درست ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے حد و نہایت

ہے اس لئے اس ذات کا ادراک یعنی اس کی رویت معالاحاطہ یقیناً ممتنع ہے۔اِسی لئے ادراک کی نفی کی گئی ہے لیکن اس ادراک کی نفی سے نفسِ رویت کی نفی کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔اس کے قطع نظر نفیِ رویت پر دلالت کرنے والی صاف و صریح کوئی آیت قرآنِ مجید میں موجود ہی نہیں ہے۔امام موصوف کا استدلال ملاحظہ ہو:۔

فنقول المرئی اذا کان له حدونهایة و ادرکه البصر بجمیع حدوه و جوانبه و نهایاته کان ذالک الابصار احاط به فتسمتی هٰذه الرویة اراکا۔ امااذالم یحط البصر بجوانب المولیٰ لم تسم تلک الرویة ادرکا۔ فالحاصل ان الرویة جنس تحتها نوعان رویة مع الاحاطه و رویة لا مع الاحاطه۔والرویة مع الاحاطة

هوالمسماة بالادراک فنفی نوع واحد من نوعی الرویة۔ و نفی النوع لا یوجب نفی الجنس فلم یلزم من نفی الادرا عن الله نفی الرویة من الله فهذا وجه حسن مقبول فی الاعتراض علیٰ کلام الخصم (تفسیرِ کبیر الجزءالرابع صفحه 170)

ترجمہ :- ہمارا استدلال یہ ہے کہ جب کوئی شئے محدود ہو اور اس کے پورے حدود و جوانب و نہایات کا بصر نے ادراک کرلیا ہو تو گویا بصر نے شئے کا احاطہ کرلیا۔ایسی رویت کو ادراک کہتے ہیں۔۔ لیکن اگر بصر شئے نے شئی کے پورے جوانب کا احاطہ نہ کیا تو ایسی رویت کو ادراک نہیں کہا جاتا۔حاصل یہ کہ رویت جنس ہے جس کے تحت دو نوع ہیں۔ایک رویت مع الاحاطہ۔دوسری رویت لا مع الاحاطہ۔اور رویتِ مع الاحاطہ کو ادراک کہا جاتا ہے۔پس نفیِ ادراک سے دو نوعوں میں صرف ایک نوع کی نفی متعین ہوچکی۔اور قاعدہ یہ ہے کہ نوع کی نفی سے جنس کی نفی لازم نہیں آتی۔پس ادراک اللہ کی نفی سے "رویة الله" کی نفی نہیں لازم آتی اور یہ دلیل خصم کے اعتراض کے جواب میں اچھی و مقبول ہے۔

علماء پر مخفی نہیں کہ تمام اکابرِاہلِ سنت ، بلا اختلاف نفسِ مسئلہ دیدارِالٰہی کے قائل ہیں اور آخرت میں دیدار سے مشرف ہونے کے بارے میں بھی سب متفق و معتقد ہیں۔البتہ بعض کو اختلاف ہے تو دنیا میں دیدارِ الٰہی کے

شرف کے بارے میں ہے۔۔ لیکن یہ بھی کوئی ایسا مشکل امر نہیں کیونکہ جو خدائے قدیر جس طرح قیامت میں جن مومنین کو دیدار سے مشرف ہونے کے قابل نظر عطا فرمانے کی قدرت رکھتا ہے وہی خدا اس دنیا میں بھی ایسی نظر عطا کرنے سے ہرگز عاجز نہیں۔!!!

امام محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں :-

فعلم انه کلما جازوقوعه فی المنادوفی الدار الآخرة جازو قوعه و تعجیله لمن شاء فی الیقظة و الحیٰوة الدنیا۔(فتوحاتِ مکیه باب 64)

ترجمہ :- معلوم ہوا کہ جب دیدار کا وقوع، خواب میں اور آخرت میں جائز ہے تو جس شخص کو اللہ چاہے بیداری اور اس زندگانی، دنیا میں بھی اس کے لئے دیدار کا وقوع جائز ہے۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

ان الله اجتجب عن القلوب کما اجتجب عن الابصار فان اوقع تجلیا فابصرو الفوا دو احد

(عرایس البیان)

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ جس طرح آنکھوں سے حجاب میں ہے اسی طرح قلوب سے بھی حجاب میں ہے۔ پس اگر وہ اپنی تجلی ڈالے تو پھر آنکھ اور دل دونوں ایک ہیں۔

حضرت جامیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

دیدِ محمدؐ نه بچشمِ دگر *** بلکه همین چشمِ سر و چشمِ سر

حضرت خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک کتاب کی شرح لکھی ہے جس کا نام "آداب المریدین" ہے۔ اس میں دیدار سے متعلق یہ لکھا گیا ہے :-

واجماع صوفیان است کہ خدائے تعالیٰ بدیں چشمے کہ برروئے است ایں صدقہ کہ ہست و روشنائی کہ دریں حدقہ کہ ہست ہمبریں روشنائی کہ خدائے را خواہنددید۔۔۔من کہ محمد حسینی ام می گویم کہ خدائے را بزرگاں باشند کہ ہم دردنیا بچشمِ دل بینند۔۔۔۔۔ثابت شد کہ طالب صادق و مشتاق واثقِ جمالِ حضرت سبحانہ وتعالیٰ بلا کیف و کیفیتہ دردنیا بیند۔

(آداب المریدین)

ترجمہ :- یعنی اس بات پر صوفیوں کا اجماع ہے کہ ان آنکھوں سے جو کہ چہرہ پر ہیں اور انھیں حدقوں سے کہ جن میں روشنائی ہے اسی روشنائی سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں ۔ میں جو کہ محمد حسینی ہوں کہتا ہوں کہ ایسے بزرگ بندے بھی ہیں کہ جنھوں نے اس دنیا میں خدا کو چشمِ دل سے دیکھا ہے ۔ (اس کے بعد آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ) ثابت ہے کہ طالبِ صادق اور مشتاق واثق حضرت سبحانہٗ تعالیٰ کے جمال کو اس دنیا میں دیکھ سکتا ہے ۔

آدمی دید است باقی پوست است ** دید آں باشد کہ دید دوست است

(مولانا رومؒ)

اس مختصر بحث سے ظاہر ہوچکا کہ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے دیدارِ الٰہی کے بارے میں مہدویہ کے مسلک کو مسلماتِ اہلِ سنت سے مغائر قرار دینے کی جو کوشش کی بہر جہت غلط ہے ۔ البتہ بات صرف اتنی سی ہے کہ طلبِ دیدارِ خدا کی فرضیت ، اہلِ سنت میں متعارف نہیں تھی حضرت امامنا علیہ السلام نے بحکمِ خدا فرض قرار دیا ہے اور اس

کے مزید ثبوت کے طور پر قرآنِ مجید کی آیات بھی بیان فرمائی ہیں۔۔ یہاں ایک شرعی ضابطہ پیشِ نظر رکھنا کافی ہے ۔وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جس امر کا حکم دے اور جس امر سے منع کرے اور اس کی خلاف ورزی کی سزا دوزخ قرار دے تو اس حکم کی اتباع کرنا اور اوامر ممنوع کو ترک کرنا فرض ہوگا۔ بحرالعلوم علامہ شمسی مرحوم نے اس ضابطہ پر تنویر الہدایہ میں بحث کی ہے :-

اللہ تعالیٰ دیدار سے متعلق فرماتا ہے :-

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (سورۃ الکهف۔110)

ترجمہ :- جو شخص اپنے رب کی لقاء (دیدار) کا امیدوار ہو تو وہ عملِ صالح (ترکِ دنیا وترکِ شرک) کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

"لقاء" کے معنوں میں بھی علماء نے بہت بحث کی ہے۔ بعض نے "ثواب" اور بعض نے "رجوع الی اللہ" مراد لی ہے۔ اصل یہ ہے کہ علمائے متقدمین متکلمین کے زمانے میں یونانی فلسفہ کی عالمِ اسلام میں شہرت ہو چکی تھی۔ اور غیر مسلم علماء کی طرف سے انہیں اصول پر اعتراضات کئے جارہے تھے۔ اس لئے علماء کا زیادہ وقت انہیں مباحث میں گزر رہا تھا۔ اور فلسفہ کی عام مقبولیت کی وجہ علمائے معقول نے یہ دعویٰ کر دیا کہ شرائع انبیاء علیہم السلام فلسفہ سے بالکل مطابق ہیں۔ اس دعویٰ کی بناء پر ان کے لئے لازم ہوگیا کہ مسائلِ شرعیہ کو مباحثِ فلسفہ سے مطابق کریں اس کام کے لئے انھیں شرائع الہیہ میں ہزاروں تاویلیں کرنی پڑیں دیدارِ الٰہی کے بارے میں معتزلہ وغیرہ کے اختلاف کی بھی یہی وجہ ہے کہ شرائطِ رویت جو فلسفہ میں مذکور ہیں اُن کے لحاظ سے رویتِ باری تعالیٰ کو اگر ممکن و جائز قرار دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم اور لوازم ہونا لازم آئے گا جو صحیح نہیں۔ اس لئے

انھوں نے کمالِ تنزیہ کے نظر کرتے امکانِ رویتِ باری تعالیٰ سے انکار کیا۔ اور رویت سے متعلقہ آیتوں کے الفاظ میں تاویلات کی تکلیف اٹھائی۔ اگرچہ اشاعرہ نے معتزلہ کے رد کی کوشش کی ہے لیکن ان کے بعض استدلالات بھی لغزش سے بری نہیں ہیں۔ ان سب خرابیوں کی علت وہی فلسفہ سے مطابق کرنے کی کوشش ہے۔

علمائے علم معقول میں ایک مشہور فلسفی ابنِ رشد بھی ہیں ۔رویتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ان کے خیالات بھی ملاحظہ ہوں جسے علامہ شمسی مرحوم نے "تنویر الہدایہ" میں بیان کئے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو نور سے موصوف کیا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ اللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اور نور ایسا ہے کہ ادنیٰ و اعلیٰ اس کو محوس سمجھتے ہیں۔ اور اس کو اشرف محوسات جانتے ہیں بلکہ نور کی وجہ سے دوسری چیزوں کا بھی ادراک کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نور رکھا ہے اور نور کی جہت سے سب قسم کی اشیا کی رویت ہوتی ہے تو اسی نور ہونے کی جہت سے اللہ تعالیٰ کی ذات بھی جائزالرویت ہوگی اور جو جائزالرویت ہو اس کی طلب محال نہیں ۔ پس معتزلہ کے سارے اعتراضات جن کی بناء اصولِ عقلیہ پر ہے اور جن کا منشاء کمالِ تنزیہ ہے اس تقریر سے اٹھ گئے اور اشاعرہ کے ان تاویلات کی بھی ضرورت نہ رہی جو توجیہ و تاویلِ آیت " لَنۡ تَرَانِیۡ " 1 میں پیش کرتے ہیں۔ (تنویر الہدایہ صفحہ 138)

اس کے علاوہ جب کہ تمام فلاسفہ اس امر میں متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات " مادی جسم اور لوازم " سے بری ہے تو رویتِ باری تعالیٰ کے بارے میں رویت کی ان شرائط کی بحث ہی بے سود ہے جو مادی جسم اور اس کے لوازم

1۔ آئیہ " لَنۡ تَرَانِیۡ " یہ ہجرتِ باطنی کے بیان میں بحث کی گئی ہے ملاحظہ ہو ___ حصہ توضیحات۔

سے تعلق رکھتی ہیں ورنہ یہ قیاس مع الفارق کے حکم میں ہوگا جس کا نتیجہ ثبوت کبھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ "لقاء" کے لغوی معنی "دیدار" کو چھوڑ دینا اور محض مادی جسم کی شرائطِ رویت کو پیشِ نظر رکھ کر بے جا تاویلات میں مبتلا ہونا درست نہیں۔ اسی لئے امامِ رازیؒ نے ضرار بن عمرو الکوفی کا بیان نقل کیا ہے کہ :-

وانما یری بحاسة مادمة یخلقها الله تعالٰی بالبصر (تفسیر کبیر الرابع 171)

ترجمہ :- بے شک ایک چھٹی قوتِ حاسہ کے ذریعہ (اللہ تعالیٰ کی) رویت حاصل ہوگی جسے اللہ بصر میں پیدا فرما دیگا۔

آگے چل کر امام رازیؒ نے بعض لوگوں کے اس خیال کی کہ "اہلِ جنت" قربت کی وجہ دیدار سے مشرف اور اہلِ نار دوری کی وجہ محروم رہتے ہیں تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

بل لا ته یخلق الرویة فی عیون اهل الجنة ولا یخلقها فی عیون اهل النار (جلد رابع 173)

ترجمہ :- بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کی آنکھوں مٰیں رویت کی صلاحیت پیدا فرماتا ہے اور اہلِ دوزخ کی آنکھوں میں نہیں پیدا فرماتا۔

فرض جو حکمِ قرآنِ مجید اور حدیثِ متواتر سے ثابت ہو عام از یں کہ وہ تنزیہی ہو یا تشبیہی اس پر ایمان لانا فرض ہے خواہ ہماری عقل اس کے معنی دریافت کرسکے یا دریافت سے قاصر رہے۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں ** عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

(اقبالؒ)

پس عشق کا اقتضاء احکام کی تقلید کے سوائے کچھ نہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ " لقاء " کے معنی " دیدار " ہیں اس کے سوائے دوسرے معانی بیان کرنا تاویلاتِ بعیدہ ہیں اسی لئے آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں امام فخرالدین رازیؒ لکھتے ہیں :-

واصحابنا حملوا القاء الرب علی رویة (تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 761

ترجمہ :- یعنے ہمارے ساتھیوں نے لقائے رب کو رویت پر محمول کیا ہے۔

صاحبِ بیضاوی نے لکھا ہے کہ :-

یامل حسن لقاءله (جلد 1 صفحہ 55)

ترجمہ :- یعنے اللہ کا حسن لقاء کا آرزو مند ہے۔

اس کے علاوہ ایسی آیت بھی ملتی ہے جس میں دیدار کی آرزو نہ کرنے والے کا ٹھکانہ دوزخ قرار دیا گیا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝

(سورۃ یونس-7)

ترجمہ :- جو لوگ ہمارے لقاء (دیدار) کی امید نہیں رکھتے اور حیاتِ دنیا سے خوش ہوگئے اور اسی پر مطمئن ہوگئے

اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں اُن سب کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔

امام فخرالدین رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :-

واعلم ان حل فرجا علی الخوف بعید لان تفسیر الغد بالھند غیر جالزولا مقع ھیا من حل ارجفاء علیٰ ظاہرہ الجۃ (تفسیر کبیر جلد 4 صفحہ 502)

ترجمہ :- واضح ہو کہ رجاء کا خوف پر محمول کرنا بعید ہے کیونکہ ضد کی تفسیر ضد سے کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہاں رجاء کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ دیدارِالٰہی کی امید نہ رکھنے اور حیاتِ دنیا سے خوش و مطمئن ہو جانے کی سزا دوزخ قرار دی گئی ہے لہٰذا طلبِ دیدارِ خدا کو فرض تسلیم کرنا ہوگا۔ اس بحث کے قطعِ نظر جب کہ مہدیِ موعودؑ خلیفۃ اللہ، مامور من اللہ ہیں اور کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کی پیروی تعلیمِ بلاواسطہ سے کرتے ہیں جس کا بیان روایت ۹ اور ۱۰ کی توضیح میں کیا جاچکا ہے ملاحظہ ہو۔ اس لحاظ سے آپؑ جس امر کو فرض قرار دیں گے واجب العتقاد والعمل ہوگا۔

روایت (227) ملاحظہ ہو کہ حضرت امامنا علیہ السلام نے فرمایا بندہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے قدم بقدم چلتا آیا ہے اور بینائیِ چشمِ سر و بینائیِ چشمِ دل میں آنحضرتؐ کی پوری پوری متابعت رکھتا ہے اور چشمِ سر و چشمِ دل کی اطلاقیت اس درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ) ایک ایک رونگٹا آئینہ و چشم بن چکا ہے۔ اور آپؑ کے صحابی حضرت سید خوندمیرؓ نے ایک دفعہ فرمایا :- اللہ تعالیٰ نے بندہ کے ایک ایک بال کو دو دو آنکھیں عنایت کیں جن سے میں نے خدا کو دیکھا۔ اسی لئے امامنا علیہ السلام نے آپؓ کو یہ بشارت بھی دی کہ " برادرم سید خوندمیر فنا فی اللہ شدہ بہ بقا باللہ رسیدند" فنا فی اللہ رویتِ چشمِ سر ہے اور بقا باللہ "موبمو" درائے موبمو" اس سے ظاہر ہے کہ رویت کی دو قسم ہیں۔ اگر بلاوسطہ ہو تو وہ رویت، مطلقہ ہے اگر بالواسطہ ہو تو مقیدہ۔

رویتِ مطلقہ، ناظرِ تجلیِ ذات کو حاصل ہوتی ہے اور وہی مسلمانِ تام ہے۔ اسی لئے مہدویہ کے پاس ثابت ہے کہ ناظرانِ تجلیِ ذات اور مسلمانانِ تام خاتمین علیہم السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا :-

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(سورۃ یوسف۔ 108)

ترجمہ :- کہدے (اے محمدؐ) یہ میرا راستہ ہے۔ اللہ کی طرف بصیرۃ (دیدار) پر میں بلاتا ہوں اور وہ شخص بھی بلائے گا جو میرا تابع (تام) ہے اور سبحان اللہ ہم دونوں مشرک نہیں ہیں۔

اس آیت میں لفظِ " انا " سے مراد ذاتِ رسول اللہ ﷺ اور " مَنِ اتَّبَعَنِیْ " سے مراد ذاتِ مہدی ءِموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ چونکہ ان حضراتؑ کی رویت میں اصطلاحی شرک کا بھی شائبہ نہیں رہا ہے اس لئے "سُبْحَانَ اللہِ وَمَا اَنَامِنَ الْمُشْرِکِیْنَ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جو مسلمانِ تام ہونے پر ہدایۃً دلالت کررہے ہیں۔ خاتمین علیہما السلام کے سوائے جن صحابہؓ کے حق میں مسلمانِ تام۔ فنائے تام۔ ناظرِ تجلیِ ذات کی بشارت پائی جائے وہ بشارت، بصدقہ خاتم ولایتِ محمدیہؐ خاص مرتبہ کی حال ہوگی۔ باقی جتنے ناظرین صفاتی ہیں۔ ان پر رویتِ مقیدہ کا اطلاق ہوگا جو بالواسطہ ہوا کرتی ہے۔

امامنا علیہ السلام نے یہ جو فرمایا" ہر کہ خدائے را مقید بیند مشرک است " یہاں شرکِ شرعی نہیں بلکہ اصطلاحی شرک مراد ہے۔ صوفیۂ محققین کے پاس بھی یہ نوعیت مسلم ہے ان کی اصطلاح میں یہ ایسا شرک ہے جسے شرفِ رویت، باری تعالیٰ حاصل رہتا ہے۔ مگر یہ رویت بلاواسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ ہے۔ رویتِ بلاواسطہ تو خاتمینؑ ہی کی خصوصیت ہے۔

سیدِ کل صاحبِ ع 1 ام الکتاب ع 2 ** پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب

گرچہ عینِ ذات را ع 3 بے پردہ دید ** ربِ زدنی از زبانِ اُو چکید

(اقبالؒ)

توضیح روایت (226) دربیانِ رموزِ حقیقت :- "آنچہ دربیان می آید ہمہ شریعت است و حقیقت دربیان نمی آید" اس فرمانِ مبارک میں "حقیقت کا لفظ ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے حقایق کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔ اس لئے یہاں آنچہ سے عمومیت مراد نہیں لی جا سکتی۔ کیونکہ تجربات و مشاہدات سے ثابت ہے کہ بہت سارے مسائل اور اشیاء کی حقیقتیں دیکھنے اور بیان کرنے میں آ سکتی ہیں چونکہ حضرت مہدی علیہ السلام کی تعلیماتِ عشق و محبت اور طلبِ دیدارِ خدائے تعالیٰ اور اسی کے لوازمِ ضروریہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے یہاں لفظِ "آنچہ در حقیقت" سے وہی خاص مفہوم مراد ہے۔

ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت کے بارے میں عجزِ بیان کوئی حیرت و تعجب کی بات نہیں جب کہ بہت سارے محسوسات اور ماورائے محسوسات کی حقیقت کے بیان کرنے میں نطقِ انسانی عاجز پایا جاتا ہے۔ مثلاً لفظِ "درد" پر ہی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی کو مار لگ جائے تو اس اذیت کی کیفیت کو عرفِ عام کی بناء پر صرف لفظِ "درد" سے ظاہر کر سکے گا۔ دنیا کی جس جس زبان میں اس کیفیت کے اظہار کے لئے جو لفظ مستعمل ہوں وہی استعمال کئے جاسکیں گے اور بس۔ کوئی بلیغ ترین انسان اس کیفیتِ درد کو لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ اور نہ اس کی آنکھوں ہی سے دکھایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ کیفیتِ درد محسوسات میں سے ہے۔ اور اس کا وجود ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ اس کے باوجود یہ حقیقت بیان میں نہیں آسکتی۔ اسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ فی الحقیقت جس کا درد اسی کو معلوم!!!

اس کے علاوہ اور بھی نظیریں ہیں۔ مثلاً "برق" اور "اثیر" کے مظاہر ان کے وجود پر بداہتہً دلالت کر رہے ہیں۔ روشنی۔ مشنری وغیرہ دنیا کے اہم ترین ایجادات و کاروبار اسی برق کی نعمت پر چل رہے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کے

اعضائے باطنیہ اور ان کے حرکات کو اسی برقی رو کے ذریعہ دیکھا جاسکتا ہے، اور ان کی تصویر لی جا سکتی ہے۔

اسی طرح " اثیر " کے بھی عجیب کرشمے ہیں ۔ علماء کا بیان ہے کہ اس کی رفتار فی ثانیہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ہوتی ہے ۔ اس کی ایسی مسلسل رفتار کی وجہ سے یہ کہنا غلط نہیں ہوسکتا کہ یہ ساری دنیا میں دائر و سائر ہے ۔ ریڈیو کی تمام نوعیتوں کا تعلق اسی سے ہے جس کی وجہ دنیا کے ایک حصہ کی تقریر دوسرے حصہ میں بلا کسی قابلِ لحاظ وقفہ کے سن لی جاسکتی ہے۔ بلکہ تقریر کرنے والے کی تصویر بھی سامنے آموجود ہوتی ہے۔

برق و اثیر کے وجود پر دلالت کرنے والے ان تمام بدہیات و مسلمات کے باوجود ان کو صرف ان کے متعارف نام سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ ان کے خواص و کیفیات پر تجربات کئے جاسکتے ہیں اور ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان کی حقیقت نہ تو بیان کی جاسکتی ہے اور نہ اس کو آنکھوں ہی سے دکھایا جاسکتاہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ، منزہ عن التشبیہات کے بارے میں صرف وہ متعارف الفاظ جو اسماء و تعریفات سے تعلق رکھتے ہوں اور کتاب اللہ و احادیثِ رسول اللہ و فرامینِ مہدی ءِ موعودؑ، مراد اللہ سے ثابت ہوں بیان کرسکتے ہیں ۔ لیکن اس ذات اوراس کی صفات کی حقیقت الفاظ کی حدود میں نہیں آسکتی۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۝

(سورة الکھف۔109)

ترجمہ :- میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر بھی سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات کا بیان پورا

1- آنحضرت ﷺ 2۔ عشق ۔3۔ ذاتِ باری تعالیٰ

ہونے سے قبل سمندر خشک ہو جائے گا جو ایسے اور سمندر کی مدد بھی حاصل کرلیں۔

توان در بلاغت بسبحان رسید ** نہ در کھنہ بے چون سبحان رسید

(حضرت سعدیؒ)

یہاں سوال یہ ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اکثر مخلوقات ایسی ہیں کہ اُن کی حقیقت بیان نہیں کی جاسکتی اور اُن کو آنکھوں سے بلکہ قوی ترین خردبینوں کے ذریعہ بھی نہیں دیکھا جاسکتا تو خالقِ تعالیٰ جو منزہ عن التشبیہات ہے اس کا دیدار کیسے ہوسکے گا۔؟

اس کا مختصر جواب یہی ہے کہ وہ اشیاء جن کا ذکر کیا گیا اپنی اپنی فطری خواص وکیفیات میں محدود و مجبور ہیں۔ انسان چاہتا ہے کہ رسائی کرے اُن کو دیکھے ، چانچہ ، لیکن ان اشیاء میں اس مطالبہ کو محوس کرنے یا اس کو منظور و نامنظور کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

برخلاف اس کے اللہ جل شانہٗ قادرِ مطلق ہے۔ " فقال لمایرید" اس کی شان ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے انسان کی طلبِ صادق اور صحیح فکر و عمل اور اس کے درجاتِ شوق و عشق کے لحاظ سے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کی ذات میں اس کی آنکھوں میں ایسی صلاحیت عطا فرماسکتا ہے کہ اس انسان کی طلب و مراد پوری ہو جائے۔

پس لطیف و ماورائے محوسات اشیاء کی حقیقت و خصوصیت بجائے خود ہے اور اس منزہ عن التشبیہات ہستی کی حقیقت و خصوصیت بجائے خود۔ اس لئے ان اشیاء کے نظر نہ آسکنے پر قیاس کرکے رویت اللہ کی نفی نہیں کی جاسکتی ہے۔ چونکہ " ولایت" بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کی ایک خصوصیت ہے اس لئے اس کے متعلق بھی جتنے متعارف الفاظ مل سکتے ہیں اِسی حد تک اس کی توضیح کی جاسکتی ہے لیکن اس کی حقیقت کے بارے میں عجزِ

بیان تسلیم کرلینے پر ہر شخص مجبور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی ولایت کی حقیقت بیان میں نہ آسکنا اور ہے، دیدارِالٰہی اور سیرِولایت حاصل ہونا اور۔!! اِسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے حقایق کے بارے میں فرمایاکہ :-

آنچه دربیان می آید همه شریعت است وحقیقت دربیان نمی آید۔"

ترکِ دنیا :- مہدویہ کے پاس ترکِ دنیا کا جو مفہوم ہے اس سے واقف ہونا بہت ضروری ہے۔ عام طور پر لوگ یہود و نصاریٰ وغیرہ کی رہبانیۃ کے تذکرہ میں " رہبانیۃ " کا ترجمہ "ترکِ دنیا" کرتے ہیں جس کی وجہ بادی النظر میں مہدویہ کی اصطلاح "ترکِ دنیا" پر رہبانیۃ کا شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ ترجمہ ہی غلط اور اصولِ اسلام کے مغائر ہے۔ کیونکہ اسلام میں رہبانیۃ کی نفی کی گئی ہے اور ترکِ دنیا کا حکم دیا گیا ہے۔

لفظِ دنیا کا استعمال آخرت کے مقابل ہوتا ہے یا دین کے مقابل ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں بھی ایسے استعمال کی نظیریں موجود ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ز وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝ (سورۃ اٰل عمران۔ 22)

ترجمہ :- یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں حبط ہوگئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔

وَذَرِالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًا وَّلَھْوًا وَّ غَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ۔۔الخ (سورہ الانعام ۔70)

ترجمہ :- ان لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دو جنھوں نے اپنے دین کو لہو و لعب سمجھا اور اُن کو حیاتِ دنیا نے مغرور کردیا۔

پہلی آیت میں لفظِ " دنیا" " آخرت " کے مقابلہ میں اور دوسری آیت میں " دین " کے مقابلہ میں آیا ہے جب " دنیا و آخرت" کہتے ہیں تو دنیا سے زمانہ قبلِ موت مراد ہوتی ہے۔ اور جب " دین و دنیا" کہا جاتا ہے تو دنیا سے مراد وہ تمام اُمور ہوتے ہیں جن کو دین سے تعلق نہ ہوگویا تمام ممنوعاتِ دین کو دنیا کہا جاتا ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے " ترکِ دنیا" کے معنی " ترکِ ممنوعاتِ دین" ہوئے اور یہی عین دین و عین اسلام ہے۔

بہت ساری آیات واحادیث سے صراحتہً دنیا کی مذمت ثابت ہے اور مومن کو اس سے بچنے کا حکم دیا گیااور خلاف ورزی کی سزاء دوزخ قرار دی گئی ہے۔ اس لئے ہر مومن و مسلم پر لازم ہےکہ خدا و رسول نے جس کی مذمت اس شدت سے کی ہو اُس سے احتراز کرے بلکہ احادیث میں " ترکِ دنیا" کے لفظ اور اُس کی فضیلت بھی پائی جاتی ہے۔ ہم چند احادیث تمثیلاً یہاں درج کرتے ہیں۔

(1) ترکوا الدنیا لاھلھا (کنزل العمال)

ترجمہ :- تم دنیا کو اہلِ دنیا ہی کے لئے چھوڑ دد۔

(2) ترک الدنیا امر من ابصرو اشد من حطم السیوف فی سبیل الل و لا یترکھا احدا لا اعطاء اللہ مثل ما یعطی الشھداء (کنزل العمال)

ترجمہ :- "ترکِ دنیا" ایلوئے سے زیادہ تلخ ہے اور خدا کی راہ میں تلوار چلانے سے زیادہ سخت ہے اور "ترکِ دنیا" وہی کرسکتا ہے جس کو اللہ توفیق عطا فرمائے جیسا کہ شہداء کو عطا فرمایا ہے۔

(3) من عرضت لہ الدنیا والآخرۃ فاخذ الآخرۃ و ترک الدنیا فلہ الجنۃ و ان اخذ الدنیا و ترک الآخرۃ فلہ النار (کنزل العمال)

ترجمہ :- جس کے سامنے دنیا و آخرت دونوں پیش ہوں اور اس نے آخرت کو اختیار کیا اور دنیا چھوڑ دی اس کے لئے جنت ہے۔ اور جس نے آخرت چھوڑ دی اور دنیا کو اختیار کیا اُس کے لئے دوزخ ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ "ترکِ دنیا" کا اسلام میں بہت بلند مقام ہے۔ اس لئے جو لوگ "رہبانیۃ" کا ترجمہ "ترکِ دنیا" کرتے ہیں تعلیماتِ اسلام سے ناواقف رہنے کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اسلام میں رہبانیت نہیں ۔ لَا رُھْبَانِیَتَہ فِیْ الْاِسْلَامْ۔ "رہبانیۃ" اور "ترکِ دنیا" کا بین فرق یہ ہے کہ رہبانیۃ میں فطری قوتوں کو معطل و ناکارہ کردیا جاتا ہے۔ جیسے خصی ہو جانا یا کسی عضو کو بے حس بنا دینا وغیرہ۔ اس کے برخلاف قوائے فطریہ کو جائز طریقوں سے استعمال کرنا۔ دین و آخرت کو ترجیح دینا ، عبادت و ریاضت اور دین کی خدمت میں مشغول و منہمک رہنا اصطلاحِ اسلام میں رہبانیۃ نہیں بلکہ زہد کہا جاتا ہے۔ چنانچہ زہد کی تعریف امام غزالیؒ نے یہ بیان کی ہے۔:-

الزھد عبادۃ عن رغبتہٖ عن الدنیا عدولاً الٰی الأخرۃ اوعن غیراللہ عدو لا الٰی اللہ و ھی الدرجۃ العلیا (احیا العلوم)

ترجمہ :-آخرت کی طرف مائل ہوکر دنیا سے روگرداں ہونا زہد ہے یا غیراللہ سے منھ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا زہد ہے اور یہ زہد کا بہت بلند درجہ ہے۔

زہد کے متعلق بہت فضائل احادیث میں بھی وارد ہیں :-

اذا اراد للہ بعبد خیرازھدہ فی الدنیا و رغبۃ فی الآخرۃ (احیاء العلوم)

ترجمہ :- جب اللہ کسی بندہ کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کو زہد فی الدنیا اور رغبت الی الآخرۃ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

افضل الناس مومن متلزھد (احیاء العلوم)

ترجمہ :- مومن زاہد سب لوگوں میں افضل ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ " زہد فی الدنیا " عین اسلام ہے۔ اور یہ مومن کا بلند مرتبہ ہے۔ اولیائے کرام و صالحینِ عظام اِسی مرتبہ پر فائز رہے ہیں۔ اور اہلِ علم تسلیم کریں گے کہ " زہد فی الدنیا " اور " ترکِ دنیا " بالکل ہم معنی ہیں اس لئے ترکِ دنیا کو رہبانیۃ کہنا یا تعلیمِ اسلام کے مغائر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اس لئے محققینِ صوفیہ کے مسلک میں زہد فی الدنیا و ترکِ دنیا کو فرض و لازم گردانا گیا ہے۔ اولیاء اللہ کی تالیفات و کتبِ سیر میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ اور اسی لئے "ترکِ دنیا" اور اس کے مفہومات ، اکابرِ علمائے ظاہر میں بھی متعارف رہے ہیں۔البتہ اُن کے پاس مستحب کی حیثیت دی گئی ہے۔ اس کا اصل سبب وہی ہے جو ہم آگے بیان کرچکے ہیں کہ ائمہ مجتہدین صرف عبادات و معاملات کے مسائل کی کاوشوں میں منہمک رہے۔ عشق و محبتِ الٰہی کے لوازم سے تعلق رکھنے والے مسائل میں انھوں نے موشگافی نہیں کی۔ حالانکہ ان ہی کے مسلمہ اصول کے لحاظ سے جس امر کی سزاء دوزخ قرار دی گئی ہو اُس کا ترک کرنا فرض ہے۔ قرآنِ مجید کی صاف و صریح آیت ہے کہ :-

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ ۝15 أُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِيۡهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝16 (سورة هود-15-16)

ترجمہ :- جو کوئی حیاتِ دنیا و زینتِ دنیا کا مرید ہو ہم اُن لوگوں کے اعمال دنیا ہی میں پورے کردیتے ہیں اور وہ دنیا میں گھاٹے میں نہیں رہتے یہ سب ویسے لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتشِ دوزخ کے سوائے کچھ نہیں اور انھوں نے جو کچھ (نیکیاں) اس دنیا میں کی ہیں وہ سب حبط ہو جائیں گی۔ اور جو اچھے کام کرتے ہیں باطل ہیں۔

اس آیت میں " مَنۡ " کا لفظ عام ہے جس میں ہر مریدِ دنیا داخل ہے خواہ مومن ہو یا کافر۔ اور ایک آیت ہے :-

فَاَمَّا مَنۡ طَغٰی ۝37 وَ اٰثَرَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ۝38 فَاِنَّ الۡجَحِیۡمَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی ۝39 وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی ۝40 فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی ۝41 (سورۃ النّٰزعٰت۔ 37-41)

ترجمہ :- لیکن جو شخص حد سے گزر گیا اور حیاتِ دنیا کے پیچھے ہوگیا تو بے شک اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور جو شخص اپنے رب کے (عتاب) کے موقع پر ڈرا اور اپنے نفس کو (فاسد) خواہش سے روکا تو بے شک اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

دنیا کی مذمت میں اور بہت آیات ہیں مذکورہ آیات سے دوزخ کی سزاء کا حکم صاف ظاہر ہے اس لئے اس کا ترک فرض ہوگا۔ حضرت امامنا علیہ السلام کا عام دعویٰ بصیرۃ پر ہے ۔ تقربِ خدا و کمالاتِ روحانی کی تعلیم آپؑ کی بعثت کا مقصد ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے ذریعہ اس فرضیت کا علم عطا فرمایا۔ اور جس کی حجت میں آیاتِ قرآنی بھی موجود ہیں۔ ترکِ دنیا اور توکل کے مسائل اپنی اپنی جن خصوصیات کے حامل ہیں اُن کو سمجھنا اور استدلال و تفہیم میں اُن کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے۔اصولِ مہدویہ کے معترضین ایسی غلطی کی وجہ لغزش کھا جاتے ہیں۔ کیونکہ ترکِ دنیا کا تعلق حیاتِ دنیا و متاعِ حیاتِ دنیا سے ہے اور توکل کا تعلق اسبابِ تدبیر پر نظر نہ رکھنے سے ہے جس کی توضیح توکل کے بیان میں آئے گی۔ امامنا علیہ السلام نے " حیاتِ دنیا" و " متاعِ حیاتِ دنیا" کی یہ توضیح فرمائی کہ :-

وجودِ حیاتِ دنیا کفر است یعنے زیستن بجان کہ آں را ہستی و خودی گویند ہر چیزے را کہ در کتاب اللہ متاعِ حیاتِ دنیا نام کردہ اند چوں حبِ زنان و فرزنداں و اموال و حیوانات و زراعات و تجارت و عمارات و ملبوسات و ماکولات و جز آں ہر کہ ایں اشیاء را مرید و محب باشد و بدیں مشغول گردد او کافر است۔(نقلیاتِ میاں عبد الرشیدؓ روایت ۵۶ و انصاف نامہ باب 5

ترجمہ :- حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ وجودِ حیاتِ دنیا کفر ہے یعنی جان سے جینا کہ جسے ہستی و خودی کہتے ہیں ۔ اور وہ اُمور جن کو کتاب اللہ میں متاعِ دنیا کہا گیا ہے ۔ عورتوں اور بچوں کی محبت اور اموال و حیوانات و تجارت و زراعت و عمارات و ملبوسات و ماکولات وغیرہ کا جو شخص عاشق و مرید ہوگا اور اس میں منہمک و مشغول رہے گا وہ کافر ہے ۔

امامنا علیہ السلام نے حیاتِ دنیا سے مراد " ہستی و خودی " اور " متاعِ حیاتِ دنیا " سے مراد اموال و زنان و فرزندان وغیرہ کی محبت بیان فرمائی ہے ۔ ہم یہاں متاعِ دنیا کی توضیح کریں گا ۔ اس کے بعد " حیاتِ دنیا " کی بحث کی جائے گی ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

(سورۃ اٰل عمران۔ 14)

ترجمہ :- زینت دیئے گئے ہیں لوگ خواہشات کی محبت سے عورتوں اور بچوں سے متعلق اور سونے و چاندی کے جمع کردہ خزانوں اور نشان زدہ گھوڑوں اور چوپایوں اور کھیتیوں سے متعلق یہ سببِ متاعِ حیات دنیا ہے اور اللہ تعالیٰ (جو معبودِ برحق ہے) سب نیکیاں اِسی کی طرف پھیری جانے والی ہیں ۔

اس آیت میں متاعِ حیاتِ دنیا کا صاف بیان موجود ہے اور امامنا علیہ السلام نے بھی " متاعِ حیاتِ دنیا " کی محبت ترک کرنے کا حکم دیا ہے ۔ اور اس میں اتنا اشتغال کہ خدا سے غفلت ہوجائے نا جائز قرار دیا ہے ۔ اور یہ اس حکمِ قرآنی کے ٹھیک مطابق ہے جو اللہ تعالیٰ فرمایا :-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (سورۃ المنٰفقون-9)

ترجمہ :- اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں خدا کے ذکر سے غافل نہ کریں اور جو ایسا کریں گے وہ سب خاسرین ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدا سے غافل ہو کر اموال اور زن و فرزند وغیرہ متاعِ حیاتِ دنیا میں منہمک و مشغول ہو جانا منع ہے۔ صاحبِ زن و فرزند ہونا منع نہیں ہے۔

حضرت میراں علیه السلام را عرض کردند که زن و فرزندان مرا تفرقه می دهند اگر رضائے خوندکار باشد ایشان را علٰحده کنم۔ میراں علیه السلام فرمودند ایشان را دست گرفته در بهشت بروید از خود علٰحده نه کنید خدائے تعالیٰ شما را اجرِ بسیار می دهی بواسطه ایشان صبر کنید این کارِ بزرگ است (نقلیاتِ میاں سید عالمؒ)

ترجمہ :- حضرت مہدی علیہ السلام سے ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ بیوی بچے مجھ میں تفریقہ پیدا کر رہے ہیں اگر اجازت ہو تو ان کو الگ کر دیتا ہوں۔ امامنا علیہ السلام نے فرمایا" ان کا ہاتھ تھامے ہوئے جنت میں لے جاؤ اور ان کو اپنے سے علٰحدہ مت کرو۔ خدائے تعالیٰ تم کو بہت اجر دے گا۔ ان کے بارے میں صبر اختیار کرو یہ بہت بڑا کام ہے۔

اسی لئے آپؑ کی تعلیمات پر جو کہ آیاتِ قرآنی سے مطابقت رکھتی ہیں، "رہبانیۃ" کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ رہبانیۃ میں مناکحت وغیرہ طبعی خواہشوں کو ترک کیا جاتا ہے اور ان تعلیمات کا مقصد طبعی وارداتی خواہشوں کو فی سبیل اللہ محصور کر دینا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ ۫ یَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِیۡمٰهُمۡ ۚ لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ (سورۃ البقرۃ ۔273)

ترجمہ :- ان فقراء کے لئے ہے جو اللہ کے راستے میں محصور ہیں ۔ زمین (دنیا) میں (کمانے کے لئے) چل پھر نہیں سکتے ہیں ۔ اُن کے سوال نہ کرنے کے سبب نادان ، اُن کو غنی سمجھتا ہے ۔ تو اُن کو اُن کی نشانیوں سے پہچان لے گا ۔ وہ فقراء کسی سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے ۔

یہ آیت آصحابِ صفہؓ کی شان میں ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ معذور و مریض تھے ممکن ہے اُن میں چند معذور ہوں لیکن پوری جماعت معذوروں کی نہیں تھی کیونکہ اُن کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ :-

وکانوا تخرجون فی کل سریة بعثها رسول الله صلعم (تفسیرِ کبیر کشاف معالم وغیرہ)

ترجمہ :- ہر سریہ میں شریک رہتے تھے ۔ جس کو رسول اللہ ﷺ بھیجتے تھے ۔

اگر یہ معذور ہوتے تو " سریہ " و " جہاد " میں شریک ہونے کے قابل نہ رہتے ۔ " اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ " سے مراد اپنی قوتوں اور اپنے ارادوں و افعال کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند کرلینا اور " لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ " سے یہ مراد ہے کہ وہ جماعت کسب و تجارت وغیرہ معاملاتِ معاش سے بے تعلق تھی ۔ " ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ " کے معنی چلنے پھرنے کمانے کجانے کے ہیں ۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ :-

لان اشتغالهم بصلاح الدین و باصر الجهاد نمیعهم من الاشتغال بالکسب و التجارة ۔

ترجمہ :- صلاحِ دین و امرِ جہاد میں مشغول رہنے کی وجہ کسب و تجارت سے باز رہتے تھے ۔

اور ایک جگہ لکھتے ہیں :-

هولاء قوم كانوا مشتغلين يذكر الله و طاعته و عبوديته و كانت شدة استغراقهم فى تلك اطاعة احصر تهم عن الاشتغال بساير المهمات۔

ترجمہ :- وہ سب اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت و عبودیت میں اتنی شدت سے مستغرق تھے کہ وہ لوگ (کمانے کھانے کے) تمام معاملات سے (بے تعلق ہوکر) اس اطاعت میں محصور ہوگئے تھے۔

اس سے ظاہر ہے کہ تبلیغِ دین اور وصال الیٰ المطلوب کے لئے " متاعِ حیاتِ دنیا " کی محبت ترک کرنا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے دعوئے نبوت و رسالت کے بعد کے طویل عرصہ میں حضرت رسول اللہ ﷺ کسب و تجارت میں مشغول ہونے کی سند کوئی نہیں بتلا سکتا۔ آپؐ نے دین کی خدمت اور عبادت و ریاضت کے لئے اپنے کو وقف فرما لیا تھا۔ دن رات اِسی مصروفیت میں گزرتے تھے۔ اہلِ بیت کے فقر و فاقہ کی روایات کتبِ احادیث و سیر میں بکثرت موجود ہیں۔ اگر وہ چاہتے تو کس قدر سہولیں اُن کو حاصل نہ ہوسکتیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فقر اختیاری تھا۔ پس اصحابِ صفہؓ و اولیائے کرامؒ کا مسلک بھی یہی رہا ہے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ مومن کے لئے کسب کی اجازت ہی نہ تھی یا یہ کہ کسب نا جائز ہے۔ آیات و احادیث میں مومن کے لئے کسبِ حلال کی اجازت ہے اور خود امامنا علیہ السلام نے بھی بلا لحاظِ مدارج قطعاً نا جائز یا حرام نہیں قرار دیا ہے۔ چنانچہ روایت (18) ملاحظہ ہوکہ ایک عالم کے سوال کے جواب میں آپؑ نے فرمایا کہ :-

" مومن را کسب حلال است مومن باید شد در قرآنِ مجید تامل باید کرد که مومن کرامی گویند"

ترجمہ :- مومن کے لئے کسب حلال ہے مومن بننا چاہیئے اور قرآنِ مجید میں غور تو کرو کہ مومن کس کو کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابتدائے بعثتِ امامنا علیہ السلام سے آج تک جماعتِ مہدویہ میں فقراء و کاسبین کے دو طبقے پائے جاتے ہیں۔ البتہ ان میں درجاتِ سلوک کا فرق ضرور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں جتنی زیادتی ہوتی جائے گی اتنا ہی دنیا سے بے تعلقی بڑھتی جائے گی۔ یہاں تک کہ احکامِ فرائضِ ولایت سب پر فرض ہیں۔

حاصل یہ کہ آیتِ مذکورہ میں اصحابِ صفہؓ کی ایک خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ کسب و تجارت میں مشغول نہ ہوسکتے تھے۔ "یحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف" سے مراد ہے کہ " حالتِ فقر" کے باوجود غنا کی صفت سے متصف تھے۔ اُن کا استغناء بھی پایا کا تھا کہ نادان لوگ اُن کو "غنی" سمجھتے تھے "تعفف" کے معنی سوال سے بچنے کے ہیں۔ غیر اللہ کے سامنے اپنے فقر و احتیاج کو بحیثیتِ سوال و استداد ظاہر نہ کرنا اُن کی خصوصیت تھی۔

خلفائے راشدین وغیرہ جو "امیر المومنین" کے درجہ پر فائز رہے ہیں اُن کی امارت کا حال بھی دیکھئے کیا تھا۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند * * * در شہنشاہی فقیری کردہ اند

در امارت "فقر" را افزودہ اند * * * مثل سلماں در مداین بودہ اند

حکمرانی بود و ساماںے نداشت * * * دستِ او جز تیغ و قرانے نداشت

(اقبالؔ)

غرض حضرت امامنا علیہ السلام نے بھی "سوال کو حرام" قرار دیا ہے جو فقراء کی خصوصیت "تعفف" کے عین مطابق ہے۔ آپؑ نے فرمایا " ہرچه خواہی از خدا خواہ " یعنی جو کچھ مانگنا ہو خدا سے مانگو۔ دستِ سوال دراز کرنا

توکجا؟ حالتِ سوال سے بھی آپؐ کے فقراء احتیاط کرتے تھے۔ "روایات دربیانِ توکل" اور روایات در بیانِ احکامِ دائرہ میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ یہ تو فقرِ اختیاری کی گفتگو ہے لیکن حالتِ اضطرار میں جب کہ "حرام" کو حلال قرار دیا جاتا ہے اس وقت بھی امامنا علیہ السلام نے اتباعِ احکام و احصار فی سبیل اللہ کی حفاظت کے لئے شعور کو بیدار رکھنے کی سعی فرمائی ہے۔ اس طرح کہ ایسی صورت میں کچھ کسب کرلے۔"

دارا و سکند سے وہ مردِ فقیر اولیٰ *** ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی ؏ 1

(اقبالؒ)

روایت ہے کہ مہاجرینؓ کی مجلس میں میراں سید محمد مہدی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی (فقیر) خدائے تعالیٰ پر توکل نہ کرسکے اور ہلاک ہونے کی نوبت آئے تو کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "جائے اور ایک یا دو چیتل (ٹکے) کسب کرکے کھائے ۔۔۔۔ الخ (انصاف نامہ باب (5)

پھر آپؐ نے فرمایا کہ "اگر ایک چیتل کسب کرے گا تو (کہیں) دوسرے روز دوچیتل کسب کرنا چاہے گا۔ ہشیار رہے اور حرص نہ کرے اور زیادہ طلب نہ کرے تو خدائے تعالیٰ نہیں پوچھے گا۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے رخصت دی ہے کہ "جو شخص مضطر ہو اور خلاف ورزی کرنے والا نہیں ہے اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (جز 2 رکوع 5) (انصاف نامہ باب 5) اس کی تفصیل توکل کے بیان میں آئے گی۔

"تعرفهم بسيماهم" سے مراد ہے کہ تم اُن کی پیشانیوں کی نورانی علامات سے اُن کو پہچان سکتے ہو گڑ گڑاتے

ہوئے سوال کرنے والوں کا " فقراء" کی اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں ۔ " لایسالون الناس الحیافا " بظاہر علامات یہی ہیں کہ اُن کی عبادت و ریاضت ، رشد و ہدایت ، بود و باش ۔ وضع و لباس میں احکامِ خدا و خاتمین کی تقلید پائی جاتی ہو فی الحقیقت فقیر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نورِ یقین جلوہ گر ہوجائے اور اس حیثیت سے کسی فقیر کو پہچاننا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ۔ اسی لئے امام محی الدین ابن عربیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

اتهم عرفاء فقراء اهل الله لا يعرفهم الا الله و من هو منهم (تفسیر محی الدین ابن عربی نصف اول صفحه 97)

ترجمہ :- وہ سب عارفین فقراء اہل اللہ ہیں ۔ ان کو اللہ ہی جانتا ہے اور وہ بھی جان سکتا ہے جو انہی فقراء میں سے ہے ۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرلینے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان " وَاللّٰهُ غَنِىٌّ وَّاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ " میں فقراء کا لفظ عام ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونے کی حیثیت سے ہر فرد و بشر اس آیت کے حکم میں داخل ہے ۔ لیکن " لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ الخ " میں فقراء کا جو لفظ ہے وہ خاص ہے اس لئے محض محتاج ہونے کے معنوں میں ہر فرد و بشر فقراء کی اس جماعت میں شمار نہیں کیا جاسکتا ۔

اس مختصر توضیح سے ظاہر ہے کہ امامنا علیہ السلام نے " ترکِ متاعِ حیاتِ دنیا " کی جو تعلیم دی وہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے ۔ چنانچہ روایت (69) میں صاف و صریح بیان موجود ہے کہ ۔ " حضرت مہدی علیہ السلام ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی ذات خدائے تعالیٰ کے حوالے کردو ۔ نہ کسی شخص کے ساتھ مشغول رہو نہ کسی چیز کی خواہش رکھو بجز خدائے تعالیٰ کی ذات کے ۔ مخلوق سے ذرا بھی احتیاج نہ رکھو ۔ اصحابِ صفہؓ جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی

مشہور جماعت تھی انھیں صفات سے متصف تھی۔ (اس روایت میں آگے چل کر یہ آیت بھی بیان کی گئی ہے کہ :-

كما قال الله تعالىٰ :- وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط (سورۃ النسآء125)

ترجمہ :- جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :- اور از روئے دین اس شخص سے کوئی اچھا بھی ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیا ہے ؟ اور وہ بھی نیکی کرنے والا ہے اور اس نے ابراہیم کے دین کی پیروی اختیار کی ہے۔

امامنا علیہ السلام نے ترکِ محبتِ متاعِ دنیا کی ہی تعلیم پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ بھی کہ مومن آخرت کے ثواب پر بھی نظر نہ رکھے۔ آپؑ نے طالبِ دنیا کی مثال مونث سے اور طالبِ عقبیٰ کی مثال نامرد سے اور طالبِ مولیٰ کی مثال مرد سے دی ہے اور ایک وقت آپؑ نے فرمایا :-

" ہرچه خواہی از خدا خواه اگر آب و نمک و ہیزم خواہی از خدا خواه و رخصت انیست عزیمت آنست که گفته اند۔"

ترجمہ :- جو کچھ چاہتے ہو خدا سے چاہو۔ پانی، نمک، لکڑی بھی چاہتے ہو تو خدا ہی سے چاہو یہ رخصت ہے۔ عالیت تو وہی ہے جو بیان کرتے ہیں۔

ہشت جنت گر دہندت سر بسر ** تو مشو راضی از انہا در گزر
عالی ہمت باش دل باحق به بند ** تو ہمئے قافِ قربی رو بلند

ترجمہ :- اگر پوری آٹھ جنتیں بھی تجھکو دے دی جائیں تو اُن سے خوش نہ ہو جا۔ بلکہ طلبِ حق میں آگے بڑھ جا بلند ہمت رہ اللہ سے دل کو وابستہ رکھ۔ جب تک تو قافِ قربی کا ہما ہے بلند اڑتا چلا جا۔

دوزخ کو خوف یا بہشت کا شوق اگر ہو تو عبادات و ریاضات کا تعلق پھر بھی ایک حیثیت سے غیر اللہ ہی سے متبعو پاتا ہے اس لئے دیدار کے سوائے کسی اور صلہ کی تمنا مومن کے خوف و شوق کا مرکز نہ بننا چاہیئے کیونکہ حصولِ دیدارِ خدا ہی عین جنت ہے۔

واعظ کمالِ ترک سے ملتی ہے یہ مراد ** دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے ** اے بے خبر جزاء کی تمنا بھی چھوڑ دے

مہدویت کا مرکز صرف خدائے تعالیٰ کی ذات ہے تعلیماتِ امامنا علیہ السلام میں بلحاظ دین غیر اللہ کو مرکزیت اختیار کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔

گر بہ " اللہ الصمد" دل بستۂ ** از حد اسباب بیروں جستۂ

غرض ترکِ متاعِ حیاتِ دنیا کے یہی معنی ہیں کہ اس کی محبت اور خدا سے غفلت نہ ہو اور بس۔!!!

" ترکِ دنیا" کی پہلی مشق مہدی علیہ السلام کی توضیح کے لحاظ سے " حیاتِ دنیا" ہے۔ اس کے معنی آپؑ نے ترکِ ہستی و خودی بیان فرمائے ہیں۔ گویا ترکِ دنیا کی ظاہری صورت " ترکِ محبتِ متاعِ دنیا" ہے جس کا بیان ہو چکا۔

ترکِ دنیا کی باطنی صورت ترکِ ہستی و خودی ہے۔

نفیِ ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا ** "لا" کے دریا میں نہاں موتی ہے "الا اللہ" کا

(اقبالؔ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (سورۃ الکھف ۔110)

ترجمہ :- جس کو اپنے پروردگار کے دیدار کی تمنا ہو اس پر واجب ہے کہ عملِ صالح (ترکِ شرک و خودی) اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ جانے ۔

غور کرنا چاہیئے " عملِ صالح" کو " لقاء رب" کا " سبب" قرار دیا گیا ہے ۔ پس یہاں عملِ صالح سے وہی مراد ہوسکتی ہے جو سببِ لقاء ثابت ہوسکے ۔ وجودِ توحیدِ باری تعالیٰ کے اقرار و علم کی ابتداء بھی ترکِ شرک سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا بھی ترکِ شرک سے ہوتی ہے ۔ شرکِ جلی سے تو ابتداء ہی میں بچنا آسان ہے اور یہ مومنِ شرعی ہے لیکن شرکِ خفی سے بچنا آسان نہیں ۔ مومنِ حقیقی وہ ہے جو معرفتِ توحید میں ترقی پاتے ہوئے شرکِ خفی میں " شرکِ اسباب" بھی داخل ہے ۔ اسباب پر سے نظر اٹھا کر صرف مسبب سے وابستہ ہوجانا مومنِ حقیقی کی شان ہے ۔ اور ایسا ہی مومن اللہ کے لقاء کی امید کرسکتا ہے ۔ ترکِ شرک کا کمال یہ ہے کہ "ترکِ خودی" بھی ہوجائے ۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خاتمِ ولایتِ محمدیہ داعی الی البصیرۃ حضرت مہدیء موعود علیہ السلام کے ذریعہ " عملِ صالح" کے معنی "ترکِ دنیا" بیان فرمائے ہیں ۔ اور ترکِ دنیا کے معنی "ترکِ ہستی و خودی" ہیں ۔ اور یہ انتہائے کمالِ ترکِ شرک ہے اور "ترکِ شرک" سبب " لقائے رب" ہے کیونکہ " عملِ صالح" کی تفسیر میں اللہ نے " وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا " فرمایا ہے ۔ پس ثابت ہوا کہ " ترکِ دنیا" سببِ لقائے رب ہے اسی لئے امامنا علیہ السلام نے بحکمِ خدا

و بموجبِ آیتِ مذکورہ ہر مرد و عورت کے لئے فرض فرمایا ہے۔اور اس کے لئے " صحبتِ صادقاں " اور " ذکرِ خفی " کی تعلیم پر عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بغیر کسی مومن کو حیاتِ طیبہ میسر نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ فرمایاتا ہے:- "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ " (سورۃ النحل-97)

ترجمہ :- جس نے عملِ صالح (ترکِ شرک و خودی) کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ۔ اور وہی مومن ہے پس ہم ضرور اس کی حیاتِ طیبہ (شرک سے پاک زندگی) عطا کریں گے۔

اور حیاتِ طیبہ یہی ہے جو حضرت رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا کہ :- "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا"۔ یعنی تم مرنے سے پہلے مرجاؤ۔ نیز فرمایا :-

" الدنیا نفسک فاذا افنیھا فلا دنیا لک " یعنی دنیا تیرا نفس (خودی) ہے جب تو نے اس کو فنا کردیا تو پھر تیرے لئے دنیا نہیں ہے۔

اضطراری موت وہ ہے جو امراض و حوادث کے ذریعہ وقتِ مقررہ پر آتی ہے ۔ اختیاری موت یہ ہے کہ اپنا ہر ارادہ اور ہر کام صرف اللہ ہی کے لئے ہو اور رضا و تسلیم کا مرتبہ حاصل کرلے۔ ایسے ہی مومن کی نسبت قرآنِ مجید میں بیان کیا گیا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ 162 لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝163 (سورۃ الانعام- 162-163)

ترجمہ :- بے شک میری نماز ، میری عبادتیں ، میرا جینا ، میرا مرنا سب کچھ صرف اللہ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔جس کا کوئی شریک نہیں اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

حاصلِ کلام یہ کہ ترکِ خودی (جوانتہائے کمالِ ترکِ شرک ہے) کی وجہ "اطلاقیت" حاصل ہوگی۔اور خدا چاہے تو مشکوٰۃِ ولایتِ محمدیہؐ کے ذریعہ دیدار نصیب ہوگا۔

اگر چہ بعض مفسرین نے "عملِ صالح" سے نماز مراد لی ہے ان معنوں کے لحاظ سے بھی "نماز" معراج المومنین کا درجہ اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتی جب تک کہ کمالِ ترکِ شرک نصیب نہ ہو۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تعلیمِ احسان کے تحت فرمایا ہے کہ :-

" ان تعبد الله کا نک تراه و ان لم تکن تراه فانه یراک "

ترجمہ :- تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا کہ خدا کو دیکھ رہا ہے اگر تو نہیں دیکھتا ہے تو یہ سمجھ لے کہ خدا تجھ کو دیکھ رہا ہے۔

چونکہ کمالِ ترکِ شرک ہی ترکِ خودی ہے اور اسی کو اصطلاحِ مہدویہ میں "ترکِ دنیا" کہتے ہیں اور یہی "لقائے رب" کا سبب ہے اس لئے فرض ہے۔

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور ** ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر

طریقۂ مہدویہ کے لحاظ سے یہاں ایک اور نوعیت کی توضیح ضروری ہے۔جس طرح داخلِ اسلام ہونے اور ترکِ شرکِ جلی اختیار کرنے کے لئے صدقِ دل سے بطورِ اقرار باللسان کلمۂ طیبہ کہنے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح داخلِ طالبانِ خدا ہونے اور "ترکِ خودی شرکِ خفی" یعنے ترکِ دنیا کے لئے صدقِ دل سے اقرار باللسان کی ضرورت ہے۔ جس طرح شرائطِ اقرار باللسان کی تکمیل کے بغیر کوئی شخص تعلیماتِ اسلام پر عمل کرلینے سے حکماً تارک الدنیا نہیں کہلایا

جاسکتا۔ اور قبولِ اسلام کے بعد قصورِ اعتقاد و عمل کی صورت میں احکام جس طرح عاید ہوا کرتے ہیں اِسی طرح اقرارِ "ترکِ دنیا" کے بعد بھی قصورِ اعتقاد و عمل کی صورت میں احکام عاید ہوتے ہیں۔

مسئلہ "ترکِ دنیا" کی اس مختصر توضیح سے ناظرین اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ کس قدر اعلیٰ و ارفع تعلیم ہے۔ اور یہ بھی محسوس کرسکتے ہیں کہ بعض مخالفین مثلاً "ہدیۂ مہدویہ" وغیرہ نے "ترکِ دنیا" کو رہبانیت اور مسلماتِ اہلِ سنت کے مغائر اور کسب کو حرام سمجھ لیا ہے وہ صحیح نہیں۔ مذکورۃ الصدر توضیحی بحث کے بغیر بھی امامنا علیہ السلام نے فرمایا کہ :-

"کسب و تجارت کی شریعت میں اجازت ہے۔ لیکن اجازت کی خصوصیت یہ ہے کہ کاسب و تاجر کی نیت یہ رہے کہ عبادت کرسکے اور احکام بجالانے اور ممنوعات سے بچنے کے لئے اس میں قوت و توانائی رہ سکے اور ڈرتا رہے کہ کہیں حرص و خیانت میں مبتلاء نہ ہوجائے۔ اگر کسب و تجارت میں یہ لحاظ نہ رہے اور دل میں تفاخر و تکاثر پیدا ہو جائے یا صرف کھانے اور کمانے میں منہمک ہوجائے (یہ تو بڑی بات ہے) اگرچہ کسب نہ بھی کرے اور دن رات عبادت و تعلیمِ علمِ شریعت میں اور عزلتِ خلق میں مشغول بھی رہے لیکن اس کی نیت ایسے کاموں سے صرف دنیا ہی ہو تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا۔"

اور روایت (116) ملاحظہ ہو کہ "حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو لوگ (فقراء) ہجرت کرکے خدا کی راہ میں آئے ہیں وہ امورِ معیشت میں سے جو کام بھی کرتے ہیں۔ پانی لانا، لکڑی پھوڑنا، آگ جلانا، کھانا، پکانا، اور کوئی چیز گردن پر رکھکر لانا اور بیویوں بچوں سے دل بہلائی کرنا سب کچھ از روئے حکمِ کتاب اللہ تعالیٰ "عملِ صالح" میں داخل ہے۔"

اس روایت سے ظاہر ہے کہ امورِ معیشت ضروریہ کو جب کہ وہ للٰہی اغراض پر مبنی ہوں " عملِ صالح" میں داخل قرار دیا گیا ہے۔ اور ناظرین اس سے قبل کی بحث ملاحظہ کر چکے ہیں کہ عملِ صالح سے مراد "ترکِ دنیا" قرار دی گئی ہے۔ اب مطلب صاف ہوگیا کہ یہ ایسی " ترکِ دنیا " ہے جس میں امورِ معیشتِ ضروریہ ترک نہیں ہوتے لیکن بفوائے آیتِ قرآن :- " اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَموَالَهُمُ الْجَنَّةَ ط "(سورة التوبة-111)

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین سے اُن کی جانیں جنت (دیدار) کے بدلے خریدلی ہیں) طالبانِ مولیٰ محصور فی سبیل اللہ ہوجاتے ہیں۔

ان ارفع و اعلیٰ صاف و صریح بیانات کی روشنی میں مخالفین کے اعتراضات خودبخود رفع ہورہے ہیں اور ثابت ہو رہا ہے کہ یہ اعتراضات محض اسرارِ دین سے نابلد رہنے کا نتیجہ ہیں۔

در مسلماناں مجو آں ذوق و شوق ** آں یقیں آں رنگ و بو ، آں زوق و شوق

عالماں از علمِ قرآں بے نیاز ** صوفیاں درندہ گرگ و مودراز

گرچہ اند خانقاہاں ہائے دہوست ** کوچۂ نمرودے کہ صہباد کد دست

ہم مسلماناں افسرنگی مآب ** چشمۂ کوثر بجویند از سراب

بے خبر از سرِ دیں اند ایں ہمہ ** اہلِ کیں اند اہلِ کیں انداں ہمہ

اہلِ دیں را باز داں از اہلِ کیں ** ہمنشینِ حق بجو با اُو نشیں

(اقبالؒ)

حاصل یہ کی امامنا علیہ السلام نے بحکمِ خدا ، عشق و محبت کی ایسی زندگی کی تعلیم دی ہے جس کی مثال انبیاءؑ کی زندگی اور خاص جلیل القدر صحابہؓ اور اصحابِ صفہؓ و اولیائے کرامؒ کی زندگی ہے۔ ان تعلیمات پر اور آپؑ کے متبعین نے

بدرجۂ کمال عمل کرکے دِکھلایا اور قیامت تک بقدرِ ہمت و توفیقِ ایزدی آپؑ کے متبعین عمل کرتے پائے جائیں گے۔ وذالک فضل اللہ یوتیه من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

آنکه حیی لایموت آمد حق است ** زیستن با حق حیاتِ مطلق است

(اقبالؒ)

توضیح روایات دربیانِ ذکر اللہ :-

قرآنِ مجید میں ذکر و فکر سے متعلق بہت سی آیات ہیں۔جن آیات میں فکر کا بیان ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں فکر کرنا ہے۔ لیکن بعض لوگوں مثلاً (مولفِ دوقرآن وغیرہ) نے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی کہ اس سے سائنس وغیرہ تحقیقاتی مسائل کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے تاکہ انسان کی بہرجہت خدمت کی جا سکے۔ اس کے لئے سہولتیں فراہم کی جا سکیں اور ملکی، معاشی و مدافعتی قوت حاصل ہوسکے۔اور دارالاسلام کی قوتِ حربی کا سہرا آج انھیں کے سر نظر آرہا ہے۔

یہ استدلال اگرچہ اپنے موقع و محل کے لحاظ سے غلط نہیں۔ اور شریعت میں بھی ان اُمور کو دارالاسلام کے لوازم کی حیثیت دی گئی ہے لیکن فکر و ذکر سے متعلق جو آیات ہیں ان سب کا انحصار صرف اسی ایک مطلب سے اگر مخصوص کر دیا جائے تو غلطی ہوگی۔!!!

تو معنی "والنجم" نہ سمجھا تو عجب کیا ** ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج

(اقبالؒ)

ہم نے اس سے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ قرآنِ مجید علوم و آئین کا سمندر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

کل شیء احصیناہ کتابا ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین

ترجمہ :- ہم نے کتاب میں ہر چیز کا احصار کیا ہے ۔ کوئی رطب ویابس ایسا نہیں جو کتاب میں نہ ہو۔

اس لئے جس علم و فن میں صرف ایک فن سے بحث کی گئی ہے مثلاً صرف و نحو۔ معانی و بیان ۔ علمِ کلام حدیث وغیرہ اور اِسی طرح سائنس کے تائیدی نقطۂ نظر سے بھی تفسیر کی جاسکتی ہے ۔ متقدمین کی تصانیف میں اس کی نظیریں موجود ہیں اور مصر کے علامہ طعطاوی جوہری نے بھی یہ کام کیا ہے ۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ جو موضوعِ بحث ہوگا اسی کے لوازم زیرِ بحث آئیں گے ۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں غور وفکر کرنے کا بیان جن آیتوں میں ہے اس سے انسانی خدمت اور ملک کا معاشی ومدافعتی استحکام اور اس کی ترقی کے لئے کوشش کی فکر جن لوگوں نے مراد لی وہ بجائے خود صحیح تو ہے لیکن یہ مقصدِ ثانی ہے مقصدِ اولین نہیں ۔

اسی لئے اصطلاحِ محققین کے لحاظ سے یہ ان علوم میں داخل ہے جو فرضِ کفایہ ہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ فرضِ کفایہ اس شخص کے لئے ہے جس میں اس کو ادا کرنے کی اہلیت وصلاحیت ہو۔ مثلاً ہر شخص سائنس کا عالم نہیں بن سکتا اور نہ یہ ہر شخص کے لئے بلا لحاظِ اہلیت ضروری ہے ۔ فی الحقیقت وہ آیات ان علوم کی طرف رہبری کرتی ہیں جو فرضِ عین ہیں ۔ ان علوم کی تفصیل علم سے متعلقہ روایات کی توضیح میں بیان کی جائے گی ۔ محققین کے اس نقطۂ نظر کے لحاظ سے ان آیات کا مقصدِ اولین یہ ہے کہ کائنات میں غور و فکر اس لئے کی جائے کہ خدائے تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت کی معرفت حاصل ہو۔ قرآنی آیات میں بھی سب سے پہلے یہی مقصد ظاہر ہوتا ہے اور بلا لحاظِ خصوصیت عالم ہو یا جاہل ، مرد ہو یا عورت سب اس خطاب میں داخل ہیں ۔ بلکہ اکثر آیات میں کافروں

کو بھی معرفتِ توحید کے لئے اللہ کے پیدا کی ہوئی چیزوں میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ یہاں چند آیات درج کی جاتی ہیں۔

(1) هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ق (سورۃ البقرۃ۔29)

ترجمہ :- وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین میں کی ہر چیز تمہارے لئے پیدا کی ہے۔

(2) وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ط اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط (سورۃ فاطر۔27-28)

ترجمہ :- غور کرو کہ پہاڑوں میں سفید و سرخ و سیاہ رنگ کے پتھروں کی تہیں موجود ہیں۔ نیز انسانوں ، چوپایوں اور مویشیوں کے مختلف رنگوں پر غور کرو۔ بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔

(3) اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ج ۝

(سورۃ اٰل عمران۔190)

ترجمہ :- زمین و آسمان کی پیدایش میں اور دن و رات میں عقلمندوں کے لئے آیات (معجزاتِ الٰہیہ) ہیں۔

(4) وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ط (سورۃ الروم۔22)

ترجمہ :- زمین و آسمان کی پیدایش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا فرق اللہ کی آیات میں سے ہے۔

(5) قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ۔۔الخ (سورۃ العنکبوت۔20)

ترجمہ :- اے رسولؐ ! تو حکم دے کہ لوگ زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ خدا نے کس طرح پیدایش ظہور میں لائی ہے۔

(6) وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝ (سورۃ الجاثیۃ۔4)

ترجمہ :- تمھاری پیدائش میں اور چوپایوں کی افزائشِ نسل میں اہلِ یقین کے لئے آیات ہیں۔

(7) وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (سورۃ یوسف-105)

ترجمہ :- زمین و آسمان میں کتنی ہی ایسی آیات ہیں جس سے یہ غافل لوگ منھ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔

(8) اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ ۔۔الخ (سورۃ الاعراف-185)

ترجمہ :- کیا یہ لوگ آسمان و زمین کی پیدائش پر اور ہر اس چیز پر جس کو اللہ نے پیدا کیا ہے غور نہیں کرتے اور عجب نہیں کہ ان کی موت قریب آ گئی ہو۔

(9) يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۫ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ۭ (سورۃ فاطر-13)

ترجمہ :- رات کو دن اور دن کو رات میں بدلتا ہے سورج و چاند کو مسخر کیا ہے جس کی وجہ ہر ایک (کرہ) ایک معین مدت تک سرگرمِ رفتار ہے۔ یہ اللہ تمھارا رب و تمھارا فرمانروا ہے اس کے بغیر تم جن معبودوں کو پوجتے ہو وہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنی قوتِ تخلیق کی طرف کئی مقامات پر کئی طریقوں سے انسان کو متوجہ کیا ہے۔اس کا مقصدِاولین اس کی توحید اور اس کی قدرت کی معرفت ہے اور غیر اللہ کی پرستش سے بچا کر صرف ایک ذات وَاحِدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ کو معبودِ حقیقی تسلیم کروانا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالٰی نے جابجا اپنی مخلوقات کی نسبت " آیات " کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید کے مضامین بھی آیاتِ الٰہی ہیں۔ اور کائنات و موجودات بھی آیاتِ الٰہی ہیں۔ جس طرح دنیا کا بڑے سے بڑا عالم قرآن کی ایک آیت بنانے سے

عاجز ہے ۔ اِسی طرح بڑے سے بڑا سائنسدان ایک پتہ یا ایک ذرہ کی تخلیق کی قدرت نہیں رکھتا۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھا کر ایجادات عمل میں لانا اور ہے تخلیق و پیدائش اور !!! اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں پر آیت و بنیات کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو صرف اِسی کی قدرت اور اِسی کی خلافت کے لئے مخصوص ہے ۔ حاصلِ کلام یہ کہ کائنات میں غور و فکر کا مقصدِ اولین خدائے تعالیٰ کی معرفت ہے ۔

وہ قوم جو فیضانِ سماوی سے ہو محروم ** حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے ** جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

(اقبالؒ)

اور ذکر سے متعلق جو آیتیں ہیں ان میں یہ تاویل کی ہے کہ اس سے ذکرِ اعمالِ الٰہی مراد ہے یعنی موجوداتِ عالم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جو مظاہر ہیں ان میں غور و فکر کرنا اور ان کی خصوصیتیں بیان کرنا۔ آیاتِ ذکر کو صرف اسی ایک معنی پر منحصر کردینا غلطی ہے ۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں ذکرِ اسمِ الٰہی کی صاف و صریح آیات موجود ہیں:-

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ ۔۔الخ (سورة المزمل-8) (تم اپنے رب کے نام کا ذکر کرو) اور ایک جگہ فرماتا ہے :-

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْاَ سْمَآءُ الْحُسْنٰى ج ۔۔الخ (سورة بنی اسرآءیل-110)

ترجمہ :- کہدو خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے چاہو پکارو اس کے نام اچھے ہیں ۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ص وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ط (سورة الاعراف-180)

ترجمہ :- اللہ کے اچھے نام ہیں ۔ ان ناموں سے اس کو پکارو۔ اور جو لوگ اس کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔

حاصل یہ کہ قرآنِ مجید نہ صرف ذکرِ اسمِ ذات بلکہ ذکرِ اسمِ صفات کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے۔

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام ** وہ جس کی شان میں آیا ہے علم الاسماء

مقامِ ذکر کمالاتِ رومیؒ و عطار ** مقامِ فکر مقالاتِ بو علی سینا

مقامِ فکر ہے پیمایشِ زماں و مکاں ** مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

امامنا حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت کا مقصد عشق و محبتِ الٰہی کی تعلیم ہے اس لئے آپؑ کی تعلیمات کا موضوع طلبِ دیدارِ خدا ہے اور طلب کا ایک لازمہ ذکر و توجہ بھی ہے اس لئے بحکمِ خدائے تعالیٰ آپؑ نے ذکر دوام فرض فرمایا۔ اور قرآنِ مجید کی آیات بھی اس فرضیت پر شاہد ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (سورۃ النسآء۔ 103)

ترجمہ :- جب تم نماز پوری کر چکو تو اس کے بعد کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرو۔ پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز پڑھو کیونکہ نماز مومنوں پر بقیدِ وقت فرض ہے۔

بعض لوگوں نے ذکر سے مراد نماز بیان کی ہے۔ یہ مراد اپنے موقع و محل کے لحاظ سے درست ہو تو سکتی ہے لیکن ہر جگہ یہی مراد لینا اور ذکر اللہ کے حکم سے اعراض کرنا صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو کہ اس آیۂ شریفہ میں نماز کا بیان علٰحدہ ہے اور ذکر اللہ کا بیان علٰحدہ۔ " فاذا قضیتم الصلٰوۃ " میں نماز کا بیان ہو چکا اس کے بعد ذکر اللہ کا بیان ہے جس

میں اس کی مداومت و مواظبت کا مفہوم لایا گیا ہے پھر اس کے بعد نماز موقتی ہونے کی خصوصیت کو واضح کیا گیا۔ اس سے صراحتہً ثابت ہورہا ہے کہ نماز موقتی فرض ہے اور ذکر اللہ ہر حالت میں فرض ہے۔ اور ایک جگہ فرماتا ہے :-

اِنَّ فِی خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝ اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ ۔۔ الخ (سورۃ اٰل عمران۔190-191)

ترجمہ :- بے شک آسمان و زمین کے پیدا کرنے اور دن رات کے بدلنے میں ان عقلمندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

ہر انسان کی یہی تین حالتوں سے کوئی ایک ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر حالت میں اپنی یاد اور اپنی طرف توجہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ صاحبِ معالم التنزیل نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :-

وقال سایر المفسیرین ارادقه المداومة علی الذکر فی العموم الاحوال لان الانسان قل ما یخلو من احدی هٰذه الحالات۔

ترجمہ :- تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی مراد تمام حالت میں ذکر کی مداومت ہے کیونکہ انسان ان تینوں حالتوں میں سے بہت کم خالی رہتا ہے۔

امام فخرالدین رازیؒ آئیہ وَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ۝ (سورۃ الاعراف۔205) (یعنی اہلِ غفلت میں شمار مت ہونا) کے تحت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ کی یہ روایت بیان کی ہے:-

عن ابن عباس انه قال فی قوله الذین یذکرون الله قیامًا وقعودًا وعلی جنوبهم لوحصل لا بن آدم حالة رابعة سوع هٰذه الاحوال لا مرالله بالذجر عبدگا واکنراد عبی انه تعالیٰ امربالذکرعلی الدوام۔

(تفسیر کبیر جلد 4)

ترجمہ :- ابن عباس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ انھوں نے :- اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ ۔۔الخ (سورۃ اٰل عمران-190-191) کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اگر انسان کو ان تین حالتوں کے سوائے چوتھی حالت حاصل ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس حالت میں بھی ذکر کا ضرور حکم دیتا (امام رازیؒ کہتے ہیں کہ اس سے اُن کی یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر دوام کا حکم دیا ہے۔

صاحبِ معالم التنزیل نے آئیہ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِكُمْ ج (سورۃ اٰل عمران۔190) کے تحت حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت درج کی ہے :-

قالت کان رسول اللہ یذکراللہ علیٰ کل احیانہٖ

ترجمہ :- حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اپنے تمام اوقات میں ذکرِ الٰہی کرتے تھے۔

غرض مفسرین و محدثین و اکابرِ اہلِ سنت و اولیاءِ کرام کے اقوال و توضیحاتِ ذکر کے فضائل میں اتنے ہیں کہ جن کو جمع کیا جائے تو وہ خود ایک ضخیم کتاب ہوسکتی ہے۔

مسلم ہستی دل بہ اقلیمے مبند ** گم مشو اند رجہانِ چوں وچند

اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے :-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۝ (سورۃ الاحزاب ۔41)

ترجمہ :- اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بہت زیادہ کرو۔

اس آئیہ شریفہ میں تاکید کے لئے " اَذْكُرُوا ذِكْرًا " مفعولِ مطلق لایا گیا اور " كثيراً " کے لفظ سے مزید تاکید بڑھا دی گئی ہے۔ تاکید کا یہ اہتمام اس بات کی بدیہی دلیل ہے کہ ذکر کا حکم فرض ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کے بارے میں صرف صیغۂ امر کے ساتھ آیات وارد ہوئی ہیں مثلاً اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۔اور اس حکم کی فرضیت کو جس اہتمام سے تسلیم کیا جاتا ہے محتاجِ بیان نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ذکر، نماز سے بھی افضل عبادت ہے فرماتا ہے :-

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (سورة العنکبوت۔ 45)

ترجمہ :- کتابِ قرآن کی جو آیات وحی کی گئی ہیں اُن کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو۔ بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور البتہ اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے اور تم جو کرو گے اللہ وہ سب جانتا ہے۔

جو لوگ ذکر سے نماز یا تلاوتِ قرآن مراد لیتے ہیں اُن کی حقیقت بھی یہاں کھل جاتی ہیں کیونکہ اس آیت میں تلاوتِ قرآن نماز اور ذکر اللہ کو علحدہ علحدہ بیان فرمایا اور ذکر اللہ کو بہت بڑا قرار دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو فرض نماز سے افضل ہو وہ بھی بالضرور فرض ہوگا۔ قرآنِ مجید میں ذکر اللہ کا حکم بہت اہتمام کے ساتھ کئی طریقوں سے کئی موقعوں پر وارد ہوا ہے۔ اس کے باوجود حضرت مہدی علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرض قرار دینا تاکید میں اور بھی اضافہ کا باعث ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکرِ کثیر کی تاکید و تفہیم اور اس کی فضیلت کے بیان پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ذکرِ قلیل کو منافقین کی صفات میں شامل کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (سورة النسآء۔ 142)

ترجمہ :- منافقین اللہ تعالیٰ سے چالبازی کرتے ہیں حالانکہ اللہ اُن کو چالبازی کی سزا دیگا۔ اور (یہ لوگ) جب نماز ادا کرتے ہیں تو اکسائے ہوئے لوگوں کو دِکھانے کی خاطر ادا کرتے ہیں۔ اور اللہ کا ذکر کم کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جن میں ذکر سے غفلت کو موجبِ عذاب و عتاب قرار دیا گیا ہے۔

(1) فَوَيۡلٌ لِّلۡقٰسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مِّنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝ (سورۃ الزمر۔22)

ترجمہ :- بدبختی ہے اُن لوگوں کے لئے جن کے دل ذکر اللہ سے غفلت کی وجہ سخت ہوگئے ہیں یہ سب لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

(2) وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ۝ (سورۃ الزخرف36)

ترجمہ :- جو شخص اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو ہم اس پر شیطان کو متعین کردیتے ہیں جو اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

(3) وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى ۝ (سورۃ طٰہٰ۔124)

ترجمہ :- جو شخص میرے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

(4) وَمَنۡ يُّعۡرِضۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهٖ يَسۡلُكۡهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝ (سورۃ المزمل۔17)

ترجمہ :- جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے روگردانی کرے گا وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔

جب ذکر اللہ سے غفلت موجبِ عتاب و عذاب ہے تو اس کی فرضیت کو تسلیم کرنا اصولِ شرعیہ میں داخل اور ہر مومن متقی کے لئے اس پر اعتقاد و عمل لازم ہے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل * * دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(اقبالؔ)

حضرت مہدی علیہ السلام کی جماعت نے آپؑ کی تعلیم پر بدرجۂ کمال عمل کیا اور آپؑ نے اس فقیر پر جو آٹھ پہر کا ذاکر ہو مومنِ کامل کا حکم سنایا۔ چونکہ آپؑ کی جماعت فرض ذکر کی بدرجۂ اتم عامل تھے اس لئے آپؑ نے آئیہ شریفہ :- "فَاذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ" میں "أُولُوا الْأَلْبَابِ" کی اس خصوصیت کو اپنی جماعت سے مطابق قرار دیا۔

روایت (202) ملاحظہ ہو کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا۔ ایک وقت "سلطان النہار" دوسرا وقت "سلطان اللیل" ہے جو شخص ان دونوں وقت کی حفاظت کر رہا ہو (گویا) اس سے دن و رات ضائع نہیں جا رہے ہیں۔ ان دونوں وقت کو جو (فقیر) ضائع کر دے وہ فقیرِ دین نہیں ۔ (روایت 202) انصاف نامہ وغیرہ کتبِ نقلیات میں بھی یہ روایت موجود ہے ۔ سلطان النہار کا وقت طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک اور سلطان اللیل کا وقت عصر سے عشاء تک ہے ۔ ان اوقات میں ذکر اللہ کے اثر سے دل میں توجہ قائم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے دن اور رات کے بقیہ اوقات میں قلب پر غفلت غالب ہونے نہیں پاتی ۔

امامنا علیہ السلام کے فرامین میں جس طرح منتہائے عالیت و عزیمت کا معیار پایا جاتا ہے اِسی طرح رخصت سے تعلق رکھنے والے احکام بھی موجود ہیں ۔ آپؑ نے آٹھ پہر (موجودہ وقت کے لحاظ سے 24 گھنٹے جس میں عصر و مغرب کے درمیان بیانِ قرآن بھی شامل ہے) کے ذاکر کو مومنِ کامل فرمایا ہے ۔ یہ عالیت و عزیمت کا بلند مرتبہ ہے اور رخصت کی حد میں سلطان النہار و سلطان اللیل کی حفاظت کا حکم بھی موجود ہے ۔ تاکہ آنے والے زمانے میں

لوگ اپنی اپنی ہمت و صلاحیت کے مطابق دینِ مہدیؑ سے استفاضہ کرسکیں۔ اور احکامِ رخصت کی صدقِ دل سے تعمیل ہی ان کی ترقیوں کا زینہ بن جائے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ حضرت بندگی میاں سید محمود خاتم المرشدینؓ نے "رخصت" کی حد رکھنے والے جتنے احکام اور جو کچھ مسائل آپؑ نے بیان فرمائے اُن کا تعلق فرامینِ امامنا علیہ السلام ہی سے ہے۔ اس کی مزید تفصیل کا محل نہیں۔

حضرت مہدی علیہ السلام نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے چند مراتب بیان فرمائے ہیں۔ ذکرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی چار صورتیں ہیں۔ (1) گفتی یعنی صرف کہنے کی حدتک (2) دانستنی یعنی صرف جاننے کی حدتک (3) دیدنی یعنی دیکھنے کی حدتک (4) شدنی یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہو جانا ہے۔ دوسری کتبِ نقلیات میں "دیدنی کے بجائے" چشیدنی" ہے۔ ان مراتب کی تفہیم کے لئے بطورِ تمثیل یہ بیان کیا جاتا ہے کہ درجۂ گفتنی کی مثال ایسی ہے جیسے کہ پتھر پانی میں۔ یعنی جس درجہ پانی کا اس میں اثر ہوسکتا ہے بس۔ اتنا ہی اثر اس درجہ والے ذاکر میں ہوتا ہے۔ اور "درجۂ دانستن" کی مثال "سنگ درآتش" ہے۔ یعنی پتھر آگ میں جس نوعیت سے حرارت کا اثر قبول کرتا ہے۔ اتنا سا اثر "دانستن" کے درجہ والے میں ہوتا ہے۔ "درجۂ دیدن وچشیدن" کی مثال "آتش در شمع" ہے۔ روشن شمع کی طرح ذکرِ الٰہی سے ذاکر کا باطن روشن و منور رہتا ہے۔ یا اس کی مثال "نعل درآتش" ہے۔ یعنی لوہا آگ کے اثر کو اس درجہ قبول کرتا ہے کہ اپنا وجود آگ کی شکل اختیار کرلے۔ یہ آگ میں آگ تو بن جاتا ہے لیکن اس کی آہنیت سالم رہتی ہے۔ "درجۂ شدن" کی مثال لکڑی اور آگ یا برف و پانی ہے۔ اس درجہ میں ذاکر "تخلقوا باخلاق اللّٰہ" کا مصداق ہوتا ہے۔ اور اطلاقیت اتنی حاصل ہوتی ہے کہ "پس قیامت شو قیامت را بہ بیں" کے اصول پر "فنا فی اللّٰہ و بقا باللّٰہ" سے مشرف ہو جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ جس درجہ ذکر قائم ہوتا جاتا ہے اتنا ہی ذکر کی مداومت و مواظبت میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مرتبۂ "شدنی" میں دوامیت، اطلاقیت اور فنائیت درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے۔

ذکر قائم از قیامِ ذاکر است ** از دوامِ او دوامِ ذاکر است

(اقبالؔ)

روایت (200) ملاحظہ ہو امامنا علیہ السلام نے فرمایا کہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" بندہ کے پر اس قدر اثر کرے جتنا مونگ کا دانہ گائے کے سینگ پر (مارا جائے تو) اثر کر سکتا ہے تو اس بندہ کا مقصد پورا ہو جائے گا"۔ اور روایت (202) ملاحظہ ہو کہ امامنا علیہ السلام نے فرمایا کہ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے مومن کے دل پر ایسا اثر ہونا چاہیئے جیسا کہ روئی سے بھرے ہوئے گھر میں ایک چنگاری کر سکتی ہے۔ کہ جس سے ساری روئی جل جاتی ہے۔ لیکن لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تاثیر تو یہ ہے کہ غیر اللہ کی محبت پوری پوری سوختہ ہو جاتی ہے۔

اس فرمان سے ظاہر ہے کہ بنیادی امر محبت و عشقِ الٰہی ہے اس کے بغیر ذکر میں وہ اثر وہ رنگ نہیں قائم ہو سکتا من احب شیًا اکثرذکرہ (جس کو جس کسی چیز سے زیادہ محبت ہوگی اس کا ذکر زیادہ کرے گا) اسی لئے "عشق" کو "ام الکتاب" اور "آبِ حیات" کہتے ہیں۔ جو تعلیماتِ قرآن کا حاصل اور بقا باللہ کا باعث ہوتا ہے۔

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات ** ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات

تا دو تیغ لا والا دا شتیم ** ماسوی اللہ افشاں نگذاشتیم

(اقبالؔ)

مولفِ انصاف نامہ حضرت میاں ولی جی رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ :-

مراقبہ را دو معنی یکے معنی آنکے مراقبہ محافظہ است مشتق من الرقبۃ و ھوالحفظ یعنی دل را ازخواطرِ غیرِحق بذکرِحق نگاہ داشتن و حق را برخود مطلع دیدن و این مراقبہ مبتدیانست دوم مراقبہ بمعنیِ مشاہدہ است مشتق من الرقوب و ھوالنظیر یعنی درمشاہدہ جمال و جلالِ ذات و صفاتِ حق چناں مستغرق شدکہ ہیچ چیزیا دنیا ید و این مراقبہ منتھا نست پس اعمال جوارح با پریشانی خاطر ممکن ہست اما مراقبہ بغیر خلوت باطن اصلا ممکن نیست۔ پس اے عزیز ! طالبِ حق را باید کہ دائم در مراقبہ با شد و ہرچہ معاملہ و خواب بیند پیشِ مرشد عرض کند بہ خودی خود مغرور نشود۔ (انصان نامہ باب (5))۔

ترجمہ :- مراقبہ کے دو معنی ہیں ایک مراقبہ بمعنیِ محافظہ ہے جو " رقابۃ" سے مشتق ہے جس کے معنی حفاظت کے ہیں یعنی دل کو غیرِحق کے خطروں سے بچاکر ذکرِ حق میں مشغول رکھنا اور حق کو اپنے پر آگاہ سمجھنا۔ یہ مراقبہ مبتدیوں کا ہے دوسرا مراقبہ مشاہدہ ہے جو "رقوب" سے مشتق ہے جس کے معنی دیکھنے کے ہیں ۔ یعنی جمال و جلالِ ذات وصفاتِ حق کے مشاہدہ میں ایسا مستغرق ہوکہ کوئی چیز یاد نہ آنے پائے اور یہ مراقبہ منتہیوں کا ہے۔ اعضاء کے افعال دل کی پریشانیوں میں بھی صادر ہونا ممکن ہے لیکن مراقبہ بغیر خلوتِ باطن کے بالکل ناممکن ہے۔ پس اے عزیز! طالبِ حق کے لئے لازم ہے کہ ہمیشہ مراقبہ میں رہے اور جو کچھ معاملہ و خواب دیکھے مرشد سے عرض کرے اپنی خودی میں مغرور نہ ہوجائے۔"

حضرت امامنا علیہ السلام کی خصوصیت یہ تھی کہ ہر آنے والے مصدق کو خواہ عالم ہو یا امی مرد ہو یا عورت پاسِ انفاس اور ذکرِ خفی کی تلقین فرماتے تھے۔ اور یہ تمام اذکارِ مراتبی میں افضل ترین ہے۔ اسی لئے فقرائے مہدویہ میں ادوار و وظائف اور تسبیح کے دانوں یا انگلیوں کی گنتی پر عمل نہیں رہا ہے۔ کیونکہ ذکرِ خفی کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ ملاحظہ ہو روایت (201) میں یہ اشعار درج ہیں :-

انفاس پاس دار اگر مردِ عارفی ** ملکِ دو کون ملکِ تو گردو به یک نفس

ہر یک نفس که می رود از عمرِ گوہر یست ** کاں را خراج ملک دو عالم بود بہا

مپسند کا یں خزانه دہی رائیگاں بباد ** انکه روی بخاک تہی دست و بے نوا

(اقبالؔ)

یعنی اپنے سانسوں کی نگرانی کر اگر تو مردِ عارف ہے۔ دونوں جہاں کی بادشاہت تیری ملک ایک سانس میں ہوجائے گی۔ عمر کی ہر ایک سانس جو نکل رہی ہے ایک موتی ہے۔ جس کی قیمت دونوں جہانوں کی بادشاہت ہے۔ اس کو رائیگاں کرنا تو پسند نہ کر۔ ایسا کرے گا تو خاک میں خالی ہاتھ اور بے نوا جائے گا۔

ذکرِ پاسِ انفاس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ مہدوی اپنی ناک کو آلۂ ذکر قرار دیتے ہیں۔ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے اپنے ایک رسالہ [1] میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔

" صفت نا سزا که نسبت یاران سید محمدی کنند خطائے محض است زیرا چه آنکه میگویند که یارانِ سید محمد بینی را آلۂ ذکر ساخته اند۔۔ الخ۔

یعنی متبعینِ سید محمد مہدی علیہ السلام پر جو الزام عاید کرتے ہیں کہ انھوں نے ناک کو آلۂ ذکر قرار دیا ہے " محض غلط" ہے۔

اس کے بعد آپؓ نے کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کی پیروی کو واضح کرتے ہوئے یہ آیت بیان کی ہے :-

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ (سورۃ الاعراف۔205)

ترجمہ :- اور صبح شام ذکر کرو اپنے رب کا عاجزی و خوف کی حالت میں نہ کہ کھلی آواز میں اور غافلوں میں شامل نہ ہو جاؤ۔

نیز یہ آیت بھی درج فرمائی ہے :-

اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ۝ (سورۃ مریم-3)

ترجمہ :- جب کہ اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا۔

اس کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

چوں مصطفی علیہ السلام و پیغمبرانِ دیگر مامورند ذکر خفی باشند پس معلوم شد کہ ذکرِ خفی اولیٰ تر است از ہمہ اذکار و آلتِ ذکر قلب است و تا آں کہ یادِ حق در دل قرار نگیرد ذاکر از صفات غفلت بیروں نیاید و قرار نگیرد و ذاکر از صفاتِ غفلت بیروں نیاید و قراردادن یادِ حق را بغیر پاس داری نفس محال باشد و بغیر ذکر پاسِ انفاسِ دل از خواطر دو اوھام پاک نشود زیرا چہ منشاء و مستقر قلب است۔۔ الخ۔

ترجمہ :- جب محمد مصطفیٰ ﷺ اور دیگر پیغمبر ذکرِ خفی پر مامور ہیں تو معلوم ہوا کہ ذکرِ خفی تمام اذکار میں اولیٰ تر ہے۔ اور آلۂ ذکر قلب ہے جب تک یادِ حق دل میں قرار نہ پائے ذاکر صفاتِ غفلت سے بچ نہیں سکتا۔ اور بغیر پاسِ انفاس کے ذکر قائم ہونا محال ہے اور پاسداریِ سانس کے بغیر دل خطرات و اوہام سے پاک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ سانس کا منشاء اور مستقر قلب ہے۔ اس کے بعد آگے چل کر فرماتے ہیں کہ :-

---

1- یہ رسالہ 1850ھ ہجری نقل کردہ ہمارے پاس محفوظ ہے اور ہم نے متعدد نسخوں سے اس کا مقابلہ بھی کیا ہے۔

نفس مقید به بینی نیست بلکه اورا دخل درجمیع اعضاء است عهم ازیں جهت همه ردندگان راهِ حق و جویندگان ذات مطلق ذکرخفی را اولیٰ اثر داشته اند زیراکه بے ذکرِ خفی و ذکرِ پاسِ انفاس وجودِ ذاکر از لوث دریا وعجب پاک نشود و ذکرِ دوام حاصل نیاید ازجهت آں که اگر ذکرِحق را بر زباں آرد گاهے باشد که ذاکر بحکایت و بخوددن و نجسپیدن مشغول شود و چوں مشغول بجزئے شود از یادِ حق بازمند دازجمله غافلاں باشد وغفلت صفتِ مومن نیست۔۔الخ

ترجمہ :- سانس ناک میں مقید نہیں رہتی اس کا دخل تو تمام اعضائے جمانیہ میں ہے۔ اِسی لئے سالکینِ راہِ حق و طالبینِ ذات مطلق نے ذکرِ خفی کو اولیٰ تر قرار دیا کیونکہ ذکرِ خفی اور ذکرِپاسِ انفاس کے بغیر ذاکر کا وجود لوثِ دریا و عجب سے پاک نہیں ہوسکتا اور ذکرِ دوام حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ذکرِ حق زبان سے کیا جائے توچونکہ کبھی ذاکر مصروفِ گفتگو ہو گا کبھی کھانے سونے میں مشغول ہوگا۔اور جب کبھی دوسری مشغولیت ہوگی زبان کے ذریعہ یادِ حق سے باز رہے گا اور غافلین میں شمار ہوجائے گا۔ حالانکہ غفلت مومن کی صفت نہیں ہے۔

اس کے بعد دورانِ بحث میں حدیثِ شریف " کل نفس یخرض بغیر ذکر اللہ فھو میت "۔ (ہر سانس جو بغیر ذکرِ خدا کے نکلے مردہ ہے) پیش کرکے فرمائے ہیں کہ :-

در قولِ رسول الله صلی الله علیه وسلم حکمت آنست که نفس را درآمد در دل و در جمیع اعضاء است وچوں نفس با ذکرِحق سرایت درجمیع اعضاء کنید و ازفیضِ ذکر اثرحیات درجمیع اعضاء پیدا آید تا درختِ ایمان را در دلِ ذاکر برویاند۔ کما قال النبی صلی الله علیه وسلم لااله الا الله ینبت الایمان کا ینبت الماء البقلة بداں اے عزیز! چوں مقصودِ آں باشد که بواسطه پاس داریِ نفس یادِ حق دردل قرار گیرد ونفس با ذکرِحق درون ودر بیرون آید خواه از دهن خواه بینی و ایں هردو راه نفس اند بواسطه گذر نفس بینی آلهٔ ذکر نمی شود زیراچه نفس مطلق است ویارانِ سید محمد را مقصود آنست که بواسطه پاسداریِ نفس یادِ حق در دل قرار گیرد و بذکرِ خدا اطمینانِ قلب حاصل شود " کما قال سبحانه وتعالیٰ اتطمئن قلوبهم بذکرالله الا بذکرالله تطمئن القلوب۔(رعد)

ترجمہ :- رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں حکمت یہ ہے کہ سانس کو چونکہ دل میں اور تمام اعضاء میں دخل ہے جب سانس ذکرِ حق کے ساتھ تمام اعضاء میں سرائیت کرے گی اور ذکر کے فیض سے حیات کا اثر تمام اعضاء میں ہوگا تو ذاکر کے دل میں ایمان کا درخت اگائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " لَااِلٰهَ اِلَّا اللهُ " ایمان (کا درخت) اس طرح اگاتا ہے جس طرح کہ پانی سبزی کو اگاتا ہے۔ اے عزیز! تو جان لے مقصد یہی ہے کہ سانس کی پاسداری سے ذکر اللہ دل میں قرار پائے اور سانس ذکر اللہ کے ساتھ اندر جاتی اور باہر آتی ہے خواہ منہ کے ذریعہ یا ناک کے ذریعہ۔ یہ دونوں سانس کے راستے ہیں۔ سانس محض اس راستہ سے گذرنے کی وجہ ناک ذکر کا آلہ نہیں قرار دی جاسکتی کیونکہ سانس تو بذاتِ خود مطلق ہے۔ اور متبعینِ حضرت سید محمد مہدی علیہ السلام کا مقصد یہی ہے کہ سانس کی پاسداری کے ذریعہ ذکر اللہ کو قلب میں قائم کیا جائے اور ذکرِ خدا سے قلب ہی کو اطمینان نصیب ہوسکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذکر اللہ سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں۔ ابر ہو کہ ذکر اللہ کے ذریعہ قلوب اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

اور یہی حصولِ دیدار کا ذریعہ بھی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝27 ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝28 فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝29 وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝30(سورۃ الفجر-27-30)

ترجمہ :- اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی بہ رضا ہو اور میرے بندوں میں شامل ہو کر میری جنت (دیدار) میں داخل ہوجا۔

امامنا علیہ السلام نے ذکر میں اور " لَااِلٰهَ اِلَّا اللهُ " ہی کو مخصوص فرمایا ہے۔ اور اسی کو انبیاء وصحفِ سماویہ کا مقصد قرار دیا ہے۔ اور ذکرِ خفی کی تعلیم کی وجہ سے بجز ذاتِ باری تعالیٰ کے اور کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ اس کے برخلاف

دیگر اوراد و وظائف میں غیراللہ کا تعلق ہوسکتا ہے اور ریاء و لوث بھی شامل رہ سکتا ہے۔ مثلاً حصولِ رزق و رفعِ تنگدستی کے لئے " یا قوی" اور کسی کی محبت قائم کرنے کے لئے " یا ودود" کا ورد کیا جاتا ہے۔ ایسے اور اوارد میں اگرچہ خدا کا نام ہے لیکن اوراد کا مقصد خدا نہیں۔ اِسی لئے امامنا علیہ السلام نے صرف ذکرِ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ" کی پابندی فرض قرار دی ہے۔ جس میں غیراللہ کی طلب کا شائبہ بھی نہیں۔

اللہ تعالٰی نے صاف و صریح طور پر کئی مقامات پر واضح فرمایا ہے کہ ذکرِ الٰہی اور عبادات خالصاً لوجہ اللہ ہونا ضروری ہے۔ کیوں کہ جس مقصد و منشاء کے تحت عمل کیا جائے گا معناً وہی مقصد و منشاء اس کا معبود و مقصود قرار پائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا :-

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ ط (سورة الفرقان-43)

ترجمہ :- کیا تونے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی ہوس و خواہش کو اپنا معبود بنالیا۔

روایت ہے کہ ایک موقع پر کسی نے چار بڑی کتبِ سماویہ کے نزول کی ماہیت کی نسبت حضرت مہدی علیہ السلام سے سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ :- مراد از توریت و زبور و انجیل و فرقان بیک کلمه اندک لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ است۔ یعنی توریت، زبور و انجیل و قرآن کے نزول کا مقصد ایک ہی کلمہ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔!(انصاف نامہ)

اس مختصر جواب سے یہ حقیقت عیاں ہورہی ہے کہ بعثتِ انبیاء و نزول کتبِ سماویہ کی علت غائی فی الاصل اقرار و معرفتِ توحیدِ باری تعالٰی ہے اس کے سوائے عبادات و معاملات وغیرہ مسائل سے متعلق جو کچھ تعلیمات و احکام ہیں وہ لوازمِ ضروریہ ہیں۔ اسی لئے اسلام کی ابتداء بھی کلمہِ طیبہ سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا بھی اس کلمۂ طیبہ سے جس جس میں پہلے الہ کی نفی کی تعلیم دی گئی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مومن جب کبھی الا اللہ کی روح

میں جس کسی الہ کو حائل پائے گا اس الہ کو ترک کرکے الا اللہ کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیوں کہ اقرار " باللہ " پر نفی " غیر اللہ " کو مقدم رکھا گیا ہے۔

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے ** ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

وہ رمزِ شوق جو پوشیدہ " لا الہٰ " میں ہے ** طریق شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیے

(اقبالؔ)

غرض امامنا علیہ السلام کی تعلیمات میں خصوصیت کے ساتھ اس امر کی اہمیت پائی جاتی ہے کہ ذکرِ الٰہی اور عبادات میں خیالِ " ماسوی اللہ " کا شمہ برابر بھی دخل باعثِ خلل تصور کیا جائے۔

روایت ہے کہ بندگی میاں سید سعد اللہؒ ح1 و بندگی میاں سید عبدالطیفؒ میں بہت محبت تھی اور ثانی الذکر اول الذکر سے علاقہ (بیعت) بھی کیا تھا۔ نمازِ جماعت میں سید سعد اللہؒ اگر امام ہوتے تو میاں عبدالطیف حاضر ہوتے ورنہ دوسرے امام کی اقتداء میں نماز کم ادا کرتے تھے۔ فقرائے دائرہ سے کسی نے ایک دن میاں سید سعد اللہؒ سے عرض کیا کہ میاں عبدالطیف نمازِ جماعت میں کم آتے ہیں۔ میاں سید سعد اللہؒ نے مسکرا کر فرمایا آپ ہی پوچھیئے تمام برادرانِ دائرہ نے پوچھا کہ آپ تمام جماعت میں کیوں کم آیا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ جب امام حاضر نہیں ہوتا ہے تو میں تنہا پڑھ لیتا ہوں۔ برادرانِ دائرہ نے کہا امام تو ہر نماز میں حاضر رہتا ہے؟ پس میاں نے نمازِ مغرب کی جماعت میں شریک ہونے کے بعد ایک دو رکعت ادا کرکے نیت توڑ کر علیحدہ نماز ادا کی۔ تمام برادرانِ دائرہ نے عرض کیا کہ اس وقت امام حاضر ہونے کے باوجود آپ نے تنہا نماز کیوں پڑھی؟ میاں نے فرمایا کہ امام حاضر نہ تھا (بے حضورِ قلب تھا) تیلی کے گھر ایک جراف چراغ کا تیل لانے گیا تھا۔ پھر میں کس کے پیچھے نماز پڑھتا!!۔ اس کے

بعد امام نے عرض کیا صحیح فرماتے ہیں کہ میرے دل کا خطرہ اِسی جگہ سے متعلق تھا اس کے بعد تمام برادرانِ دائرہ کا حسنِ اعتقاد زیادہ ہوگیا اور (اس درسِ عمل پر میاں عبداللطیفؒ) ممنون ہوئے۔

(اخبارِ اسرار باب 2 فصل 9)

میاں عبدالطیفؒ کی اس باطنی کیفیت پر اُن کے مرشد میاں سید سعد اللہؒ آگاہ تھے کیوں کہ مسکرا کر انہیں سے پوچھو کا حکم دینا اِسی بات کی علامت ہے۔ اور روایت کے اندازِ بیان سے ظاہر ہے کہ امام کے حضورِ قلب کے بغیر میاں عبدالطیفؒ کو نماز میں تسکین نہ ہوتی تھی اور اُن کی اس خاص کیفیت کی وجہ اُن کے مرشد نے اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا تھا اور دائرہ میں عام حیثیت سے جو نماز ادا ہورہی تھی وہ چونکہ از روئے احکامِ شرعیہ پورے ارکان ظاہرہ کی حامل اور جواز کا فتویٰ رکھتی تھی اس لئے صاحبِ دائرہ میاں سید سعد اللہؒ نے حضورِ قلب کی باطنی کیفیت اور اس کیفیت کے کشف اور اس کے اثر کو جو ہر صاحبِ کشف کا خصوصی ذاتی معاملہ ہے خصوصیات ہی کی حد میں اور عام ظاہرہ حیثیت میں جو نماز کو متاثر کرنے والا کوئی حکم صادر نہیں فرمایا۔ کیونکہ باطنی خصوصیت ہر فرد کے بس کی بات نہیں۔ برادرانِ دائرہ کا حسنِ اعتقاد زیادہ ہونا اور میاں عبدالطیفؒ کا ممنون ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس درسِ عمل سے نماز کی باطنی خصوصیت، حضورِ قلب، ترکِ خیالِ ماسوی اللہ کی طرف توجہ انھیں قائم ہوگئی اور اس کشف و عمل کے اظہار کی علتِ غائی بھی یہی تھی۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ احکامِ شریعت کے تحت جو شخص نماز ادا کرتا ہے ہر عالمِ شریعت اس کی نماز ادا ہونے کا فتویٰ دے گا۔ جو نحن نحکم بالظاھر کے بالکل مطابق ہے۔ لیکن ایک عارف باللہ سے بھی پوچھو وہ اگر کہدے کہ نماز ادا ہوگئی تو سمجھو کہ فی الحقیقت وہ نماز کیسی ہوگی!!

غرض واقعہ مذکورالصدر تبع تابعین سے ملحق زمانہ کا ہے۔ اِسی پر سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جو لوگ حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھے اور آپؑ کی تعلیمات و فیضِ صحبت سے راست مستفیض ہو رہے تھے اُن کے ذکر ونماز کی باطنی خصوصیات کا کیا عالم ہوگا۔!!! جب کہ امامنا علیہ السلام نے یہ خوشخبری سنائی ہو کہ :-

" یک نظرِ بندہ بہتر از عبادتِ ہزار سالہ "

یعنی بندہ کی اک نظر ہزار سالہ عبادت سے بہتر ہے۔

اک شرعِ مسلمانی اک جذبِ مسلمانی ** ہے جذبِ مسلمانی سرِ فلک الافلاک

اے رہروِ فرزانہ بے جذبِ مسلمانی ** نے شاخِ عمل پیدا ، نے شاخِ یقیں نمناک

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ج (سورۃ الانعام-102)

ترجمہ :- یہی تمہارا رب ہے اس کے سوائے کوئی عبادت کے لایق نہیں ۔ وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے پس تم اسی کی عبادت کرو۔

اور ایک جگہ فرماتا ہے :-

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ط

(سورۃ النور-41)

ترجمہ :- کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان میں کی ہر چیز اور اڑنے والے پرندے اس کی تسبیح پڑھتے ہیں ۔ ان میں کا ہر ایک اپنی نماز اور اپنے ذکرِ الٰہی سے واقف ہے ۔

جب زمین و آسمان میں کی ہر چیز اپنے اپنے حدود میں ذکر و عبادت کی خصوصیت کی حامل ہے تو انسان کی عقل و تمیز کا اقتضاء یہ ہونا چاہیئے کہ اس کی عبادت اور اس کے ذکر کو خود آپ ہی اپنے پر فرض قرار دے لے ۔ اس کے بجائے احکامِ فرض اور تاکید و تفہیم کے باوجود مائل بہ تاویلات ہونا ذکر اللہ کی آیتوں سے ذکر اعمالِ الٰہی وغیرہ معنوں کو مخصوص کردینا منشاءِ تعلیماتِ الٰہیہ کے سراسر منافی ہے ۔

گفت مرگِ عقل ؟ گفتم ترکِ فکر ** گفت مرگِ قلب ؟ گفتم ترکِ ذکر
گفت تن ؟ گفتم که زاد از گردِ راه ** گفت جاں ؟ گفتم که رمزِ لا اله
گفت آدم ؟ گفتم از اسرارِ اوست ** گفتِ عالم ! اُو خود روبرو ست

(اقبالؒ)

توضیح روایات دربیانِ توکل :- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ
یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ 2 اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ 3 اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَھُمْ دَرَجٰتٌ
عِنْدَ رَبِّھِمْ وَ مَغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝ 4 (سورۃ الانفال-2-4)

ترجمہ :- بے شک ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے قلوب ڈر جاتے ہیں ۔ اور جب اُن پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ آیات اُن مومنین کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ مومنین اپنے رب پر

توکل کرتے ہیں ۔ وہ لوگ نماز قایم رکھتے ہیں اور ہم جو کچھ رزق اُن کو عطا کریں خرچ کرتے ہیں ۔ یہی سب سچے مومنین ہیں جن کے لئے اُن کے رب کے پاس مرتبے ہیں ۔ بخشش ہے اور رزقِ کریم ہے ۔

توکل کو مومن کی صفات میں شمار کیا ہے اور کمالِ ایمان کی توضیح کے لئے " هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ" فرمایا ہے ۔ توکل کے بھی مدارج ہیں جن کا تعلق راست ایمان کے مدارج سے ہے ۔ جیسے جیسے معرفتِ توحید و ایمان کے مراتب میں ترقی ہوتی جائے گی ویسے ہی نورِ یقین میں اضافہ ہوتا جائے گا ۔ اوریہی توکل کے مدارج کے ارتقاء کی علت ہے اور ہر مومن کو اس کے درجۂ ایمان کے مطابق توکل کا درجہ حاصل ہوگا ۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے "لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ" فرمایا ہے ۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ط اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ (سورۃ آل عمران-159)

ترجمہ :- جب تو عزم کرلے تو اللہ پر توکل کر ۔ کیونکہ اللہ متوکلوں کو پسند کرتا ہے ۔

نیز فرمایا ہے :-

وَعَلَى اللهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورۃ المآئدۃ-23)

ترجمہ :- اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مومنین ہو ۔

اور بہت سی آیات ہیں جن سے توکل کی اہمیت اور تاکید ثابت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے جب توکل کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے تو پھر توکل فرض ہوجاتا ہے ۔ خواہ یہ کتنا ہی کم درجہ کا ہو ۔ کیوں کہ جن احکام پر حصولِ ایمان موقوف ہو اُن احکام کی تعمیل بالضرور فرض ہوگی ۔ اِسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے بحکم خدائے تعالیٰ ہر مومن کے لئے توکل فرض فرمایا ہے ۔

اس کے علاوہ رزق کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے بارہا واضح فرمایاکہ وہی رزاقِ حقیقی ہے چند آیات یہ ہیں :-

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ۝ (سورة الذّٰریٰت-58)

ترجمہ :- بے شک اللہ ہی رزاق ہے مضبوط و مستحکم قوت والا ہے۔

وَمَامِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّاعَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا -- الخ (سورة ھود-6)

ترجمہ :- دنیا میں کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ پر نہ ہو۔

جس طرح اپنے خالق ہونے کی صفت کواہمیت سے بیان فرمایاہے اِسی طرح اپنے رازق ہونے کا بھی قوی یقین مومنین کے قلوب میں پیدا کرنے کی اس نے کوشش کی اور یہی حقیقت بھی ہے۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون * * کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب

کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ ساز گار * * خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب

کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب * * موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

(اقبالؒ)

غرض اللہ تعالیٰ ہی رازقِ حقیقی ہے اسی کی ذات پر توکل فرض ہے۔ جس کی تعمیل حسبِ قوتِ ایمان و نورِیقین کی جاسکتی ہے۔ اسباب و تدبیر اختیار کرکے اللہ پر توکل کرنا ابتدائی درجہ ہے۔ عشق و محبت اور ذکر و فکر میں ترقی سے توکل کے مدارج میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اسباب پر سے نظر اٹھ کر صرف مسبب سے وابستہ ہوجاتی

ہے۔ توکل کا انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اپنے تمام ذاتی کاروبار کو خدا پر سونپ دے ، راضی برضا اور بے اختیار ہوجائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا تھا کہ :-

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ (سورۃ المزمل-9)

ترجمہ :- اللہ مشرق ومغرب کا پروردگار ہے اس کے سوائے کوئی اِلٰہ نہیں پس تو اسی کو وکیل بنالے۔

آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی روایات شاہد ہیں کہ آپؐ نے خدائے تعالیٰ کی عبادت و ریاضت اور تبلیغِ دین کے لئے اپنے کو وقف فرمادیا تھا۔ تجارت ، زراعت ، ملازمت وغیرہ کسبِ معیشت سے متعلقہ اُمور میں آپؐ کے اوقات صرف نہ ہوتے تھے۔

آپؐ کے خاص صحابہؓ و اصحابِ صفہؓ نے بھی آپؐ کے اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کی ہے اور اولیاء وصالحینِ کرامؒ کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی خدا کے حکم سے توکل کو فرض قرار دیا اور اس کے اعلیٰ مدارج تک رہبری فرمائی۔

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر ** جس فقر کی اصل ہے حجازی

اس فقر سے آدمی میں پیدا ** اللہ کی شانِ بے نیازی

روشن اس سے خرد کی آنکھیں ** بے سرمۂ بو علی و رازی

مومن کی اِسی میں ہے امیری * * اللہ سے مانگ یہ فقیری

(اقبالؔ)

توکل کے باب میں حضرت مہدی علیہ السلام نے حلال اور حلال طیب کا جو نازک فرق دِکھایا ہے وہ روایت (73) میں ملاحظہ ہوکہ آپؑ نے فرمایا" بندہ کو اختیار و کوشش سے شرع کے موافق جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ حلال ہے ۔ لیکن حلال طیب نہیں ۔ حلال طیب تو وہ ہے کہ بے اختیار پہنچ جائے اور حلال پر محاسبہ ہے ، حلال طیب پر محاسبہ نہیں ہے" ۔

ما قال اللہ تعالیٰ :- كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (سورۃ آل عمران-37)

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ۔ جب کبھی زکریاؑ مریمؑ کے پاس کوٹھری میں داخل ہوتے وہاں رزق موجود پاتے ۔ انھوں نے کہا اے مریمؑ یہ (رزق) تمہارے لئے کس طرح پہونچتا ہے ؟ (مریمؑ) نے جواب دیا یہ اللہ کے پاس سے (آتا) ہے بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے ۔(سورۃ آل عمران ۔ 37)

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز حلال ہو اس کا حساب ہوگا اور جو حرام ہو اس پر عذاب ہوگا ۔ اور جو طیب ہو وہ بے حساب ہے ۔ (یعنی اس کے بارے میں پوچھ نہ ہوگی) روایت 73) اور روایت 74 ملاحظہ ہو کہ (ایک دفعہ ایک شخص) خدائے تعالیٰ (کے نام سے) کچھ بھیج دیا ۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ حلال طیب ہے ۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ حلال ہے حلال طیب نہیں کیوں کہ دوتین روز قبل اس کی خبر پہنچی تھی کہ وہ(شخص) بھیجنا چاہتا ہے ۔۔۔۔۔۔الخ اور روایت (146) میں یہ توضیحی فقرہ بیان ہوا ہے کہ " شرطِ توکل

بربغتتہً است" یعنی دفعتہً بے شان و گمان اچانک جو پہنچ جائے حلال طیب ہے اور توکل کا اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔

آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال چیزیں محض امتحان کے لئے پیدا کی ہیں چنانچہ فرماتا ہے:-

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۝7 وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا۝8(سورۃ الکھف 7-8)

ترجمہ :- روئے زمین میں جو کچھ ہے اس کو ہم نے زینت کے لئے بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو جانچیں کہ کون ان میں اچھا عمل کرنے والا ہے۔ اور ہم اس کو (مٹا کے چٹیل میدان بنادینے والے ہیں)

اِسی لئے حلال کو بے حساب نہیں سمجھا جاسکتا اس کی پوچھ برابر ہوگی۔

فان حلالها حساب و حرامها عذاب (فردوس دیلمی حرف الف ماخوذ از کحل الجواہر)

یعنی دنیا کا حلال حصہ قابلِ حساب ہے اور حرام حصہ موجبِ عذاب ہے۔

روایت ہے کہ " حضرت عمرؓ کو ایک روز تشنگی ہوئی تو آپؓ کے لئے شہد اور ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا۔ آپؓ نے اس کو ہاتھ میں رکھ لیا اور نہیں پیا۔ فرمایا کہ مجھ سے اس کے حساب کو دور کردو۔ دنیا خواہ تھوڑی ہو یا بہت اور حلال و حرام سب کچھ ملعون ہے۔ سوائے اس کے جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں مدد دے کیونکہ اس قدر دنیا مذموم نہیں اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ و پرہیزگاری اور تزکیۂ نفس کے لئے توکل کی منزل میں مومن کو قلب کی تسکین ضروری ہے۔

وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محروم * * وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

روایت (147) ملاحظہ ہو کہ حضرت بندگی میاں الہداد شاعر رضی اللہ عنہٗ نے ایک دن کچھ رقم حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ یہ رقم اپنے پاس رکھو میاں الہدادؓ نے اس کو اپنے پاس امانتہً رکھا کچھ عرصہ بعد حضرت مہدی علیہ السلام نے اس رقم کو طلب فرمایا میاں الہدادؓ نے اسی وقت حاضر کردی اور حضرت مہدی علیہ السلام نے سویت کرادی میاں الہدادؓ نے کہا میں فقراء کی جماعت میں مردار خوار ہوں۔

حضرت بندگی الہدادؓ کے پاس جو رقم تھی سویت کے وقت اس رقم سے اُن کو بھی حصہ ملا۔ تو اس پر ان کو خیال گذرا کہ اس سے اُن کے توکل و تزکیہ نفس میں خلل ہوا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ سویت سے قبل اس رقم کے حسبِ عادت سویت کئے جانے اور اُن کو حصہ ملنے کا خیال گذرا ہو۔ اس لئے انتہائے احتیاطِ تقویٰ کی وجہ اُن کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ "فقراء کی جماعت میں مرادار خوار ہوں" انصاف نامہ کی ایک روایت سے ایسے عمل کی تائید ہوتی ہے:-

میاں فرید مہاجرؓ سے روایت ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے حجرہ میں ہو اور (کسی کے) نعلین کی آواز سن کر اس کے دل میں خیال پیدا ہو کہ کوئی فتوح لا رہا ہے تو یہ توکل کے خلاف ہے۔

(انصاف نامہ باب 6) اس لحاظ سے حضرت بندگی میاں الہدادؓ کا عمل تعلیماتِ امامنا علیہ السلام کے عین مطابق ہو جاتا ہے۔ استاذی مولانا محمد سعادۃ اللہ خاں صاحب نے لفظِ "مردار خوار" کی نسبت یہ خیال ظاہر کیا کہ ممکن ہے یہ سہوِ کتابت ہو۔ فی الاصل "مردِ ارخدار" ہوگا۔ یعنے مجھے فقراء کی جماعت میں یہ امتیاز حاصل ہوا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے حساب و کتاب کی خدمت سے سرفراز کیا گیا ہوں۔ کیونکہ "ارخ" حساب و کتاب کو کہتے ہیں اور مردِ ارخدار کے معنے حساب و کتاب رکھنے والا آدمی۔ واللہ اعلم۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق ** جو تجھے حاضر و موجود سے بے زار کرے

موت کے آئینے میں تجھکو دِکھا کر رخِ دوست ** زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے ** فقر کی شان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

(اقبالؒ)

غرض امامنا علیہ السلام نے حلال اور حلال طیب کا نکتہ جس انداز سے سمجھایا اور آپؑ کے متبعین نے اس پر جس درجہ عمل کیا وہ ذیل کی روایات سے واضح ہے۔ روایت (148) ملاحظہ ہو کہ شیخ صدرالدین سندھی رضی اللہ عنہٗ آدھی رات کو حجرہ میں ہاتھ بڑھا کر روٹیاں رکھدیتے تھے کہ کسی کو خبر تک نہ ہوتی تھی کہ کس نے رکھا ہے۔ یہ واقعہ دو رات پیش آیا۔ طالبانِ خدا نے حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں بحالت زاری فریاد کی کہ میرانجیؒ رہزنی ہو رہی ہے۔ حضرتؑ نے دریافت فرمایا کہ کیا ہورہا ہے؟ عرض کرنے لگے کہ دو راتوں سے یہ واقعہ پیش آرہا ہے کہ کوئی شخص حجرہ میں اپنا ہاتھ دراز کر کے روٹیاں رکھ دیتا ہے معلوم نہیں ہوتا کہ کون شخص ہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ طالبانِ خدا کو ایذا مت دو! تاکہ دل غیر اللہ کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔

فقر و فاقہ کے باوجود اس خفیہ امداد کا ضمیر پر شاق گزرنا اور زاری کی حالت میں شکایت کرنا اس بات کی بدیہی دلیل ہے کہ غیر اللہ پر نظر نہ رکھنا، حلال طیب کی جو شرط ہے اس کی حفاظت کی طاقت بدرجہ اتم ان میں موجود تھی۔

تعلیمِ توکل میں سوال سے بچنے کی بہت زیادہ اہمیت پائی جاتی ہے۔ ترکِ دنیا کی بحث میں "یَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ" (سورۃ البقرہ-273) آئیہ شریفہ کی توضیح کے تحت اس کا بیان کیا جا چکا ہے حالتِ اضطرار میں جب کہ حرام کو حلال قرار دیا جاسکتا ہے اس وقت بھی امامنا علیہ السلام نے مومن کے شعور کو بیدار رکھنے کی سعی فرمائی ہے چنانچہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ :-

باز فرمودند اگر متوکل باضطرار رسد بایں اشیائے مردار بخورد فاما سوال نکند (شواہد الولایت باب 33)

ترجمہ :- حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ متوکل اضطرار کی کیفیت میں ہو جائے تو مردار کھائے لیکن سوال نہ کرے۔

سفرِ خراسان کا اس چودہویں صدی ہجری کے سہولت بخش زمانہ میں جن لوگوں کو موقع و تجربہ حاصل ہوا ہو بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ ساڑھے چار سو سال قبل کے زمانہ میں کس قدر کٹھن سفر ہوگا۔ اس پر مزید کیفیت یہ کہ بے زادِ راحلہ سفر، کوئی سازو سامان نہیں۔ فقر و فاقہ کی حالت میں اُن خطرناک مقامات کا سفر تنہا نہیں، جماعتِ کثیر مع اہل و عیال ساتھ ہے۔ درخت کے پتوں پر اکثر گذارہ ہو رہا ہے لیکن سفر برابر جاری ہے۔ ہمراہیوں کی عالی ہمت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ حضرت میاں یوسف رضی اللہ عنہٗ جن کے پیر میں زخم آگئے تھے راستہ میں ایک مقام پر زخم صاف کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔ قافلہ گزر رہا تھا جب امام علیہ السلام اُن کے قریب سے گزرے تو سوال کیا کہ میرانجیؒ! "مہدیِ موعودؑ" کی جماعت پر نہایت سخت و کٹھن وقت جو آنے والا ہے وہ کب آئے گا؟

آپؑ نے فرمایا وہ یہی وقت ہے اللہ کے فضل سے تمہارا ظرف بڑا ہے اس لئے تم کو معلوم نہیں ہورہا ہے۔"

نیز ایک روایت یہ بھی ہے کہ سفرِ خراسان میں ایک مقام پر ایک اونچے ٹیلے پر آپؑ چڑھ گئے۔ پیچھے سے آپؑ کی جماعت جو چلی آرہی تھی اس کو ملاحظہ فرمانے لگے جن میں عورتیں، بچے، ضعیف، مریض سب ہی شامل تھے۔ آپؑ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ اس وقت آپؑ نے بارگاہِ رب العزت سے التجاء کی کہ :-

ائے اللہ ! تو حاضر و ناظر ہے ۔ علیم و خبیر ہے ۔ بندے کے اور ان لوگوں کے حال سے بخوبی آگاہ ہے کہ اس بندہ نے ان لوگوں کی کوئی محبوب چیز اپنے قبضہ میں نہیں رکھ لی ہے ۔ اور نہ ان کو زر و دولت دلانے کا وعدہ کیا ہے کہ جس کی وجہ یہ لوگ اس قدر مشقت پر مجبور ہوئے ہوں اگر ان کا مجھ پر کوئی حق ہے تو یہ کہ میں ان کو تیرے عشق و محبت اور تیری معرفت کا راستہ دکھا سکتا ہوں ۔ اِسی وقت فرمانِ ایزادی ہوا کہ "ائے سید محمدؑ ! میں نے اس جماعت کے سب چھوٹے بڑوں کے گناہ بخش دیئے ہیں ۔ تو اُن کو ایمان کی بشارت دے ۔" پھر آپؑ نے سب کو اس فضلِ ایزادی پر آگاہ کیا اور ایمان کی بشارت عطا فرمائی ۔

غرض دعویٰ موکد کے بعد کے طویل اور انتہا درجہ سخت آزمایشِ ایزدی کے زمانے میں بارہا اضطرار کی صورت پیش آئی ۔ کئی نفوسِ مطہرہ نے فاقہ سے جامِ شہادت نوش کیا۔ لیکن اس وقت سوال کی اجازت دینے کا کوئی واقعہ کتبِ نقلیات میں نہیں پایا جاتا۔ آپؑ نے صرف سوال ہی کو توکل کے منفی نہیں قرار دیا بلکہ صورتِ سوال سے بھی صریح طور پر منع فرمایا ہے ۔ چنانچہ نقلیات کی فہرست میں بیانِ توکل کے تحت جو روایات ہیں اُن میں اِسی نکتہ کا پہلو شامل پایا جاتا ہے ۔ اور توکل کی حسبِ ذیل خصوصیات کا علم ہوتا ہے ۔

(1) ایک ہی شخص کی باربار لائی ہوئی فتوح پر تعین کا حکم لگایا گیا اور لینے سے انکار کیا گیا ملاحظہ ہو روایت (135)

(2)۔ دائرے میں فتوح جو روانہ کی جاتی اس میں بعض فقراء کے لئے تعداد اگر مخصوص کر دی گئی ہو تو اس کو قبول نہ کیا گیا ملاحظہ ہو رویت (149)، (150)، (151)

(3)۔ اہلِ دائرہ سے کوئی شخص کسی دولت مند کے گھر جائے اور وہ اس کو کچھ دے یا اس کے ذریعہ دائرہ کے لئے کچھ بھجوائے تو اس پر فتوح کا حکم عاید نہیں کیا گیا اور صاحبِ دائرہ کو قبول نہ کرنے کا حکم دیا گیا ۔ ملاحظہ ہو روایت (72)، (153)

(4)۔ اگر کوئی دولت مند دائرے کے لئے فتوح یا عشر روانہ کرنے کی غرض سے دائرہ کے کسی فقیر کو لے جانے کی درخواست کرتا تو قبول نہ کی جاتی تھی اور فقراء کو جانے سے منع کیا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو روایات (152) تا (156)

(5)۔ اگر کوئی صرف رشتہ قرابت کی وجہ کچھ دیتا اس میں للہی غرض شامل نہ ہوتی تو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو روایت (157)

(6)۔ کسی مہدوی تاجر سے اس نیت کیساتھ خریدنا کہ وہ رعایتہً کچھ زاید دے گا ممنوع تھا۔ چنانچہ درئرے کے مہدویوں کے گھر سے بعض فقراء اسی نیت سے چھاچھ لائے تھے مع برتن پھینک دی گئی۔ ملاحظہ ہو روایت (78)

(7)۔ فتوح کی توقع اور اس کا انتظار مانعِ توکل قرار دیا گیا۔ ملاحظہ ہو روایت (71)

(8)۔ جو اللہ دے اس کو خرچ کرے جمع رکھنے کی کوشش نہ کی جائے ۔ ملاحظہ ہو روایت (136) جب کہ بی بی الہدادی رضی اللہ عنہا وفات پائیں تو اُن کی دامنی سے سونے کا ایک تنکہ نکلا۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ گرم کرکے اُن کی پیشانی پر داغ دو۔ پیغمبر ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو میاں سید سلام اللہ رضی اللہ عنہٗ جو کہ قبر کی تیاری کر رہے تھے سن کر جلد آ گئے اور قسمیہ کہنے لگے کہ یہ تنکہ بی بیؓ کا نہیں ہے بلکہ بی بی فاطمہؓ کا ہے۔ فرمایا کہ جس کسی کا ہو اس کے حوالہ کردو۔۔۔الخ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ 34 يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ 35 (سورۃ التوبۃ۔34-35)

ترجمہ :- جو لوگ سونے چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور اُن کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں عذابِ الیم کی بشارت دو۔ جب کہ یہ (مال) جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اس سے اُن جمع کرنے والوں کے پہلو اور پیشانیوں اور پشت پر داغ دیئے جائیں گے۔ (اور یہ کہا جائے گا) یہ وہی ہے جو تم نے اپنی ذاتوں کے لئے جمع کر رکھا تھا۔ پس تم نے جو خزانے جمع کئے تھے اس کا مزہ چکھو۔

اس باب میں احادیث بھی ہیں چنانچہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

من ترک صفراء او بیضاء کوی بھا و توفی رجل ترک فوجد فی میزرہ دینار فقال کیة توفی أخر فوجد فی میزرہ دیناران متحال کیننان (تفسیر کبیر تحت آیتِ مذکورۃ الصدر)

ترجمہ :- جو شخص سونا چاندی چھوڑ کر مر جائے اس کو داغ دیا جائے گا۔ ایک شخص انتقال کر گیا اس کے جیب میں ایک دینار پایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا ایک داغ ہے۔ دوسرے کا انتقال ہوا اس کے جیب میں دو دینار پائے گئے آپؐ نے فرمایا دو داغ ہیں۔

امامنا علیہ السلام نے توکل کے اعلیٰ ترین مرتبہ کی طرف رہبری فرمائی ہے جن مومنین کو لاہوتی مقام حاصل ہو وہ بغیر حلال طیب کے کسی اور طریقہ و تدبیر کے غذا کو اپنے پر حرام سمجھتے ہیں چنانچہ روایت ہے کہ " امامنا علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص فاقہ پر صبر نہ کر سکے تو کیا کرے۔ آپؑ نے فرمایا مرجائے پھر عرض کیا گیا اگر نہ کر سکے تو کیا کرے۔ فرمایا مرجائے پھر عرض کیا گیا میرانجیؑ ! اگر بے چارہ صبر کرنے کی تاب و تواں نہ رکھتا ہو تو کیا کرے فرمایا۔ مرجائے ، مرجائے ، مرجائے۔!! روایت (59)

یہ وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جس پر پہنچنے کے بعد مومن مرجانا ہی قبول کرتا ہے۔ لیکن جیسا توکل کہ اس مقام کے مرتبہ کے لحاظ سے ہونا چاہیئے اس میں فرق آنے نہیں دیتا۔

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ** جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(اقبالؒ)

تعلیماتِ امامنا علیہ السلام میں جس طرح عالیت کے بلند ترین مراتب تک ارتقاء کی رہنمائی کی گئی ہے اِسی طرح رخصت کی حد رکھنے والے احکام بھی موجود ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ:-

مہاجرینؓ کی مجلس میں میراں سید محمد مہدی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی (فقیر) خدائے تعالیٰ پر توکل نہ کر سکے اور ہلاک ہونے کی نوبت آئے تو کیا کرے؟ آپؑ نے فرمایا کہ "جائے اور ایک یا دو چیتل (ٹکے) کسب کر کے کھائے۔۔۔ الخ

اور روایت (70) ملاحظہ ہو جو حضرت شاہِ دلاور رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا:- "اگر خدائے تعالیٰ تنگی کے وقت عرس کے لئے کچھ زیادہ بھیج دے تو اس سے اہلِ دائرے کے لئے دو تین وقت کا خرچ چلانا چاہیئے کیونکہ یہی مستحقِ فتوح ہیں"۔۔ الخ

آپؑ کے نواسے حضرت بندگی میاں سید محمود سیدنجی خاتم المرشدینؓ سے منسوبہ احکامِ رخصت میں تیسرا حکم یہ ہے کہ:- "راسا نیدۂ خدا دو وقت کردہ بخورید۔"

اس سے ظاہر ہے کہ یہ حکم جو آپؓ نے جاری فرمایا اس کی گنجایش احکام حضرت مہدی علیہ السلام میں موجود تھی اور آپؓ نے جو فرمایا حکمِ مہدیؑ کے تحت فرمایا ہے۔

روایت (64) ملاحظہ ہو کہ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ :- " اہلِ نفس فرمایش چاہتے ہیں اُن سے فرمایش نہ کرنی چاہیئے پھر فرمایا کہ دو بیل اور بنڈی اِسی لئے رکھی گئی ہے کہ برادرانِ دائرہ کو ضرورت کے وقت سوال کرنے کی نوبت نہ آنے پائے۔

اس سے ظاہر ہے کہ احکامِ رخصت میں بھی سوال کو جائز قرار دینے کی کوئی رعایت موجود نہیں ہے اور ہوتی کیسے جب کہ خصوصاً دعویٔ موکد کے بعد حالتِ اضطرار میں بھی سوال کو جائز قرار دینے کی کوئی نظیر موجود نہیں ۔ غرض قرآن میں فقیر کی صفتِ " تعفف" کا جو بیان موجود ہے اس کی اتباع کو فقیر کے لئے لازم گردانا گیا ہے۔

گرچہ باشی مور و ہم نے بال و پر ** حاجتے پیشِ سلیمانے میر

(اقبالؒ)

حضرت بندگی میاں سید محمود سیدنجی خاتم المرشدینؓ کے عمل سے توکل کی ایک اور صورت کا علم ہوتا ہے وہ یہ کہ فقرائے دائرہ کاسبین کے گھر نہیں جاتے تھے اُن سے دعوت کی درخواست اس طرح کی جاتی تھی کہ وہ اپنی جگہ پر رہتے اور کھانا خدمت میں پہنچا دیا جاتا۔ فارغ ہونے کے بعد جو کچھ بچ رہتا وہ واپس کر دیا جاتا تھا۔ اگر ایسی خصوصیت کے بغیر مطلقاً اللہ کے نام سے پیش کیا جاتا تو اس صورت میں حسبِ صوابدید استعمال کیا جاتا یا سویت کی جاتی تھی۔

چنانچہ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دعوت کی درخواست کی تھی۔ کھانا تیار کر کے آپؓ کے مکان پر روانہ کیا۔ آپؓ کے بھتیجے میاں سید عبدالحیؒ دسترخوان پر کھانے کے لئے بیٹھ گئے اور آپؓ کی دختر آجی بی بیؓ

پنکھا ہلانے بیٹھ گئیں۔ بی بیؓ پر غشی طاری ہوگئی۔ حضرت نے ہوش میں لانے کی کوشش فرمائی حرمِ محترم نے عرض کیا کہ ایک لقمہ اس بچی کے حلق سے کیوں نہیں اتار دیتے۔ تین دن سے اس پر فاقہ ہے۔ آپؓ نے فرمایا اگر اس کھانے کا لقمہ بچی کے حلق ع1 میں ہوتا تو حلق سے نکال لیتا۔ اس کی عاقبت کی بھلائی چاہتا ہوں اس

ع1 دعوت کے کھانے کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ دعوتی کو صرف کھانے کی حدتک اختیار دیا جاتا ہے مالک نہیں بنایا جاتا اس لئے کوئی دعوتی، اس کھانے میں سے کسی کو خود اپنے اختیار سے دینے کا حق نہیں رکھتا۔ اسی لئے حضرتؓ نے دخترِ نیک کو نہیں دیا۔ اور بچا ہوا واپس فرمایا۔ اس سے یہ پہلو واضح ہو رہا ہے کہ غیر کی ملک کا بغیر اجازت استعمال کس درجہ ممنوع ہے اس احتیاط کی مثال وہ واقعہ بھی ہے کہ جب زکوٰۃ کے کھجور جمع ہوئے تھے اور حضرت امامِ حسین رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت کمسن تھے کھجور منہ میں ڈال لی تو حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے دیکھ کر منہ میں سے وہ کھجور نکال لی تھی۔

اِسی طرح جب کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ نے انگور بھجوائے تھے حضرت میاں حیدر مہاجرؒ نے ایک خوشہ حضرت میاں سید حمیدؒ (کمسن فرزند حضرت مہدی علیہ السلام) کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضرتؑ نے فرمایا یہ فقیروں کا حق ہے انھیں کیوں دیا؟ عرض کیا میرانجی! معاف فرمادیجئے۔ فرمایا تمام فقیروں سے معافی چاہو۔ کہا جاتا ہے ایک دانہ جو میاں سید حمیدؒ نے منہ میں ڈال لیا تھا حضرتؑ نے اپنی انگشتِ مبارک سے اُن کے منہ سے نکال لیا۔ (روایت 141)

بچی کے فاقہ کی بدولت تمام اہلِ دائرہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ اور یہ بچی بھی اِسی وقت کھا سکے گی۔ اور جو کھانا کہ بچ گیا تھا واپس کروادیا۔ (تاریخ سلیمانی گلشن 6 چمن 3)

اس کے بعد صاحبِ تاریخ سلیمانی نے لکھا ہے کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعوت کی درخواست صرف حضرت اور حضرت کے بھتیجے کی حدتک تھی پھر آپ وہ کھانا دوسروں کے لئے کیسے خرچ کرتے۔!! اس سے ظاہر

ہے کہ حضرت سید محمودؓ کا عمل عالیت کی کیسی سخت صبر آزما منزل کا حامل تھا۔ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت سے کھایا کیسے گیا؟ جب کہ گھر والے اور دخترِ نیک پر فاقہ تھا! یہ اتباعِ سنت میں حائل نہ آسکا۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ آپؑ نے رخصت کے جو احکام نافذ فرمائے وہ آنے والے دور کے انسانوں کے لحاظ سے ہیں تاکہ ہر مومن اپنے درجاتِ ایمان کی حد میں فرامینِ مہدیؑ سے استفاضہ کرسکے اور صدقِ دل سے اس کا یہی عمل اس کی ترقیوں کا ذریعہ بن جائے۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ دعونه العمیم۔

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ * * ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

(اقبالؔ)

بعض روایات سے کاسبین کے گھر پر دعوت میں جانے کا حکم بھی پایا جاتا ہے لیکن یہ رخصت کی حد میں ہے عالیت تو یہ ہے کہ نہ جائیں چنانچہ روایت (124) ملاحظہ ہو کہ : حضرت میاں لاڑشہ رضی اللہ عنہٗ راوی ہیں کہ ملکِ خراسان میں حضرت مہدی علیہ السلام جامع مسجد سے واپس تشریف لا رہے تھے راستہ میں ایک خراسانی کا مکان تھا۔ اس نے بار بار عرض کیا کہ مہربانی فرمایئے قدمِ سعادت گھر میں لے چلیئے۔ آپؑ نے ہر بار یہی جواب فرمایا کہ معاف کرو بہت کچھ منت سماجت کے بعد بعض صحابہؓ کو آپؑ نے اجازت دی کہ تم جاؤ۔ یہ حضرات گئے۔ حضرت میاں دلاور رضی اللہ عنہٗ نہیں گئے۔ حضرت میاں سید سلام اللہ رضی اللہ عنہٗ پر بارِ خاطر ہوا اور کہنے لگے کہ آپؓ کیوں نہیں آئے حضرت مہدی علیہ السلام کے حکم کی تعمیل سے آپؓ باز رہے ہیں۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے اپنے حجرہ سے سر نکال کر فرمایا کہ جو لوگ گئے ہیں میری اجازت سے گئے اور جو لوگ نہیں گئے انھوں نے بہت اچھا کیا۔

حاصل یہ کہ تعلیماتِ حضرت مہدی علیہ السلام میں عالیت اور رخصت دونوں حدوں پر حاوی احکام موجود ہیں جو جس

پر چاہے حسبِ استعداد و قوت عمل کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن عزیمت کو اولیت حاصل ہے۔ روایت ہے کہ :-

بعضی کساں پیشِ حضرت میراں علیہ السلام عرض کردند که رخصت ہم دین است؟ بعدہ حضرت میراں علیہ السلام فرمودند که دین عزیمت است۔ اگر از عزیمت باز ماند بافتد تا در رخصت ماند و اگر از رخصت بافتد تا کجا درماند۔

ترجمہ :- بعض لوگوں نے حضرت مہدی علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا رخصت بھی دین میں داخل ہے؟ آپؑ نے فرمایا دین تو عزیمت ہی ہے (جس پر عمل کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ) اگر (کسی وقت) عزیمت پر عمل سے باز رہے اور اتر آئے تو رخصت میں (قدم قائم) رہ سکے اگر (رخصت پر عمل کافی سمجھ لیا جائے اور (رخصت سے کسی وقت) اتر آئے تو (دین) میں ئے ٹھکانہ کہاں باقی رہ سکے گا؟

آپؑ کے بے شمار متبعین نے عالیت کے احکام پر عمل کرکے اس دنیا میں مثال قایم کردی جس کی وجہ فقر و توکل زہد و تقویٰ کو مہدویوں کے شعار کی حیثیت سے جو شہرت ہوگئی تھی اس کا اندازہ اس روایت سے ہوسکتا ہے کہ :-" ایک شخص فتح خاں (رئیس و عہدہ دارِ وقت) کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں حضرت میاں سید محمودؓ (فرزندِ حضرت مہدی علیہ السلام) کے دائرے سے آیا ہوں (اور اپنے کو دائرہ کا فقیر ظاہر کرنے لگا) فتح خاں نے ملازمین کو حکم دیا کہ اس کو مارو اور خود بھی مارنے کے لئے دوڑے۔ ملازمین نے عرض کیا کہ یہ (دائرہ کا) فقیر ہے۔ فتح خاں نے کہا کہ دائرہ کے فقراء مجھے کتے کے برابر بھی شمار نہیں کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ پھر کوئی شخص دائرہ کے پاک لوگوں کے نام سے اس طرح جھوٹ کہنے نہ پائے۔ اس دائرہ کے فقراء میرے در پر ہرگز آنے والے نہیں ہیں۔ مجھے یقین ہے میں نے بارہا حاضری کا شرف حاصل کیا ہے اور دائرہ کے فقراء (کے حالات بچشمِ خود) دیکھے ہیں۔

(روایت 130) بلکہ فقراء کے لئے بھائی بیٹے وغیرہ قریبی قرابتداروں کی کمائی سے استفادہ بھی منافیِ توکل قرار دیا گیا

ہے ۔ ملاحظہ ہو روایت (157) اور بعض روایات میں کاسبین کو بھی سخت تنبیہہ کی گئی ہے کہ فقراء کی خدمت اس طریقہ پر نہ کریں کہ اُن کے توکل میں فرق پڑ جائے ورنہ ایسی خدمت بجائے فائدہ کے دونوں کے لئے باعث نقصان ہے ۔ چنانچہ روایت (126) میں یہی بیان موجود ہے جس کا آخری جملہ یہ ہے :-

" ہر کہ بخانہ شما بیاید او ایں معاملہ مکنید تا اورا ایں عادت نہ شود۔"

ترجمہ :- جو فقیر تمہارے گھر آئے تم اس کے ساتھ ایسا طریقہ اختیار نہ کرو کہ اس میں ویسی عادت قائم ہو جائے ۔

روایت ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے ایک دفعہ روٹی ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا کہ بندہ اور خدا کے درمیاں یہی پردہ ہے ۔" (شواہد الولایت باب 36)

اہلِ فیض اور اہلِ ذوق اس فرمان کی اہمیت جان سکتے ہیں کیونکہ یہ فرمان بہت سارے اسرار کا حامل ہے ۔ تدبیرِ شخص ، تدبیرِ منزل ، سیاستِ مدن وغیرہ دنیا کے تمام کاروبار میں روٹی ہی کی حکومت پائی جاتی ہے ۔ جھوٹ ، چوری ، مکرو ریا و قتل و جنگ وجدل تمام قبائح کا تعلق بھی اِسی سے پایا جاتا ہے ۔ اگر روٹی کی ضرورت نہ ہوتی تو پھر دنیا میں کوئی حاکم ہوتا نہ محکوم ، غاصب ہوتا نہ مغضوب ۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے بعثتِ انبیاء ، نزولِ صحائفِ الٰہیہ کو ضروری قرار دیا تاکہ ان کے ذریعہ انسان کی رہبری کی جائے کہ تم صرف روٹی کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہو۔ تمہاری عقل و تمیز اور تمہاری قوتِ اختیار اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کی وجہ تم اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل کر سکتے ہو۔ اس نعمت کا صحیح استعمال یہ ہے کہ تم پابندِ احکام ہو جاؤ اور روٹی بھی احکامِ الٰہیہ کے تحت حاصل کرو۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات ** مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

(اقبالؔ)

اگر صرف روٹی کو اپنا مقصد قرار دے لوگے اور تعلیماتِ الٰہیہ کو نظر انداز کر دوگے تو یہ عقل وتمیز اور قوتِ اختیار کا غلط استعمال ہوگا جو کفرانِ نعمت ہے اور روٹی ہی تمہارا اِلٰہ قرار پائے گا۔اور یہ حیوانیت سے بھی گرا ہوا مقام ہے کیونکہ حیوان اگرچہ صرف رزق ہی کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں لیکن اللہ کی تسبیح و تذکیر سے غافل نہیں۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ط (سورۃ النور۔41)

ترجمہ :- (زمین وآسمان میں کا) ہر ایک اپنی نماز اور اپنے طریقۂ ذکرِ الٰہی سے واقف ہے۔

ہر تخلیق و ایجاد کا ایک مقصد ہوتا ہے مثلاً ریل کے انجن کی ایجاد پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا مقصد صرف ایندھن نہیں ۔کیوں کہ ایندھن تو حصولِ مقصد کا معاون ہے نفسِ مقصد نہیں ۔اگر انجن کی مصروفیت صرف کوئلہ پانی فراہم کرنے کی حدتک محدود رہ جائے تو یہ ضرورتِ ایجاد کے صریح مغائر بلکہ یقیناً باعثِ خسارہ ہوگا۔

اِسی طرح انسان اپنے ایندھن یعنی رزق کو صرف بقائے صحت و توانائی کا معاون سمجھے اور صحت و توانائی کا مقصد حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائی قرار دےکیوں کہ جس طرح حقوق اللہ ادا کرنا عبادت ہے اِسی طرح حقوق العباد ادا کرنا بھی عبادت ہے۔

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست (سعدیؒ)

اِسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا :- " کسب و تجارت کی اجازت تو ہے لیکن اجازت کی خصوصیت یہ ہے کہ کاسب وتاجر کی نیت یہ رہے کہ عبادت کرسکے۔اور احکام بجا لانے اور ممنوعات سے بچنے کے لئے اس میں قوت وتوانائی رہ سکے۔اور ڈرتا رہے کہ کہیں حرص و خیانت میں مبتلا نہ ہوجائے۔۔ الخ (روایت 62)

کائنات میں جو اللہ کے موجودات ہیں مثلاً زمین ، سمندر ، پانی ، ہوا ، ابر ، بجلی ، چاند ، سورج وغیرہ ان کے اعمال و خصوصیات اور ان کے باہمی ارتباط پر غور و خوص کیا جائے تو اس کا ایک مقصد انسان کے لئے رزق کی فراہمی بھی پایا جاتا ہے ۔ اور یہ جدید ترقی یافتہ تحقیقات کا مسلمہ مسئلہ ہے اس کی توضیح کی ضرورت نہیں ۔

ابر و باد و مه و خورشید و فلک درکار اند ** تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

همه از بهر تو سر گشته و فرمانبردار ** شرطِ انصاف نباشد که تو فرمان نه بری

(سعدیؒ)

یعنی ابر و ہوا چاند و سورج اور آسمان سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں تاکہ تجھ کو ایک روٹی میسر آئے اور تو منعمِ حقیقی سے غافل رہ کر نہ کھائے اور یہ سب جب کہ تیرے ہی لئے سرگشتہ اور فرمانبردار ہیں ۔ اور تو فرمانبردار نہ ہو تو یہ شرطِ انصاف کے خلاف ہے ۔

مقامِ غور ہے کہ انسان اپنی جدوجہد کو حصولِ رزق کا سبب سمجھتا ہے ۔ حالانکہ یہ امر صرف ان اسباب و وسائل کی حد تک محدود ہے ۔ جو اس کے اختیار میں ہیں اس سے آگے بجز توکل کے چارہ نہیں ہوتا ۔ مثلاً زمین ، جو تنا ، تخم بونا ۔ کسان کے اختیار میں ہے اور وہ اس حد تک کوشش بھی کرلیتا ہے لیکن ہوا ، پانی اور موسم کی موافقت وغیرہ اُمور اس کے اختیار سے باہر ہیں اس لئے قدرت ہی کی امداد کا بھروسہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے جب یہ حقیقت ہے تو بعض مومنین کے قلوب ، قدرت سے اس درجہ وابستہ ہوجانا اور اس درجہ نورِ یقین ان میں جلوہ گر ہوجانا کہ اپنے حدودِ اختیار میں بھی قدرت پر بھروسہ فرض قرار دے سکیں کوئی حیرت و تعجب کی بات نہیں اور فضیلت کی خصوصیت بھی یہی ہے کہ حدود و اختیار ہی میں جذبۂ عشق و محبت کار فرما ہوجائے ورنہ مجبوری و معذوری کی حالت میں قدرت کی طرف توجہ کرنا تو ہر مجبور و غرض مند آدمی کا لازمہ ہے ۔ !!!

حاصلِ کلام یہ کہ روٹی کا مقصد بقائے صحت و توانائی ہے اور صحت و توانائی کا مقصد ذکر عباداتِ الٰہی ہے تاکہ باطن کھل جائے اور انوار و تجلیات کے ظہور سے مشرف ہو سکے۔

ہر کہ کاہِ وجو خورو قرباں شود ** ہر کہ نورِ حق خورو قرآں شود

(اقبالؔ)

بلکہ توکل کا اس سے بھی بلند ترین مفہوم وہ ہے جو ذیل کی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ :-

بندگی میراں علیہ السلام فرمودند کہ توکل بر نان است آں توکل نیست کہ نانی را خدائے تعالیٰ وعدہ کردہ است۔ "وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزۡقُهَا۔۔الخ (سورۃ ھود۔6)" ایں وعدۂ خدا است اگر بوعدہ ایمان داری مومن ہستی و گرنہ کافر ہستی۔(انصاف نامہ باب ۶ 6) فرمودند کہ توکل آنست کہ بر ذاتِ خدائے تعالیٰ توکل کنی و شب و روز دریں طلب باشی کہ کدام وقت خدائے تعالیٰ را بیابم (انصاف نامہ باب ۶ 6)

ترجمہ :- حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ توکل وہ نہیں ہے جو رزق کے لئے کیا جائے کیونکہ رزق کے متعلق تو خدائے تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ کوئی جاندار زمین و آسمان میں ایسا نہیں جس کا رزق خدا پر نہ ہو۔" یہ وعدہ خدا کا ہے اگر اس وعدہ پر تو ایمان رکھے گا تو مومن ہے ورنہ کافر۔

اور فرمایا کہ توکل تو وہ ہے کہ خدا کی ذات کے لئے (خدا پر) بھروسہ کرے اور رات دن اسی طلب میں رہے کہ کس وقت خدا کو پاؤں گا۔

اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ رزق کی نسبت سے خدا پر بھروسہ کرنا بھی ایک گونہ غیر اللہ کی وابستگی کا حکم رکھتا ہے اس لئے اپنی فکر و توجہ اس جانب سے بھی بے نیاز ہوکر صرف طلبِ مولیٰ میں محو و مستغرق ہوجانا چاہیئے۔

بر مقام خود رسیدن زندگی است ** ذات را بے پردہ دیدن زندگی است

مردِ مومن در نساز و با صفات ** مصطفیٰؐ راضی نہ شد الا بذات

(اقبالؒ)

اللہ کی ذات سے وابستگی قائم رکھنے کے لئے امامنا علیہ السلام نے فتوح دینے اور لینے والے دونوں پر اللہ کا نام اور اس کا خیال لازم قرار دیا ہے۔ اسی لئے جب تک اللہ کے نام سے کوئی چیز پیش نہ ہو قبول نہ کی جاتی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ رَبَّکَ ھُوَاَعۡلَمُ مَنۡ یَّضِلُّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۚ وَھُوَاَعۡلَمُ بِالۡمُھۡتَدِیۡنَ 117 فَکُلُوۡا مِمَّا ذُکِرَاسۡمُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ ---الخ (سورۃ الانعام 117-118)

ترجمہ :- بے شک ترا رب وہ ہے جو اس شخص کو خوب جانتا ہے جو کہ اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور اللہ ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت کے راستے پر چلنے والے ہیں۔ جس چیز پر اللہ کا نام یاد کیا گیا ہو وہ چیز کھاوٗ۔ اگر تم اللہ کی نشانیوں پر ایمان لائے ہو۔ اور تمہارے لئے کیا ہے کہ وہ چیز نہ کھائیں جس پر اللہ کا نام یاد کیا گیا ہو۔

وَلَا تَاۡکُلُوۡا مِمَّا لَمۡ یُذۡکَرِاسۡمُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ وَاِنَّہٗ لَفِسۡقٌ ؕ (سورۃ الانعام-121)

ترجمہ :- اور وہ چیز نہ کھاوٗ جس پر اللہ کا نام یاد نہ کیا گیا ہو۔ بے شک وہ فسق ہے۔

اس آیت کو مفسرین وفقہاء نے اگرچہ ذبیحہ سے مخصوص کر دیا ہے یعنی جس حلال جانور کو ذبح کیا جائے اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے ورنہ اس کو کھانا نہیں چاہیئے۔ یہ تفسیر غلط نہیں ہے ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں لیکن آیت میں جو مفہوم عام ہے اس کو مقید کرنا " المطلق یجری علی اطلاقہٖ " کے مغائر سمجھتے ہیں کیونکہ آیتِ شریفہ میں

" مِمَّا" آیا ہے جس کے معنی " جو چیز" ہیں اور یہ لفظ عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لحاظ سے ہر وہ چیز کھانے سے احتراز آیت کے حکم میں داخل ہوگا جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اور اسی لئے ہر مومن کھانے سے پہلے بسم اللہ ضرور کہتا ہے۔ اور چونکہ حلال جانور بھی کھانے کے لئے ہی ذبح کرتے ہیں اس لئے ذبح کے وقت بھی اللہ کا نام لیا جانا ضروری ہے۔ اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جو لوگ بت وغیرہ غیراللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی جانور ذبح ہوسکتا ہے تو صرف خالقِ برتر ہی کے لئے اور اسی کے حکم کے تحت ذبح ہوسکتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ عام میں خاص شامل رہ سکتا ہے لیکن خاص میں عام شامل نہیں رہ سکتا۔ اس لئے جو حکم عام ہو اس کو عام ہی رکھنا چاہیئے اس طرح کہ اگر کوئی خاص حکم داخل کرنا ہو تو داخل کیا جاسکے۔ حاصل یہ کہ مذہبِ مہدویہ کہ رو سے فتوح دینے والے اللہ کے نام سے دیتے ہیں اور جب تک اللہ کا نام نہ لیا جائے لینے والے قبول نہیں کرتے۔ اس کی وجہ حَسَنؔ کو اہلِ ظاہر و اہلِ باطن دونوں جان سکتے ہیں۔ کیوں کہ یہ اصولِ توکل کے لئے ضروری ہے تاکہ رازق و کفیلِ حقیقی پر سے طرفین کی نظر نہ اٹھنے پائے۔ اور دینے والے میں تفاخر یا کبر و غرور اور لینے والے میں غیراللہ سے عجز و نیاز کا جذبہ نہ پیدا ہونے پائے۔

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام ** نے غلامِ اُو را نہ اُو کس را غلام

رسم و راہ و دین و آنیش زحق ** زشتّ و خوبّ و تلخ و نوشینش زحق

(اقبالؔ)

غرض توکل کے بیان میں حصولِ رزق کے متعلق ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کا بیان ہوچکا اور یہ ہر ایک کے معیارِ ایمان اور قوتِ صبر و توجہ الی اللہ پر منحصر ہے۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم۔

توضیح روایات دربیانِ صحبتِ صادقاں :- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ (سورة التوبة-119) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

ترجمہ :- اے مومنو! تم خدا سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

بعض مفسرین نے صحابہؓ و مہاجرینؓ کی صحبت مراد لی ہے حالانکہ آیتِ شریفہ کے الفاظ کا مفہوم عام ہے جس پر قیامت تک عمل ہوتا رہے گا اور ہونا بھی چاہیئے ورنہ " كُوْنُوْا " کا مفہومِ استمراریت باقی نہ رہ سکے گا۔ اسی لئے صاحبِ تفسیرِ کشاف نے لکھا ہے کہ :-

هوالذی صدقوا فی دین الله نیة و قولا و عملا ۔(تفسیرِ کشاف)

ترجمہ :- یہ وہی لوگ ہیں جو صادق ہیں اللہ کے دین میں اور نیت میں اور قول و فعل میں ۔

جن لوگوں کو خلیفۃ اللہ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اُن کی صحبتِ صادق ذاتِ خلیفۃ اللہ سے متعلق تھی اور جن کو صحابہؓ و مہاجرینؓ کے صحبت کا موقع ملا ان کے لئے یہی حضرات صادقین کا حکم رکھتے تھے ۔ اِسی طرح تابعین و تبع تابعین پر اور ان کے بعد قیامت تک صالحین و راشدین پر صادقین کا حکم مطابق ہوا اور ہوتا رہے گا۔ اس کے علاوہ آیتِ شریفہ کے حکم " اَتَّقُوا اللّٰه " پر غور کرنا چاہیئے اس کے معنی ہیں " اللہ سے ڈرو" شوق کا تعلق منفعت سے خوف کا تعلق مضرت ہوا کرتا ہے ۔ شوق اور خوف یہ دو ایسے جذبے ہیں جن میں ضبطِ نفس اور رہبر کی پیروی ضروری ہوتی ہے ۔ ورنہ حدود سے متجاوز ہو جانے کا امکان رہتا ہے ۔ جس کی وجہ صراط مستقیم پر قائم نہیں رہ سکتا۔ مثلاً نمازِ فجر

کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں اُن سے اگر کسی شخص کا جذبۂ شوق یا خوف اس درجہ متاثر ہو کہ اس کے بجائے دو رکعت کے چار رکعت نمازِ فجر ادا کرنے کی جانب مائل کردے تو ظاہر ہے کہ اس کا یہ عمل گمراہی کا باعث ہو جائے گا خصوصاً تقویٰ کا تعلق افعالِ قلوب سے ہے اس لئے اربابِ باطن کی صحبت اس کے لئے ضروری ہے تا کہ نظریات و تصورات و عقاید و اعمال میں حدود اللہ سے متجاوز یا قصور نہ ہونے پائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے "اتَّقُوااللّٰہ" کا حکم دینے کے بعد ہی "كُونُوا مَعَ الصَّادِقِين" فرمایا ہے۔ پس جس طرح تقویٰ ہر مومن پر فرض و لازم ہے اِسی طرح صحبتِ صادقاں بھی فرض و لازم ہے اور اِسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے بحکمِ خدائے تعالیٰ صحبتِ صادقاں فرض قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝

(سورۃ اٰلعمران-100)

ترجمہ :- اے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو اگر تم اہلِ کتاب سے کسی فریق کی اتباع اختیار کرو گے تو وہ تمہارے ایمان کے باوجود تم کو کفر کی حالت کی طرف پھیر دیں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ بری صحبت کا اثر مومن کے ایمان کو بھی متاثر کر سکتا ہے اِسی لئے کہا جاتا ہے کہ :-

صحبتِ طالع تُرا صالح کُند ** صحبتِ طالع تُرا صالح کُند

دیں نہ گردد پختہ بے آدابِ عشق ** دیں بگیر از صحبتِ اربابِ عشق

(اقبالؔ)

اور حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ :-

باجماعتے موافقت کنید که ذکرِ خدا در راهِ خدا آساں شود۔

ترجمہ :- ایسی جماعت سے موافقت کرو کہ ذکرِ خدا راہِ خدا آسان ہو جائے ۔

خیرالقرون یعنی صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین کے بعد یہ جماعت فقرائے کرام کی ہے جن کو سلسلۂ صحبتِ فیضِ تربیت دست بدست اور سینہ بسینہ حاصل رہتا ہے ۔ اُن کی صحبت و تربیت میں رہ کر آدابِ عشق اور اعمالِ تقویٰ پر بآسانی کار بند ہو سکتے ہیں ۔ اسی لئے مذہبِ مہدویہ میں بیعت و صحبت کی بہت اہمیت و ضرورت بیان کی گئی ہے صاحبِ شواہد الولایت نے مرشد کی صحبت میں رہنے والوں کے لئے گیارہ آدابِ صحبت بیان کئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:-

(1)۔ خواہ معمولی کام ہو یا اہم کام ہر حالت میں پیش دستی نہ کرنی چاہیئے ۔

(2)۔ بلند و تیز آواز سے بات نہ کی جائے ۔ جیسے کہ اشتعالِ جذبات میں کی جاتی ہے ۔

(3)۔ سخن نرم نہ زیادہ آہستہ نہ زیادہ زور دار یعنی نہایت منکسرانہ و ملتجیانہ گفتگو کی جائے ۔

(4)۔ حجرہ یا قیام گاہ کے باہر ایسی آواز نہ کرے اور اس طرح نہ پکارے کہ آداب کے خلاف ہو۔

(5)۔ حکم نہ کریں کہ فلاں کام کیا جائے یا نہ کیا جائے ۔

(6)۔ بار بار سوالات نہ کرے۔

(7)۔ ایمان کی محبت بڑھائے ۔

(8)۔ ایمان و احکامِ ایمان سے رغبت قائم کرے۔

(9)۔ کفر سے اور

(10)۔ برے کاموں سے اور

(11)۔ نافرمانی سے احتراز کرے۔

آنحضرت ﷺ کی صحبت میں رہنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی ہدایات فرمائی ہیں۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوااللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○

(سورۃ الحجرٰت۔1)

ترجمہ :- اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَاتَجْھَرُوْالَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ (سورۃ الحجرات۔2)

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم اپنی آواز کو نبیؐ کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بات کرو جیسے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں (ورنہ) تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے اور تم نہیں جانتے ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَا دُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ (سورۃ الحجرٰت4)

ترجمہ :- جو لوگ تجھ کو (نبی صلعم کو) حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اُن میں اکثروں کو عقل نہیں ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ط لَوْیُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَوَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ ○ 7 فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ○ 8) سورۃ الحجرٰت۔7-8)

ترجمہ :- جان لو ! تم میں اللہ کے رسولؐ موجود ہیں ۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانیں تو تم کو بڑی مضرت ہوگی ۔ اور لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی ہے ۔ اور تمہارے دلوں میں اس کی رغبت پیدا کردی ہے ۔ اور تم کو کفر بدکاریوں اور نافرمانیوں سے نفرت دے دی ہے ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمت سے بھلائی پانے والے ہیں ۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۔

توضیح روایات در بیانِ ہجرت :- آیات و احادیث میں ہجرت کی جو توضیحات ملتی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی حفاظت کی خاطر ملکِ کفار یعنی درارالحرب سے دارالاسلام کی طرف چلے جانے سے یہ حکم مخصوص نہیں ہے بلکہ جہاں کہیں احکامِ دین پر عمل اور دین کی حفاظت اور اس کا اظہار متعذر ہو تو اس صورت میں بھی اپنے وطن کو چھوڑ دینا ہجرت کے حکم میں داخل ہے چنانچہ حدیثِ شریف ہے ۔

من فربدینہ من ارض الیٰ ارض وان کان شبرا استوجب لہ الجنۃ و کان فقیق ابیہ ابراھیم و نبیہ محمدؐ ۔

ترجمہ :- حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر کسی سرزمین سے دوسرے حصۂ زمین کی طرف راہ اختیار کی اگرچہ کہ ایک بالشت ہی (فاصلہ) ہو وہ جنت کا مستحق ہوگا ۔ اور اپنے باپ ابراہیمؑ اور اپنے نبی محمدؐ کا رفیق رہے گا ۔ (کیونکہ ان دونوں نے بھی ہجرت کی تھی)

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی ** رہ بحر میں آزاد وطن صورتِ ماہی
ہے ترک وطن سنتِ محبوبِ الٰہی ** دے تو بھی نبوتؐ کی صداقت پہ گواہی
گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشادِ نبوتؐ میں وطن اور ہی کچھ ہے (اقبالؒ)

اس کے علاوہ قرآنِ مجید میں عمومیت کا مفہوم رکھنے والی آیات بھی ہیں مثلاً :-

فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ -- الخ (سورۃ آل عمران-195)

ترجمہ :- بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے (یعنی اللہ کے) راستہ میں ستائے گئے ---- الخ

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ -- الخ (سورۃ الحشر-8)

ترجمہ :- ان فقرائے مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے اموال سے محروم کئے گئے۔

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ مومنین پر قیامت تک ایسی صورتیں پیش آتی رہیں گی اور ہجرت و اخراج کا حکم عاید ہوتا رہے گا اور یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ از خود وطن چھوڑ دینے کو "ہجرت" کہتے ہیں اور جبراً نکالے جانے کو "اخراج"۔

لیکن مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے ہجرت کے حکم کو صرف دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف جانے سے مخصوص کردیا ہے۔ اور تعلیماتِ امامنا علیہ السلام میں ہجرت کی جو اہمیت پائی جاتی ہے اس پر بھی بہت سے اعتراض کئے ہیں۔ اس کے تفصیلی جوابات " سبل السویٰ" اور " کحل الجواہر جلد اول مطبوعہ" میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ اصل یہ کہ جب تعصب کو دین سے تعلق نہیں ہوتا ہے تو فکر و نظر پر نفسانی جذبات چھا جاتے ہیں جس کی وجہ حقایق تک رسائی نا ممکن ہوجاتی ہے۔

تاریخ اسلام کا جاننے والا ہر شخص تسلیم کرے گا کہ سب سے پہلے بعض صحابہؓ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ملکِ حبش کی طرف ہجرت کی تھی حالانکہ اس وقت وہ دارالاسلام نہ تھا۔ اور خود حضرت رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف جس وقت ہجرت فرمائی وہ دارالاسلام نہ تھا۔ اِسی طرح ابتدائے اسلام سے آج تک جن لوگوں نے جن دینی اسباب کی بناء پر ہجرت کیا اس پر ہجرت کا اطلاق صحیح نہ ہوگا؟ حالانکہ کتبِ احادیث و سیر و تواریخ میں ہجرت کا اطلاق پایا جاتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ حدیثِ شریف میں " لا ھجرۃ بعد الفتح" آیا ہے یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اس لئے ہجرت کا حکم منقطع ہوچکا۔ تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حکم "ہجرتِ مدینہ منورہ" سے مخصوص ہے اور فی الواقع فتحِ مکہ کے بعد مدینہ منورہ کو ہجرت کے اسباب باقی نہیں رہے تھے۔ چنانچہ تفسیرِ لباب التاویل میں لکھا ہے کہ :-

قال الحسن الھجرۃ غیر منقطعة ویجاب من ھٰذا بان المراد منه الھجرۃ المخصوصة من مکة الی المدینة فاما کن کان من المؤمنین فی بلد یخاف علی اظھار دینه من کثرۃ الکفار وجب علیه ان یھاجر الیٰ بلدلا یخاف فیه علی الظھار دینه ۔

ترجمہ :- حسن نے کہا کہ ہجرت غیر منقطع ہے اور اس (لا ھجرہ بعد الفتح) کا جواب یہ ہے کہ اس (ممانعت) سے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنا مخصوص ہے۔ لیکن ہر وہ مومن جو کسی ایسے شہر میں ہو جہاں کثرتِ کفار کی وجہ اظہارِ دین خوفناک ہو تو اس کے لئے ایسے شہر کی طرف ہجرت کر جانا واجب ہے جہاں اظہارِ دین کی صورت میں خوف نہ ہو۔

ممانعتِ ہجرت کا حکم فتحِ مکہ کے بعد ہجرت مدینہ منورہ سے مخصوص ہونے اور عام مومنین کے لئے دینی اسباب و اغراض کے تحت ہجرت کا حکم باقی رہنے کے ثبوت میں کتبِ تفاسیر و شروح احادیث و تصنیفاتِ اکابر علمائے اہلِ سنت کے اتنے کثیر اقوال ہیں کہ جن کو درج کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔

قصۂ گویانِ حق زما پوشیدہ اند ** معنیِ ہجرت غلط فہمیدہ اند

ہجرت آئین حیاتِ مسلم است ** این زاسبابِ ثباتِ مسلم است

(اقبالؒ)

اولیائے کرام کے حالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تزکیۂ نفس یا صحبتِ کاملین سے استفادہ یا اشاعتِ دین کی غرض سے اپنے وطن کو چھوڑ کر نکل جانا بھی ہجرت میں داخل ہے۔ جب کہ تعلیم اسلام میں ہجرت کی عمومیت اور اس کی اہمیت موجود ہے تو حضرت مہدی علیہ السلام کی تعلیمات میں اس کی اہمیت کا پایا جانا، قابلِ اعتراض کیسے ہوسکتا ہے؟ حق تو یہ ہے کہ اگر ہجرت کی تعلیم اور اس کی اہمیت نہ پائی جاتی تو یقیناً دعویٰ مہدیت کی صداقت متاثر ہوجاتی !!!

صاحبِ تفسیرِ مدارک نے آیہ شریفہ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔۔الخ(سورۃ ألِ عمران-195) کے تحت لکھا ہے کہ :-

كانه قال فالذين عملوا هذه الاعمال السنيئة الفائقة وهى المهاجرة عن اوطانهم فارين الى الله بدينهم الىٰ حيث يامنون عليه فالهجرة كائنة فى أخر الزمان كم كانت فى اول الاسلام۔

ترجمہ :- گویاکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے یہ بلند و برتر اعمال کئے ہیں اور وہ مہاجرت ہے اپنے وطنوں سے یعنی اللہ کے لئے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر ایسے مقام کو بھاگ جاتا ہے جہاں ان کو امن حاصل ہو پس آخری زمانے میں ہجرت اسی طرح ہونے والی ہے جس طرح کہ ابتداء اسلام میں ہوئی ہے۔

یہاں آخر زمانہ سے زمانۂ مہدی ءِ موعودؑ مراد ہے۔ اور جب کہ خود حضرت امامنا علیہ السلام ہجرت فرمارہے ہوں تو ایسی صورت میں آپؑ کی تصدیق سے مشرف ہونے والوں میں جو لوگ آپؑ کی صحبت سے مستفیض ہونے کے

لئے آپؑ کے ساتھ ہو گئے ہوں اُن کا درجہ اُن مصدقین پر فائق ہونا لازم ہے جو اپنے اپنے گھروں میں بلا عذرِ دینی بیٹھے رہے ہوں۔ روایت (111) ملاحظہ ہو کہ :-

"حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص صبح میں ہجرت کر کے دائرہ میں آچکا ہو وہ اس شخص کا مرشد ہے جو شام میں آیا ہو کیونکہ سابق، مسبوق کا امام ہوتا ہے۔"

اور روایت (95) ملاحظہ ہو جو حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کی طرف منسوب ہے کہ آپؓ نے اپنے رسالۂ عقیدۂ شریفہ میں بیان فرمایا ہے جسے حضرت بندگی میاں عبدالرشید رضی اللہ عنہٗ نے بھی درج کیا ہے :-

"میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا اور رسالۂ عقیدۂ شریفہ میں لکھا ہے کہ جس نے مہدیؑ کو قبول کیا اور آپؑ کی صحبت سے باز رہا اس کی نسبت حضرت مہدی علیہ السلام نے آیت لَا يَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ۔۔الخ (سورۃ النسآء-95) (یعنی مومنین سے جو غیر اولی الضرر قاعدین ہیں وہ برابر نہیں ہیں مومنینِ اولی الضرر کے) کی رو سے منافقی کا حکم بیان فرمایا ہے اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے کہ "مجاہدین" اولی الضرر پر ایک مرتبہ کی فضیلت رکھتے ہیں اور غیر اولی الضرر پر کئی مراتب کی فضیلت رکھتے ہیں۔ پس ان لوگوں کو درجات کے بجائے خسارات ہوں گے اور مغفرت کے بجائے عذاب ہوگا اور قاعدینِ غیر اولی الضرر کا جو حکم ہے ظاہر ہے۔"

اس روایت میں جس آیت پر سے استدلال کیا گیا اس کے متعلق مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے اعتراض کیا ہے کہ اس سے مہدیؑ اور ان کے صحابیؓ سید خوندمیرؓ کی قرآن فہمی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس آیت میں جہاد سے متعلق ذکر ہے۔ (ملخص بہ ہدیۂ مہدویہ)

قرآن فہمی تو بہت بڑی بات ہے خود مولفِ ہدیہ اس روایت کی عبارت فہمی سے قاصر نظر آرہے ہیں کیونکہ اس میں آئیہ شریفہ کے بعد ہی یہ الفاظ ہیں !!

حاصل معنی آنست که مجاہداں بر اولی الضرر بیک مرتب فاضل اندا۔۔ الخ یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مجاہدین اولی الضرر پر ایک مرتبہ سے فاضل ہیں ۔۔ الخ (روایت 111)

اس سے ظاہر ہے کہ یہ آئیہ شریفہ مجاہدین سے متعلق ہونا خود روایت میں توضیحاً مذکور ہے۔ البتہ اس روایت میں جونکتہ بنائے استدلال ہے اس کو" مولفِ ہدیہ" کا ذہن اخذ نہ کرسکا معترضانہ جذبات کے تلاطم میں غرق رہا ہے۔

علمائے اسلام پر یہ امر مخفی نہیں کہ جہاد بالسیف کو جہادِ اصغر اور جہاد بالنفس والشیطان کو جہادِ اکبر تسلیم کیا گیاہے۔ اور اس کا ثبوت خود اسی آئیہ مذکورالصدر کے مضمون میں موجود ہے۔ چنانچہ صاحبِ تفسیرِ بیضاوی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ :-

وقیل المجاهدون الاولون من جاهد الکفار والآضرون من جاهدنفسه و علیه قوله صلعم رجعنا من الجهادالاصغرالیٰ جهاد الاکبر۔

ترجمہ :- اورکہا گیا ہے کہ (آئیہ مذکورہ میں) پہلے مجاہدین کفار سے جہاد کرنے والے ہیں اور دوسرے مجاہدین وہ ہیں جو اپنے نفس سے جہاد کرتے ہیں اوراس رسول اللہ ﷺ کا فرمان دلیل ہے کہ (آپؐ نے فرمایا) ہم نے جہادِ اکبر کی طرف رجوع کیا ہے۔

جہادِاکبر میں ہجرت بھی داخل ہے جب کہ اغراض و اسبابِ دینیہ کے تحت ترکِ وطن ضروری ہوتواس کوچھوڑ دینا، جہاراکبر کے لوازم خارج ہرگز نہیں ہوسکتا۔کیونکہ وطن کی محبت "اِلٰہ" بن کر حائل ہوتی محسوس ہو تو عشق و محبتِ

الٰہیہ اور اقرارِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا لازمہ ہے کہ اس "اِلٰہ" کو ترک کر دیا جائے۔ اِسی لئے اس روایت میں آئیہ مذکورہ سے استدلال کیا گیا ہے۔

جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست ** ترکِ عالم اختیار کوئے دوست

(اقبالؒ)

جہادِ اکبر میں ہجرت کا جو پہلو شامل ہے اور ہجرت میں (ترکِ ماسوی اللہ) میں ظاہری و باطنی خصوصیات جو موجود ہو سکتی ہیں، حضرت مہدی علیہ السلام کی تعلیمات میں وہ سب اُمور داخل ہیں۔ چونکہ آئیہ شریفہ :-

لایستوی القاعدون۔۔الخ کے پورے مضمون میں جہادِ اکبر کی خصوصیت بھی موجود ہے جس کو مفسرین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اِسی نکتہ کی بناء پر روایتِ مذکور الصدر میں اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے جو بالکل صحیح ہے۔ اس نازک تفہیم کو قرآن فہمی کے خلاف کہنا خود معترض کے مقامِ علم کا مظہر ہے۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر * * مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

(بھرتری ہری)

آیت زیرِ بحث کے بعد یہ آیت بیان ہوتی ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ ؕ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا ؕ فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ ط وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾

(سورۃ النسآء۔97)

ترجمہ :- ملائکہ نے جن لوگوں کو (اس حالت میں) جانیں قبض کیں کہ وہ (کافروں میں پڑے رہ کر) اپنی ذاتوں پر ظلم کررہے ہیں انھیں (ملائک نے) کہا تم کس حالت میں تھے وہ کہیں گے ہم بے بس (مجبور و کمزور) تھے ۔ (ملائکہ) کہیں گے کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں کسی طرف ہجرت کرجاتے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے جس میں ترکِ ہجرت کی سزا دوزخ قرار دی گئی ہے۔ اس لئے ہجرت اختیار کرنا ازروئے اصول ، فرض ہوا۔اِسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے ہجرت کو بحکمِ خدا فرض فرمایا ہے۔ جس میں ظاہری و باطنی دونوں خصوصیات شامل ہیں۔اگر ترکِ مقام کے اسباب لاحق ہوں تو ترکِ مقام کیا جائے ورنہ " ترکِ دنیا" جو ترکِ شرکِ خفی و ترکِ خودی ہے یہ بھی سفرِ باطنی کا حکم رکھتی ہے جو ایک حیثیت سے باطنی ہجرت میں داخل ہے۔ اِسی طرح مرشد کی صحبت سے مستفیض ہونے کے لئے گھر چھوڑ کر مرشد کی خدمت میں جاکر رہ جانا بھی ہجرت میں داخل ہے۔

حضرت بندگی سید محمود سیدنجی خاتم المرشدینؒ نے جو فرمایا :- " ہر جا که امن وآرام بیابید دائره بسته بمانید"

(یعنی جہاں کہ اتباعِ دین میں امن و آرام پاؤ وہاں دائرہ بندی کرکے سکونت اختیار کرو۔) حضرت کا یہ حکم، احکامِ رخصت میں داخل ہے۔

امامنا علیہ السلام کی تعلیمات میں ہجرتِ ظاہری کے احکام کے سوائے ہجرتِ باطن کی تعلیم بھی پائی جاتی ہے۔ اور یہ جہادِ اکبر کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ روایت (268) ملاحظہ ہوکہ :- اس میں سفرِ باطنی کا جو ذکر ہے اس سے باطنی

ہجرت مراد ہے۔ جو ترکِ خودی اور ترکِ ماسوی اللہ سے متعلق ہے۔ اس کے بغیر اطلاقیت حاصل نہیں ہو سکتی جو دیدارِ الٰہی کی ضروری شرط ہے۔

قرآنِ مجید میں " لَنۡ تَرٰنِیۡ " کا جو واقعہ ہے وہ بھی اس بات کا شاہد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے " لَنۡ تَرٰنِیۡ " ، (تو مجھے دیکھ نہ سکے گا) جواب جو ملا اس کی یہی وجہ ہے کہ آپؑ کا سوال دوئی و غیریت کی خصوصیات کا حامل تھا کہ "رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ" (اے میرے رب) تو مجھے نظر آ تاکہ میں تجھ کو دیکھ لوں)

اس سوال میں اصول تنزیہ باری تعالیٰ سے مغائر وہی اُمور موجود ہیں جن کی بناء پر معتزلہ وغیرہ نے دیدارِ الٰہی کے جواز سے انکار کیا اور اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس سوال کو رد فرما دیا کیونکہ دیدارِ الٰہی کو ان شرائطِ رویت سے کوئی نسبت ہی نہیں جو مادی اجسام سے تعلق رکھتے ہوں طلبِ دیدارِ خدا کی توضیح میں ہم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے ملاحظہ ہو صفحہ (تا)

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی اس سوال میں ذاتی طور پر غلطی سرزد نہیں ہوئی بلکہ اس سوال سے مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے وجود و توحید اور اس کی تنزیہی شان سے واقف کرنا مقصود تھا۔ اور بتلانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لئے وہ اطلاقیت اور وہ نظر عطا ہونے کی ضرورت ہے جس سے اس کا دیدار ممکن ہے اس کے بغیر صرف ان محدود نظروں سے محدود حیثیت میں اس کو دیکھنا محال ہے۔ اِسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی ستارے ، چاند و سورج کے زوال پذیر ہونے پر تمثیلی استدلال کے طور پر خدائے تعالیٰ کی خصوصیات سمجھائی تھیں ورنہ فی الحقیقت چاند و سورج کو خدا تصور کر لینا شانِ نبوت و خلافت کے سراسر منافی ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے آیتِ شریفہ " اَفَمَنۡ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ" کے تحت بتلا دیا ہے کہ بغیر ولایت

کے نبوت حاصل نہیں ہو سکتی اس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی و رسول کو فیضِ ولایت حاصل رہتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ معرفتِ وجود و توحید کے مقام میں اس کا مرتبہ بحیثیتِ معصوم عن الخطا بہت بلند ہوتا ہے جس کا مرتبۂ معرفت اس قدر ارفع و اعلیٰ ہو وہ غیراللہ کو "اِلٰہ" کسی لمحہ بھی قرار نہیں دے سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال اور اس کا جواب اور اس کے بعد کے واقعات یہ سب اللہ تعالیٰ کی تنزیہ شان کی طرف رہبری کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف نَعُوْذُ بِاللہ حضرت کے ذاتی نقص و عدم صلاحیتِ دیدار یا آپؑ کے سوال میں آپؑ کی ذاتی غلطی یا اس سوال و جواب سے نفس مسئلہ دیدارِ الٰہی کی نفی پر استدلال کرنا اصولِ اسلام، انبیاء علیہ السلام کے بالکل مغائر ہے۔

غرض سفرِ باطنی یا ہجرتِ باطنی کا منتہا فنا و دیدار سے مشرف ہونا ہے۔

توضیح روایات (106، 107) :- حضرت بندگی میاں نظام رضی اللہ عنہٗ نے ایک بار ایسے فقر کا ترکہ جو دائرے میں رہنے والے تھے ان کے ایسے ورثاء کو دیا جو بیرونِ دائرہ رہتے تھے۔ میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے یہ سن کر فرمایا کہ اچھا نہ ہوا کیوں کہ یہ تو دائرے کے فقیروں کا حق ہے۔ قاعدین، میراث اس وقت لے سکتے ہیں جب کہ ہجرت کرکے دائرے میں آجائیں۔۔۔الخ (روایت 107) بمقام ناگور میاں نعمت رضی اللہ عنہٗ (صحابیِ مہدی علیہ السلام) کے دائرہ میں ایک فقیر کا انتقال ہوگیا پچاس فیروزی انھوں نے ترکہ چھوڑا مقام و ہولخیہ میں ان کے ورثاء موجود تھے لیکن میاں نعمتؓ نے حکم دیا کہ فقرائے دائرہ پر تقسیم کردیا جائے اورآپؓ نے یہ آیتِ شریفہ سنائی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا (سورۃ الانفعال-72) (روایت 106)

ان روایات پر سے بعضے لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مہدویوں کے پاس آیاتِ مواریث کے مطابق متروکہ ورثائے شرعی پر تقسیم نہیں کیا جاتا۔ یہ خیال محدود معلومات کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ مذہبِ مہدویہ میں حسبِ دعوئے اتباعِ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ متروکہ کی تقسیم میں بھی احکامِ شریعت کی پوری پوری پابندی کی جاتی ہے۔

مذکورالصدر واقعات صرف فقرائے مہاجرینؓ سے مخصوص ہیں اوراس عمل کی سند قرآنِ مجید میں صاف وصریح طور پر موجود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَالَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا ج (سورۃ الانفال-72)

ترجمہ :- جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے اور اپنی جانوں سے فی سبیل اللہ جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور اُن کی مدد کی وہی آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت نہیں کی تو تم کواُن کی ولایت کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔

اس آیت کے تحت "تفسیرِ معالم التنزیل" میں لکھا ہے کہ :-

قال ابن عباس فی المیراث کانوا یتوارثون بالھجدۃ فکان المھاجرون والانصار یتوارثون دون اقرابائھم و ذوی ارحمھم و کان من اٰمن ولم یھاجر لایرث من قرھیہ المھاجر۔

ترجمہ :- ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ یہ حکمِ میراث کے متعلق ہے۔مہاجرین و انصار ہجرت کے لحاظ سے باہم وارث نہیں ہوتے اور اُن کے قرابتدار و ذی رحم وارث نہیں ہوتے تھے اور جو شخص ایمان لایا اور اس نے ہجرت نہ کی ہوتو وہ اپنے مہاجر قرابتدار کا وارث نہ ہوتا تھا۔

آئیہ شریفہ اور اس کی تفسیر سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "ہجرت" کو مومنین کی صفات میں شمار کیا ہے اور مہاجرین کو باہم وارثِ میراث بتلایا ہے اور جو لوگ ایمان لائے لیکن انھوں نے ہجرت نہیں کی تو اُن کو مہاجر قرابتدار کے ترکہ سے محروم قرار دیا ہے۔

جو علماء ہجرت کے حکم کو صرف ہجرت بمدینۂ منورہ سے مخصوص سمجھتے ہیں وہ اس آیت کا حکم بھی اسی وقت سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ اور اس آیت کو دوسری آئیہ شریفہ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ (سورۃ الانفال-75) سے منسوخ ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ ہم نے اس سے قبل " لا هجرة بعد الفتح " حدیثِ شریف کے تحت واضح کر دیا ہے کہ یہ حکم فتح مکہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت نہ کرنے سے متعلق ہے لیکن ہجرت کا عام حکم جو دارالحرب سے دارالاسلام کو یا جہاں احکامِ دین کی تعمیل اور اظہارِ دین خوفناک ہو وہاں سے پرامن مقام کو منتقل ہوجانے سے متعلق ہے۔ قیامت تک باقی رہے گا۔

میراثِ مہاجرین کی آیت کو اگر بعض لوگ منسوخ سمجھتے ہوں تو یہ اُن کا اپنا ذاتی معاملہ ہے اس لئے ہم یہاں ناسخ و منسوخ کے اختلافی نکتۂ نظر کی تفصیل و تنقید کو موجبِ طوالت سمجھتے ہوئے صرف مہدویوں کا نظریہ پیش کردینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس باب میں مہدویوں کا اعتقاد و حسب فرمانِ مہدیء موعود علیہ السلام یہی ہے کہ قرآنِ مجید محکم اور ناسخ ادیانِ ماضیہ ہے۔ اس کا کوئی جز من کل الوجوہ۔ منسوخ نہیں ہوسکتا اس لئے ہمارے پاس قرآنِ مجید کا ہر حکم اپنے موقع و مورد کی خصوصیات کے لحاظ سے جب کبھی ضرورت ہو قیامت تک ممکن العمل تسلیم کیا جاتا ہے۔ اِسی لئے میراثِ مہاجرین سے متعلقہ آئیہ مذکورۃ الصدر پر عمل کی نظیر روایاتِ زیر بحث میں پائی جارہی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مہاجر کا ترکہ مہاجرین میں جو تقسیم کیا گیا یہ آیہ شریفہ کے حکم اُولٰٓئِکَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍؕ کے مطابق ہے اور غیر مہاجرین کو جو نہیں دیا گیا وہ اسی آیت کے حکم مَالَكُمۡ مِّنۡ وَّلَايَتِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ کے تحت عمل ہوا۔

اور اِسی اصول کی بناء پر صاحبِ دائرہ کی میراث کا متولی اس کا جانشین ہی قرار دیا جاتا ہے بمصداقِ فرمانِ حضرت مہدی علیہ السلام کا " میراث سوختگان به سوختگاں می رسد" ۔

غرض روایت (106)، (107) میں تقسیمِ میراثِ مہاجرین کا جو واقعہ ہے ان فقرائے مہاجرینؓ سے مخصوص ہے جنھوں نے اپنے گھر و قرابتدار و معاملاتِ دنیاوی سے منقطع ہوکر فقرائے دائرہ سے اپنی زندگی وابستہ کرلی تھی۔ اور یہ واقعہ احکامِ قرآنی سے مطابقت بھی رکھتا ہے لیکن اس سے یہ الزام عاید کرنا قطعاً غلط ہے کہ مہدوی احکامِ مواریث کے پابند نہیں ہوتے۔

احکامِ اسلام میں میراثِ مہاجرین کی جو آیت ہے اس کے سوائے صدقہ۔ ہبہ۔ وقف وغیرہ اور بھی صورتیں ہیں جنھیں شرعی ورثاء کو ترکہ کا مستحق نہیں قرار دیا جاتا۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کے باغ فدک کا مشہور واقعہ ہے کہ آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کی دختر حضرت بی بی فاطمہؓ اور دیگر ورثہ کو دینے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس بناء پر انکار کردیا کہ آنحضرتؐ نے فرمادیا تھا کہ " ماترکناه صدقهة " (ہم نے جو کچھ ترکہ چھوڑا ہے وہ سب صدقہ ہے) اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ورثہ شرعی کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے محروم کردیا اور احکامِ قرآنی کے خلاف عمل کیا یا یہ کہ آپؓ احکامِ مواریث کے نَعُوذُبِاللّٰہ قائل و پابندی نہ تھے۔

مسئلہ زیرِبحث کی بھی یہی صورت ہے تارک الدنیا فقرائے مہاجرین جو کچھ چھوڑ جاتے تھے بحیثیتِ ذاتی ملک کے نہیں بلکہ اُن کی ذات اُن کا مال و اسباب سب کچھ اللہ فی اللہ ہوتا تھا۔ اس لئے اُن کے متروکہ کے بارے میں حسبِ سند کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ عمل کیا گیا۔ اس خاص صورت کے سوائے عام مہدویوں کے لئے ترکہ کی تقسیم میں اُن سب احکام کی پابندی لازم ہوتی ہے جو قرآن و حدیث میں موجود ہیں اور جن کی تفصیلات فقہ کے متخرجہ مسائل میں پائی جاتی ہیں۔ اور اس بارے میں حسبِ احکامِ شریعت جو فتویٰ ہوتا ہے وہی معمولی اور واجب التعمیل ہوتا ہے اور اِسی لحاظ سے ترکہ کی تقسیم عمل میں آتی ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ ہجرت سے متعلق ہم نے جن مسائل کو واضح کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ خواہ ہجرتِ ظاہری ہو یا باطنی ہر صورت میں کتاب و سنت کے خلاف کوئی حیثیت مذہبِ مہدویہ میں موجود نہیں ہے۔

توضیح روایات دربیان علم خواندن :-

سعدیؔ بشوئے لوحِ دل از نقش غیراد * * علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

(حضرت سعدیؒ)

ایسی روایات جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے علم پڑھنے سے منع فرمادیا ہے ان کا مطلب واضح ہو جانا ضروری ہے تاکہ ان روایات کی نوعیت معین ہوجائے اور معلوم ہو کہ فی الحقیقت حضرتؑ نے مطلقاً تحصیلِ علم سے منع فرمایا ہے یا نہیں۔ منعِ علم سے متعلق جو روایات زیرِ نظر کتاب میں موجود ہیں اُن کے نشاناتِ شاریہ ہیں۔ (58ا)، (159)، (166)، (167)، (168)، (169)، (172)۔ اس کے علاوہ نقلیات کی دوسری کتابوں میں اِسی مضمون کے مماثل روایات پائی جاتی ہیں وہ تمام روایات جن میں منعِ علم کا مضمون پایا جارہا ہو ان

کی تحقیق اِسی اصول پر کی جانی چاہیئے جو خود حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ " اگر آں نقل موافقِ کلامِ حق تعالیٰ است آں نقل درست و از من است۔۔الخ " یا ممکن ہو تو آپؑ ہی کے دوسرے فرامین کی مدد سے تطبیق کی جائے قرآنِ مجید میں علماء کی شان میں یہ آیات ہیں :-

(1)۔ یَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ ۙ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ۝

(سورۃ المجادلۃ۔11)

ترجمہ :- تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں (اور ایمان والوں میں) جو لوگ علم دیئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے درجہ بلند کردے گا اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ ان سب کی خبر جاننے والا ہے۔

(2)۔ بَلۡ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ ؕ (سورۃ المنکبوت۔49)

ترجمہ :- بلکہ وہ آیات (قرآن) روشن ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جو صاحبِ علم ہیں۔

(3)۔ قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ (سورۃ الزمر۔9)

ترجمہ :- کیا وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر ہو جائیں گے ؟

(4)۔ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ (سورۃ فاطر۔27)

ترجمہ :- بے شک اللہ کے بندوں میں اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو (اللہ کو) جاننے والے ہیں۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے " علم " اور " عالم " کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور دین سے علماء کو متعلق کر کے دکھایا گیا ہے۔اِسی طرح اس باب میں احادیث بھی موجود ہیں۔ مثلاً :-

(1) ۔ العلم فریضه علی کل مسلم و مسلمة۔

ترجمہ :- علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

(2)۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا

ترجمہ :- میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کے دروازہ ہیں۔

(3)۔ فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سایر الکواکب (ابو داؤد، ترمذی۔ ابن ماجہ)

ترجمہ :- عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی کہ تمام ستاروں پر چودھویں رات کے چاند کی۔

(4)۔ فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنی رجل من اصحابی۔

ترجمہ :- (ترمذی نے ابویمامہ سے روایت کی اور جس نے صحیح کہا ہے) عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی کہ مجھ کو میرے ادنیٰ درجہ کے کسی صحابیؓ پر ہے۔

(5)۔ العلماء ورثۃ الانبیاء

ترجمہ :- علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

مذکورہ آیات و احادیث کے مضمون سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ " منعِ علم " کی روایات جو حضرت مہدی علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں آیات و احادیث کے موافق نہیں ہیں۔ حالانکہ ضرورتِ علم سے متعلق روایات بھی موجود ہیں مثلاً روایات (21)، (161)، (163)، (164)، (169)، (236)، (278)، ہم یہاں اس مسئلہ پر بغرضِ تطبیق نظر ڈالتے ہیں۔

" علم " کے معنی ہیں صرف " جاننا " لکھنا پڑھنا حصولِ علم کے ذرایع ہیں لیکن نفسِ علم نہیں ہیں۔ جس طرح انسان سونگھ کر بو کے ذریعہ اشیاء کا علم حاصل کرلیتا ہے اِسی طرح چکھ کر ذایقہ کے ذریعہ اور سنکر آوازوں پر سے بھی معلوم کرلیتا ہے کہ فلاں فلاں ہے۔ سب سے زیادہ تفصیلی علم بصارت سے تعلق رکھتا ہے اور حواسِ ظاہریہ و باطنیہ حصولِ علم کے جیسے معاون و مددگار ہیں ویسے ہی لکھنا پڑھنا بھی ضروری ذرایع ہیں۔

صناع، صنعت گری میں حسبِ موقع و محل بلحاظِ ضرورت جس طرح مختلف النوع و مختلف الوضع آلات کا استعمال کرتا ہے۔ اِسی طرح ایک انسان دوسرے انسان کے مافی الضمیر کے سمجھنے کے لئے بھی آلات کے طور پر حواسِ ظاہریہ و باطنیہ کے ذریعہ سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔ اس کے علاوہ خاص خاص آوازیں اور خاص خاص لکیریں بھی اس نے وضع کرلی ہیں۔ جن کے ذریعہ وہ اپنے دل کے احساسات و تجربات و مشاہدات کو بآسانی ظاہر کرسکتا ہے۔

ان آوازوں اور لکیروں کو الفاظ و زبان کہتے ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں کے بسنے والے باشندوں نے اپنے اپنے طور پر جیسے جیسے الفاظ و لکیر وضع کر لیئے ہیں اُن آوازوں اور لکیروں کو الفاظ و زبان کہتے ہیں۔ اور ان میں وہی مستعمل اور اظہارِ مافی لضمیر کا ذریعہ قرار پاگئے۔ اِسی کا نتیجہ ہے جو آج دنیا میں کئی قسم کی زبانیں پائی جارہی ہیں۔

جب تک کوئی انسان کسی زبان کے استعمال کے طریقوں سے واقف نہ ہو اس زبان میں اپنا مطلب نہیں ادا کر سکتا اور نہ دوسرے کا مطلب خود جان سکتا ہے۔ ایک مجبورِ محض بن کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے دنیا کے ہر حصہ میں بلالحاظِ خصوصیتِ زبان " الفاظ " کے علم و استعمال کو "جزو لانیفک" کی حیثیت دے دی گئی۔ گفتگو تقریر و تحریر ضروریاتِ زندگی کے اہم لوازم قرار پاچکے۔

اس کے باوجود ایسی نظیریں بھی موجود ہیں کہ ایک شخص تحریر سے بالکل واقف نہ ہو۔ لیکن کتابی معلومات میں بہت کچھ مہارت رکھتا ہے۔ یہ مہارت اس کو کیسے حاصل ہوگئ۔ جب کہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا! ماننا پڑے گا کہ اس نے ایسے آدمیوں کی صحبت اختیار کی ہوگی جو کتابی علوم سے واقف تھے۔ ان کے معلومات سنتے سنتے یہ بھی ایک عالم کی طرح اظہارِ معلومات میں اِسی حدتک حصہ لینے کے قابل ہوگیا جس حدتک کہ وہ جان چکا۔۔

ہم نے جو کہا کہ " لکھنا پڑھنا " نفسِ علم نہیں ہیں اس کا یہی مطلب ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر بھی انسان معلومات حاصل کرسکتا ہے۔ کئی علماء ایسے گزرے ہیں اور بعض سرحدی و افغانی علماء کو خود ہم نے بھی دیکھا ہے جو منطق، فقہ، وغیرہ علوم کے ایک فنی جید عالم ہونے کے باوجود لکھ نہ سکتے تھے۔ کیوں کہ انھوں نے لکھنے کی کوشش ہی نہ کی۔ اِسی طرح دائرے کے امی مہدوی، بمصداقِ فرمانِ حضرت مہدی علیہ السلام غیر مہدوی عالم پر غالب جو آجاتے تھے اس کی بھی یہی وجہ تھی۔ کیوں کہ دائرہ بندی کے فیوض و برکات انھیں حاصل تھے۔ گویا ان کی یہ شیرازہ بندی تھی۔ روزانہ بیانِ قرآن سے رموز و حقایق عموماً سنا کرتے تھے۔ جس کی وجہ اُن کے قلوب، نورِ ایمان سے متجلی ہوتے اور ان کے دماغوں میں بیانِ قرآن کے نقوش ثبت ہوا کرتے تھے۔ تواریخِ اغیار میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے :-

جمعے را ازیں سلسلہ ملازمت کردہ ام و اخلاق رضیہ و اوصافِ مرضیہ ایشاں را در فقرو فنا بمرتبۂ عالی دیدہ و بیانِ قرآن و اشارات و دقایق و معارف لطائف بے کسب علومِ رسمی چناں شنیدہ ام کہ اگر خواہند مجملے از آنہا در قید کتابت آرند تذکرۃ اولیائے دیگر باید نوشت۔
(نجات الرشید قلمی تصوف فارسی نمبر 1564 کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن)

ترجمہ :- اس سلسلہ (یعنی مہدویہ) کے بہت سے لوگوں کی خدمت میں رہا ہوں اُن کے پسندیدہ اخلاق اور پسندیدہ اوصاف کو فقر و فناء میں مرتبۂ عالی پر پایا۔ اگرچہ انھوں نے علمِ رسمی حاصل نہیں کیا تھا لیکن قرآن کا بیان اور

اشارات و حقائق کی باریک باتیں اور معرفت کے لطیف نکات میں نے اس قدر سنے ہیں کہ اگر ان میں سے کچھ مجمل طور پر قیدِ تحریر میں لانا چاہیں تو ایک اور "تذکرۃ الاولیاء" لکھنا ہوگا۔

حاصلِ کلام یہ کہ "علم" کے معنی ہیں صرف "جاننا" خواہ لکھنے پڑھنے کے ذریعہ جانے یا جاننے والوں کی صحبت میں رہ کر بغیر لکھے پڑھے جانے لیکن لکھنا پڑھنا علم کے اہم اور ضروری ذرایع ہیں۔

نفسِ علم کی اس مختصر توضیح کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں کس علم کے جاننے والوں کی خصوصیت و فضیلت بیان ہوئی ہے۔ قرآنِ مجید علوم و آئین کا سمندر ہے جس میں قیامت تک ہونے والی انسانی دنیا کے لئے ہر دور میں پیش آنے والی ضروریات کو پورا کرنے والے مسائل بیان کردیئے گئے ہیں جس کی گواہی :-

" اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ" (سورۃ المآئدۃ-3)

ترجمہ :- (میں نے تم پر نعمت پوری کردی ہے اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا ہے۔) کے الفاظ بتا دے رہے ہیں اُن سارے علوم و آئین قرآنیہ کو کلی حیثیت سے بہ یک لفظ "علمِ دین" کہا جاسکتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اِسی علم کی اہمیت ہے اِسی علم کے جاننے والوں کو فضیلت ہے۔ صوفیہ و محققین نے "علمِ دین" کی تقسیم اس طرح کی ہے :-

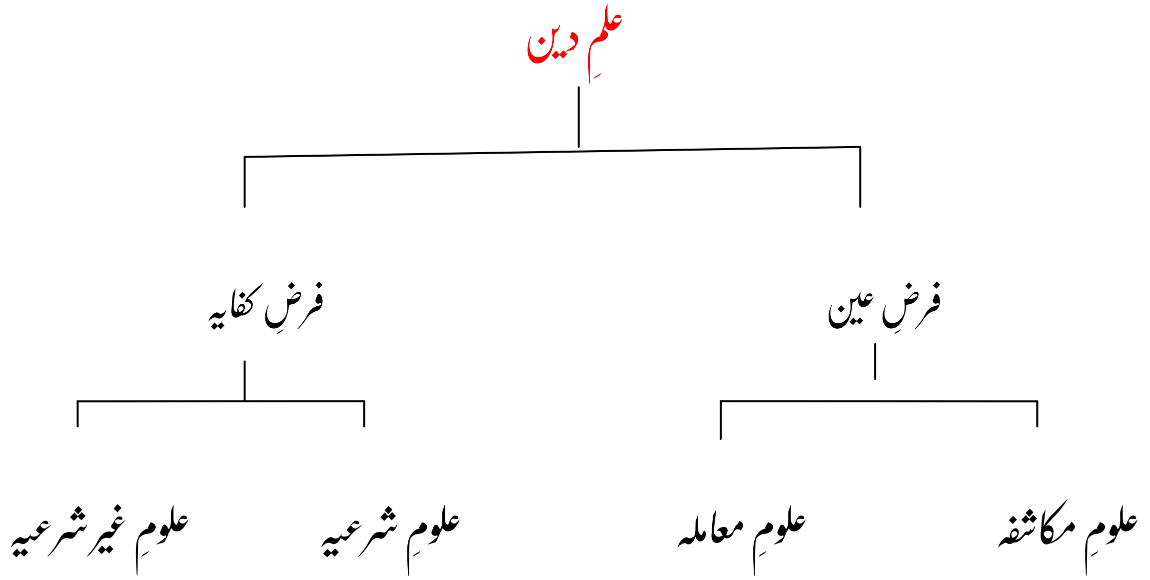

1۔ علومِ مکاشفہ سے مراد قرآنِ مجید کا وہ علم ہے جس کے ذریعہ طالبِ حق مطلوب کو پہنچ سکتا ہے اور وہ یقین ہے جو اس نور کی وجہ قائم ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں ڈال دیتا ہے جس کی وجہ وجودِ باری تعالیٰ کا عرفان و ایقان "علم الیقین"، "عین الیقین" سے بڑھ کر "حق الیقین" کی منزل کو پہنچ جائے۔ غرض فناء و بقا کے لاہوتی منازل تک پہنچنے کے لئے جس علم کی ضرورت ہوتی ہے اس کو "علمِ مکاشفہ" کہتے ہیں۔

2۔ علومِ معاملہ سے مراد قرآنِ مجید کا وہ علم ہے جس کے ذریعہ مومن اپنے قلب پر نظر رکھتا ہے کہ ترک، ترکِ ماسوی اللہ کی کس حدتک پابندی ہو رہی ہے۔ جھوٹ، غیبت، ناجائز اُمور کی رغبت کس طرح دل میں جگہ نہ پاسکے گی۔ اوامر و نواہی کی پابندی سے متعلق اپنے افعال پر نظر رکھنا تو اور بات ہے یہاں مومن اپنے قلبی ارادوں پر بھی کامل ضبط و قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی اُمور کی تحصیل کو "علومِ معاملہ" کہتے ہیں اور یہ علومِ مکاشفہ کے اہم معاون ہیں۔

3۔ علومِ شرعیہ سے مراد قرآنِ مجید کا وہ علوم ہیں جو عقاید و عبادات و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ تفسیر، اصولِ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ وغیرہ، نیز صرف و نحو، معانی و بیان وغیرہ ادبی علوم کو بھی علومِ شرعیہ میں شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ خادمِ علومِ شرعیہ ہیں۔ ان علوم سے واقفیت کے بغیر عامۃ الناس کا قرآنِ مجید کے عربی اعلیٰ اندازِ کلام کو سمجھنا مشکل ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی شروط و لوازم اور پیش آنے والے مختلف مسائل اور بیع و شرا، نکاح و طلاق وکالت وغیرہ معاملات جو تدبیرِ منزل اور عام اجتماعی معاشرتی اقتصادی اُمور اور سیاستِ مدن سے متعلقہ تمام مسائل کا علم انھیں مذکورہ " علومِ شرعیہ " کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

4۔ علومِ غیر شرعیہ ایسے علوم ہیں جن کا راست استنباط قرآنِ مجید سے تو نہیں ہوتا لیکن وہ علوم تدبیرِ شخص، تدبیرِ منزل اور اجتماعی معاشرتی و اقتصادی اُمور کے اور سیاستِ مدینہ کے اہم مدو و معاون ہوتے ہیں۔ جیسے سائنس، فلسفہ، ریاضی، صنعت و حرفت وغیرہ جن کا جاننا معاشرتی نقطۂ نظر سے ضروری ہو۔ ایسے علوم کو بھی " علمِ دین" سے متعلق رکھا گیا ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمایا :-

العلم علمان علم الابدان علم الادیان۔

ترجمہ :- علم دو ہیں ۔ ابدان کا علم ۔ ادیان کا علم

اس کے علاوہ " علومِ غیر شرعیہ میں بعض ایسے ہیں جو محض مضرت سے تعلق رکھتے ہیں جیسے کہ جادو کا علم یا اور اِسی قبیل کے مضرت رساں علوم کو " علمِ دین" سے قطعاً تعلق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان و اعتقاد کے بعد اس کی طلب پیدا ہونا فطری لازمہ ہے جس کی توضیح طلبِ دیدارِ خدا کی بحث میں کی گئی ہے۔ اس بحث میں جن اُمور کو واضح کیا گیا ہے اس سے مترشح ہوکہ وجود و توحید باری تعالیٰ کا علم و ایقان "اصل" ہے اور اس "اصل" کی نسبت کے لحاظ سے اس کی نازل کی ہوئی شریعت "فرع"۔ کیوں کہ جب تک خدا پر ایمان نہ لایا جائے اس کے بھیجے ہوئے خلیفہ اور اس کی نازل کی ہوئی شریعت پر ایمان کیسے لایا جا سکے گا۔ چنانچہ تعلیمِ اسلام میں اقرارِ توحید کو مقدم رکھا گیا ہے۔ جو پہلا کلمہ طیبہ کے نام سے مشہور ہے اور فی الحقیقت، نبوت و شریعت کی ضرورت، اقرار و معرفتِ توحید ہی کے لئے ہے۔

پس علمِ توحید کا ایقان جس درجہ ترقی پائے گا اتنا ہی تعلیمِ شریعت سے استفادہ میں کمال حاصل ہوگا۔ جو نوعیت چراغ اور اس کی روشنی کی ہے وہی نوعیت علومِ مکاشفہ و علومِ شرعیہ کی ہے۔ توحید پر ایمان و اعتقاد ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس کے طفیل علومِ شرعیہ سے خود مستفید ہونا اور دوسروں کو فائدہ پہنچانا ہر ایک کی قوتِ ایمان اور صلاحیتِ افادہ پر منحصر ہے۔ یہاں شریعت و طریقت میں تفریق ہونے کے گمان کا کوئی موقع نہیں ہے۔ ہم نے فرائضِ ولایت کے بیان کے تحت اس امر کی توضیح کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ( )

اس کے علاوہ "علومِ مکاشفہ" و "علومِ شرعیہ" پر صوفیہ و محققین نے ایک نوعیت سے بھی بحث کی ہے مثلاً علومِ شرعیہ و غیر شرعیہ کا علم، عقل سے تعلق رکھتا ہے اور اُمورِ مکاشفہ کا علم، "عشق" سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے جس طرح عشق اور علم میں فرق ہے اَسی طرح علومِ مکاشفہ و علومِ شرعیہ میں بھی فرق ہے۔

عشق کا پہلا لازمہ "ایقانِ تام" ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بغیر کسی ریب و تذبذب کے مقلدانہ شان جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ گویا عشق کا لازمہ تقلید ہے یا عشق کے لئے تقلید لازم! اِسی لئے محققین کرام نے تقلید کو عشق کا دوسرا نام

دیا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کو دیکھو کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کی تقلید میں کس قدر بلیغ احتیاط برتی ہے۔ آپ نے خربوزہ اس بنا پر کھانے سے احتراز کیا تھا کہ انھیں معلوم نہ تھا کہ حضرت نبی ﷺ نے یہ پھل کس طرح تناول فرمایا ہے۔

کیفیتہا خیزد از صہبائے عشق ** ہست ہم تقلید از اسمائے عشق!

کاملِ بسطامؒ در تقلید فرد ** اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

اند کے اندر حراے دلنشیں ** ترکِ خود کن سوئے حق ہجرت گزیں

(اقبالؒ)

چونکہ تقلیدِ احکامِ شرعیہ کے لئے عشق بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور عشق کا ارتقاء علومِ مکاشفہ و معاملہ ہی سے ہوسکتا ہے اس لئے صوفیہ و محققن نے ان علوم کو فرضِ عین قرار دیا ہے۔

عقل و دل ونگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق ** عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

(اقبالؒ)

جو حضرات، خلیفۃ اللہ کی صحبت میں تھے اُن کو بڑی سہولت یہ حاصل تھی کہ خلیفۃ اللہ کی ذات سے اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے موافق استفادہ کرسکتے تھے۔ اس کے عمل کو دیکھ کر اپنا عمل درست کرلیتے اور جن مسائل میں شبہات ہوتے رفع کرلیتے تھے۔ اس طرح بلحاظِ تقلید و علم و عمل، دین کے بلند مراتب پر فائز ہوجاتے تھے۔ حتی کہ اُن کی نماز معراج المؤمنین کی حیثیت رکھتی تھی۔

روایت ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام جب خراسان میں تھے ایک عالم ، خدمتِ فیضِ درجت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کے ساتھی نماز کے احکام نہیں جانتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا مجھے علم نہیں یہ لوگ داڑھیاں لمبی کر چکے اور اتنا نہیں جانتے۔ ان سے کہو کہ ایک دوسرے سے سیکھیں۔ پھر چند دن بعد ایک دفعہ اِسی عالم نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھی نماز پڑھنا نہیں جانتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ ایسی نماز جیسی کہ یہ ادا کرتے ہیں تم ادا تو کرلو! (روایت 163) انصاف نامہ باب دہم میں یہ روایت میاں ملک جیوبن برخوردارؒ سے مروی ہے۔

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہو رہی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرتؑ نے شرعی علوم سیکھنے کی ضرورت ظاہر فرمائی اور حکم دیا کہ جو نہ جانتے ہوں اُن سے کہو کہ سیکھیں۔ دوسری یہ کہ آپؑ کی فیضمآب تعلیم و تربیت کے طفیل آپؑ کے متبعین کی عبادات صرف پابندِ رسمیات ہی نہ تھیں بلکہ معناً اعلیٰ مراتب کے حامل تھیں اس لئے اس خراسانی عالم کو حکم دیا کہ تم بھی ایسی ہی نماز ادا کریں جیسی کہ یہ میری صحبت میں رہنے کی وجہ سے ادا کر رہے ہیں۔

استادنا خان علامہ نے یہاں اس واقعہ کے ذکر کی ضرورت ظاہر فرمائی کہ 1241ھ میں جب کہ کانفرنس مہدویانِ ہند بمقام چن پٹن بصدارت مولوی محمد بہادر خاں صاحب (بہادر یار جنگ المشہور بہ قائدِ ملت مرحوم) منعقد ہوئی تھی ایک اجلاس میں یہ فقیر تقریر کر رہا تھا، اثنائے تقریر، صدرِ موصوف نے خواہش ظاہر کی کہ "حضرت امامنا علیہ السلام کی نسبت" ممانعتِ تحصیلِ علم" کے احکام جو مشہور ہیں اور جن پر بعض مخالفین نے اعتراض بھی کئے ہیں اس کی حقیقت واضح کی جائے"۔! احقر نے اس وقت ان خیالات کا اظہار کیا۔

مہدیِ موعودؑ خلیفۃ اللہ آفتابِ ولایتِ محمدیہ کے فیضان سے جو لوگ مستفید ہو رہے تھے گویا وہ دین کے اصل مقاصد عرفان کے منازل طئے کر رہے تھے۔ عشق کی لو اُن میں پیدا ہوجاتی تھی جو "علومِ مکاشفہ و معاملہ" کی اصل ہے اور ذکرِ خفی کی تلقین سے نورِ یقین اُن میں جلوہ گر ہو جاتا تھا۔ طریق عبادات ، اہتمامی مسائل اور عام معاملات

کے ضروری احکام وقتاً فوقتاً حسبِ موقع و ضرورت معلوم ہوتے جاتے تھے۔ اس کی تحصیل کے لئے خاص طور پر منہمک ہو جانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ خواہ احکامِ ظواہر کی تحقیق ہو یا مسائلِ باطن کی تصحیح ، حضرت مہدی ءِ موعودؑ کی ذاتِ قدسی صفات سے استفادہ لازم تھا کیوں کہ یہ ایک اہم اور قطعی ذریعہ موجود تھا۔

جس طرح دن میں جب کہ آفتابِ عالم ضیا بار ہو، گھی اور تیل کے چراغ یا برقی قمقمے روشن کرنا ابلہی کا موجب ہوجاتا ہے اِسی طرح آفتابِ ولایتِ محمدیہؑ کے ہوتے ہوئے مفسرین و محدثین و فقہاء کی تصانیف و تالیفات کی طرف رجوع ہونا غیرضروری بے محل ، لا حاصل تھا۔ اِسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے اپنے بتلائے ہوئے مشاغل کو چھوڑکر من مانے مضامین و کتب کا مطالعہ کرنے سے باز رکھا ہے۔ جن روایات میں کتاب کے مطالعہ اور تحصیلِ علم کی ممانعت پائی جاتی ہے اس کی علتِ غائی یہی ہے کیونکہ ام الکتاب (قرآن) کا حاصل جو عشقِ الٰہی ہے اِسی سے اپنے متبعین کو بہرہ مند اور احوال و مقامات کے اعلٰی مدارج سے مستفیض کرنا مقصود تھا۔

حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ " قرآن عشق نامه است" (نقلیاتِ میاں سید عالمؒ) اسی لئے عشق کو ام الکتاب بھی کہتے ہیں ، جب کہ تعلیمِ عشق ام الکتاب ہے اور عشق علومِ مکاشفہ کے لئے لازم ہے اور حضرت مہدی علیہ السلام نے اپنے متبعین کو عشق ہی کی تعلیم دی اور اِسی کے ارتقاء میں منہمک و مشغول رکھا۔ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضرتؑ نے علمِ دین جو شقِ محققینِ اکابر اہلِ سنت کے پاس فرضِ عین مسلم ہے اِسی کی تعلیم و تربیت بحکمِ خدائے تعالٰی نہایت اہتمام سے فرمائی۔ جس کے ذریعہ " فنا فی اللہ بقا باللہ" کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ امامنا علیہ السلام نے اسی دولت کے خزانے لٹائے اور اپنے صحابہ کرامؓ کو اسی میں منہمک رکھا اور یہی آپؑ کے شایانِ شان تھا۔ اس اہم مقصد کے حصول میں جو کام بھی حائل آ سکتا ہو اس مصروفیت سے منع فرمادیا کرتے تھے۔

اس حقیت کی موجودگی میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپؑ نے "تحصیلِ علم" سے مطلقاً منع فرما دیا ہے۔!!

پس ماننا پڑے گا کہ علمِ دین کے اہم حصے کی تکمیل سے جو فرضِ عین تسلیم کیا جاتا ہے مستفیض فرمایا۔ جس کے لئے اس سے بہتر قطعی و واجب الایقان و معصوم عن الخطا والنسیان ہستی سے استفادہ کا موقع حاصل ہونا محال تھا۔

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن کِرمِ کتابی نہ بن

عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات
علم مقامِ صفات ، عشق تماشائے ذات
عشق سکون و صفات عشق حیات و ممات

علم ہے پیدا سوال ، عشق ہے پنہاں جواب

عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج و نگیں
عشق مکان و مکیں ! عشق زمان و زمیں

عشق سراپا یقیں ، اور یقین فتحِ باب

شرعِ محبت میں ہے عشرتِ منزل حرام

شورشِ طوفاں حلال ، لذتِ ساحل حرام

عشق پہ بجلی حلال ، عشق پہ حاصل حرام

علم ہے ابن الکتاب ، عشق ہے ام الکتاب

(اقبالؒ)

اس کے علاوہ مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے علومِ شرعیہ کی تحصیل سے بھی منع نہیں فرمایا ہے چنانچہ روایت ہے کہ :-

علماء نے سوال کیا کہ آپؑ علم پڑھنے سے منع کرتے ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ بندہ محمد رسول اللہ ﷺ کا تابع ہے جو کچھ حضرت رسول اللہ ﷺ نے منع نہ فرمایا ہو بندہ کیسے منع کرے گا۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اللہ تعالی کی کتاب کے حکم سے ذکرِ دوام کو فرض کہتا ہے جو کچھ مانعِ ذکر ہو وہ ممنوع ہے۔ (روایت 22)

دینِ اسلام کا فلسفۂ اخلاق تصوف اتنا ارفع و اعلیٰ اور مکمل ہے کہ جس کی ہر بات میں خوبی ہی خوبی ہے۔ علومِ شرعیہ کی تحصیل کے بھی آداب ہیں۔ عز و جاہ، کبر و غرور، مجادلہ و مکابرہ، فتنہ و فساد سے بچنے کی ضرورت رہتی ہے نفسِ امارہ کے غلبہ و تسلط سے بچ کر صرف دین ہی مقصود رہنا لازم ہے۔ ورنہ یہی دین جو علومِ شرعیہ سے متعلق ہے "حجابِ اکبر" بن جاتا ہے۔ اِسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا:-

" کسے کہ بسیار خواند۔ بسیار خوار شدہ غلبۂ طلبِ دنیا گردد و گرنہ در عجب افتداء انچہ بندہ گوید براں عمل دارید تا بینا گردید۔(روایت 173) اور (حاشیہ شریف)

یعنی جو شخص بہت پڑھ لیتا ہے طلبِ دنیا کے غلبہ کی وجہ (دینی حیثیت میں) بہت خوار ہو جاتا ہے۔ اگر یہ نہیں تو عجب (غرور) پیدا ہو جاتا ہے اس لئے بندہ جو کچھ کہتا ہے اس پر عمل کرو تاکہ دیدارِ الٰہی سے مشرف ہو سکو۔"

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ سادہ لوح امی ، قبولیتِ دین میں ان پڑھے لکھے آدمیوں پر سبقت لے جاتے ہیں جو کج فطرت اور ضدی و ہٹ دھرم واقع ہوں۔ کیوں کہ جن لوگوں کا میلانِ طبعی نفس پرستی کی طرف نہ ہو ان کو علم بھی آجائے اور علم سے اصلاح کے بجائے اپنے خواہشاتِ نفسانی کا اتباع کرنے میں علم سے مدد لینے لگیں تو لازماً " من ہم چیزے ہستم " کا تخیل اُن کے قوائے نفسانہ پر طاری رہے گا۔ جس کی وجہ اپنے مسلمات اور اپنے غور کردہ خیالات کے خلاف کوئی بات سننے اور اپنی اصلاح کی طرف مائل ہونے کی اُن سے بہت کم توقع کی جا سکتی ہے۔ اِسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ :-

میں اللہ کے حکم سے مردہ کو زندہ کر دینے میں عاجز نہیں ہوں لیکن عالمِ احمق کی تفہیم سے عاجز ہوں (روایت 163)

علم اگر کج فطرت وبد گوہر است ** پیشِ چشمِ ما حجابِ اکبر است

(اقبالؒ)

حضرت مہدی علیہ السلام نے اپنے صحابی بندگی میاں شاہ نعمت رضی اللہ عنہٗ سے فرمایا کہ :-

" اگر شما پیش ازیں علم خوانده بودے مرا قبول نہ کردید۔"

یہ روایت انصاف نامہ میں بھی درج ہے۔ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے اس روایت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امامنا علیہ السلام پر بے علم جاہل لوگ ہی ایمان لایا کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ اور دیگر حضرات کی تالیفات جو عربی و فارسی زبان میں ثبوتِ مہدیت پر لکھی گئی ہیں مولفِ مذکور کے زیرِ نظر تھیں۔ اور قاضی منتخب الدین جونیریؒ وغیرہ جلیل القدر علماء کی ایک طویل فہرست سے ناواقف نہ تھے۔ کیوں کہ اُن سب کا ذکر ان کتابوں میں موجود تھا۔ جن پر سے انھوں نے اعتراضات وضع کئے ہیں۔ اس کے علاوہ تواریخِ اغیار میں بھی اس کے تذکرے موجود تھے۔ یہ سب تفصیلات، مولفِ ہدیہ کے پیشِ نظر تھیں۔ کیا اِن حقائق کی موجودگی میں ان کا مذکورالصدر بیان ان ہی کے میلانِ طبعی کا آئینہ دار نہیں ہے ؟

اس کے قطع نظر منعِ علم کے بارے میں جن کتابوں کی روایات پر سے انھوں نے اعتراض کئے ہیں ان میں یہ روایت بھی موجود ہیں۔ مثلاً روایت ہے کہ :-

" اگر کوئی حضرت مہدی علیہ السلام سے عرض کرتا کہ اجازت ہو تو علمِ ظاہری کی تحصیل چھوڑ دوں۔ اگر واعظ ہوتا تو عرض کرتا کہ وعظ چھوڑ دوں اگر کاسب ہوتا تو عرض کرتا کہ کسب چھوڑ دوں تاکہ ذکر قائم ہو ہر ایک کو جواب فرماتے کہ کیوں چھوڑتے ہو ذکر کی کوشش کرو۔" (روایت 167)

نیز روایت ہے کہ :-

" حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص علم نہ پڑھا ہو، بیانِ قرآن کرے تو وہ بے دیانت ہے مگر سماع کے طریقہ پر جو کچھ سنا ہو نقل کی طرح بیان کردے (تو مضائقہ نہیں) روایت 136

نیز ایک روایت آگے مذکور ہوچکی کہ منعِ علم سے متعلق علماء کے جواب میں آپؑ نے فرمایا :-

" حضرت رسول اللہ ﷺ نے جو منع نہ فرمایا ہو بندہ کیسے منع کرے گا۔ (روایت22)

مقامِ غور ہے کہ یہ روایات انھیں کتابوں میں موجود ہیں جو مولفِ ہدیۂ مہدویہ کے زیرِ نظر تھیں ۔ان روایات کو چھپا رکھ کر محض اپنے منشاء و نیت کی تکمیل کی غرض سے صرف محتاجِ تشریح و تطبیق روایات کو پیش کر کے مخالف مفہوم عاید کردینے کی ایسی کوشش کو بے دیانتی اور عصبیتِ جاہلیہ کے سوائے اور کیا کہا جاسکتا ہے ۔

اس کے علاوہ انھیں کتابوں میں ایسی روایات بھی موجود ہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے جن صحابہؓ کو پہلے مطالعہ سے منع فرمایا تھا بعد میں خود اجازت مرحمت فرمائی ہے چنانچہ حضرت میاں عبدالفتح سے روایت ہے کہ :-

" شہرِ نہروالہ میں بندگی میاں نظام رضی اللہ عنہٗ کے ہاتھ میں ،کتابِ میزان دیکھ کر حضرت نے پوچھا کیا پڑھ رہے ہو؟ عرض کیا کتاب ہے حضرتؑ نے اُن کے ہاتھ سے کتاب لے لی اور چلے گئے ۔چند دن بعد ناگور میں بھی میاں مذکور کے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر منع فرمایا۔ اس کے بعد انھوں نے علم پڑھنے کی ہوس پوری طرح منقطع کردی۔ ایک عرصہ بعد خراسان میں حضرت مہدی علیہ السلام نے میاں نظامؓ سے فرمایا کہ کچھ علمِ حدیث پڑھو جب کوئی قابل ہوجائے تو اس کے لئے پڑھنا باعثِ نقصان نہیں ۔(انصاف نامہ باب 10)

نیز روایت ہے کہ :-

"میاں شاہ نظام رضی اللہ عنہٗ قیلولہ کے وقت ہاتھ میں حدیث کی کتاب رکھے ہوئے تھے ۔ اتفاقاً حضرت مہدی علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ میاں نظامؓ کیا مطالعہ کر رہے ہو؟ عرض کیا کہ حدیث (کی کتاب) ہے ۔آپؑ نے فرمایا حدیث کی کتاب رکھ دو ذکر میں مشغول رہو۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد حضرت مہدی علیہ السلام ، میاں نظامؓ کے حجرہ میں تشریف لائے اور فرمایا وہ حدیث (کی کتاب) کہاں ہے جس کا تم مطالعہ کر رہے تھے ؟ میاں نظامؓ

نے عرض کیا کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں ۔ فرمایا ڈھونڈ لاوَ۔ آپ نے وہ کتاب تلاش کرکے پیش کردی ۔ حضرتؑ نے فرمایاکہ حدیث کی اس کتاب کا مطالعہ کرو اس میں بھی مقصود خدا ہے ۔(روایت 161)

نیز روایت ہے کہ :-

ایک روز حضرت میراں سید محمود رضی اللہ عنہٗ اپنے ہاتھ میں کتاب رکھے ہوئے تھے ۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے پوچھا کونسی کتاب ہے ؟ آپؓ نے عرض کیا "تمہید" ہے ۔ فرمایا ذکر کی کوشش کرو تاکہ کیفیت پید ہو اور اس کو سمجھنے کی قوت حاصل ہو ۔(روایت 166)

ان روایات سے ظاہر ہے کہ امامنا علیہ السلام نے کتاب کے مطالعہ سے یا علم حاصل کرنے سے بعض وقت منع جو فرمایا اس کا ایک مقصد نورِایمان کی قوت بڑھانا بھی تھا۔ کیونکہ قرآن سمجھنے کے لئے نورِ ایمان حاصل رہنا ایک بنیادی امرہے اِسی لئے آپؑ نے یہ بھی فرمایاکہ "قرآن سمجھنے کے لئے نورِ ایمان کافی ہے ۔"(روایت 165) کیوں کہ اس کے بغیر اعتقاد و جازم اور یقینِ واثق اور مطالب کا انکشاف حاصل ہونا دشوار ہے ۔

اک دانشِ نورانی اک دانشِ برہانی ** ہے دانشِ برہانی حیرت کی فراوانی

(اقبالؔ)

اب یہ بات بخوبی ظاہر ہوچکی کہ جو لوگ حضرت کی صحبت میں تھے اُن کا مقصد " علمِ لدنی " کی تحصیل تھا۔ اس لئے حضرتؑ کے بتلائے ہوئے مشاغل میں اُن کا انہماک ضروری تھا۔ ہر ایک کی صلاحیت کے لحاظ سے جو اُمور اس کے انہماک و محویت میں خلل انداز ہونے والے ہوں اُن اُمور سے آپؑ کا منع فرمانا حصولِ مقصد کے اقتضا کے عین مطابق تھا۔ خواہ وہ تلاوتِ قرآن و حدیث و تفسیر ہی کیوں نہ ہو۔ آج بھی جو مومن اس جانب مائل ہوں

اُن پر اپنے مرشدِ طریقت کی ہدایات کی پابندی عاشقانہ اور والہانہ جذبات کے ساتھ لازم ہوتی ہے۔اِسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا:-

"اگر کوئی شخص ایک ہزار سال عبادت کرے اور وہ عبادت مقبول شدہ بھی ہو تو وہ بندہ کی ایک نظر کے اثر کے برابر نہیں ہے۔ (روایت 109)

کیونکہ آپؑ کی نظر کیمیاء اثر سے مقصودِ عبادت یعنی معبودِ حقیقی کا عرفان حاصل ہو جاتا تھا!!!

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لئے * * لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

(اقبالؒ)

توضیح روایات دربیانِ فضائلِ صحابہؓ :-

روایت (272) ملاحظہ ہوکہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ "میرے بعد ایسے لوگ بھی رہیں گے جن سے اقامتِ دین ہوگی" نیز اپنے صحابہؓ کو "اصحابِ صفہؓ" کی صفات سے متصف ہونے کی بشارت عطا فرمائی ہے۔

(ملاحظہ ہو روایت 69) اِسی لئے سوانحِ صحابہؓ مہدی ءِ موعودؑ میں رضا و تسلیم، صبر و توکل اور فنا و نیستی کی اعلیٰ مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اخلاق و آدابِ صحابہؓ کے بیان میں جو روایات اس کتاب کی حد تک درج ہیں اُن کے مطالعہ سے واضح ہوسکتا ہے کہ اپنے معاصرین و فقرائے دائرہ و معتقدین و اغیار کے ساتھ اُن کے اخلاق و آداب کیا تھے۔ (روایت 248) ملاحظہ ہوکہ :-بعض مہاجرینؓ نے حضرت بندگی میراں سید محمود رضی اللہ عنہٗ سے کہہ دیا کہ میاں سید خوندمیرؓ اپنے کو تمام صحابہؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔" حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کو اس

کی خبر ملی تو آپؒ نے فرمایا :- " بنده گاهے خود را بر یاران فضل نداده است که حضرت میراں علیه السلام دائم نیستی و فنا فرموده اند۔ فضل دادن صفتِ ہستی است۔" یعنی بندہ نے صحابہؓ پر کبھی اپنا فضل نہیں جتلایا ہے کیونکہ حضرت مہدی علیہ السلام نے ہمیشہ نیستی اور فنا کی تعلیم فرمائی ہے۔ فضل جتلانا تو ہستی کی صفت ہے۔" (انصاف نامہ باب 17) میں بھی یہ روایت بیان ہوئی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب صحابۂ مہدی ءِ موعودؑ کے اعمال کی بنیاد نیستی و فنا پر تھی تو اُن کے اخلاص و اخلاق و آداب کے مراتب محتاجِ بیان نہیں ہیں۔

توضیح روایت 249 :-

اس روایت کا خلاصہ یہاں درج کیا جا رہا ہے کہ حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام کو دو جوانوں میاں سید محمودؓ اور میاں سید خوندمیرؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلومات ہورہے تھے۔ لیکن حضرتؑ نے ابھی ظاہر نہیں فرمائے تھے۔ اِدھر حضرت سید خوندمیرؓ کو بھی اس وقت جب کہ وہ اور حضرت سید محمودؓ نمازِ عصر کی جماعت میں بازو بازو تھے معلوم ہوا کہ :- " فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ ۔۔ الخ "(سورۃ البقرۃ۔59)

ترجمہ :- ان لوگوں کو جو بات کہی گئی تھی اس کے بجائے انھوں نے جو بات بدل دی ظلم کیا۔ حضرت سید محمودؓ سے آہستہ اس علم کا ذکر کیا تو انھوں نے " اٰمنا و صدقنا " کہا۔

اس روایت میں جو آیت آئی ہے یہ سورۃ البقرۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کے واقعات کے سلسلہ میں بیان ہوئی ہے۔ ان لوگوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ " حِطَّه " کہیں " قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (سورۃ البقرہ۔58) یعنی " حطہ " کہو تاکہ تمہاری خطائیں ہم بخش دیں۔ اور تمہاری نیکیاں زیادہ

کریں" مگر انھوں نے " حطہ " کے بجائے حنطًا حمتًا (سرخ گیہوں) کہا۔ "توبہ" کے بجائے انھوں نے کھانے کی چیز طلب کی گویا بتلائی ہوئی بات کو انھوں نے بدل دیا۔

حضرت سید خوندمیرؓ کو اس آیت کی طرف غیب سے توجہ دلانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ معلوم کرایا گیا کہ سیدینؓ کی فضیلتیں و خصوصیتیں حضرت مہدی علیہ السلام ظاہر فرمادیں گے ان کو جو فضائل و خصائص معلوم کرائے جائیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔ اِسی لئے حضرت سید محمودؓ نے آمنا و صدقنا کہا۔ یعنے بے شک حضرت مہدی علیہ السلام بغیر کسی تبدیلی کے فرمائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے اس وقت تمام صحابہؓ کو بشارت سے سرفراز فرمایا۔ اور تمام صحابہؓ میں دو جوان میاں سید محمودؓ و میاں سید خوندمیرؓ کی خصوصیت کو فرشتوں میں جبرئیل و میکائیل کی خصوصیت سے تشبیہ دی۔

توضیح روایت 253 :-

حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ بھائی سید محمودؓ کو سیرِ نبوت ہے اور سید خوندمیرؓ کو سیرِ ولایت ہے۔ صرف اس روایت کی بناء پر سیرِ نبوت کو " کل" اور سیرِ ولایت کو " جز " کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر سیرِ نبوت مع ولایت اور سیرِ ولایت سے صرف " ولایت" مراد ہوتی تو البتہ اس وقت یہ کہنا درست ہوتا لیکن یہاں سیرِ نبوت سے سیرِ ذاتِ مصطفیٰؐ اور سیرِ ولایت سے سیرِ ذاتِ مہدیؑ مراد ہے چنانچہ یہ توضیح خود روایت سے ثابت ہے کہ :-

ایک روز حضرت مہدی علیہ السلام حضرت مصطفیٰ ﷺ کی ولایت کی فضیلت بیان فرما رہے تھے اس اثناء میں آپؑ نے فرمایا کہ حضرت رب العزت کا فرمان ہورہا ہے کہ اے سید محمدؑ جہاں ولایت ختم ہوگی وہاں بہت سارے قائم مقام انبیاء ہوں گے۔ بعض کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیر حاصل ہوگی ۔ میاں سید خوندمیرؓ نے سوال کیا،

کسی کو سیرِ مصطفیٰؐ و سیرِ مہدیٰؑ بھی حاصل ہوگی ؟ آپؑ نے فرمایا ہاں ! میراں سید محمودؓ کو سیرِ مصطفیٰؐ اور تم کو بندے کی ذات میں سیر ہے ۔ " (ملاحظہ ہو روایت 258)

سیدینؓ کے مرتبہ کے تعین کے لئے بھی یہ ایک محکم اور واضح روایت ہے اس توضیحی روایت کی روشنی میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر سیرِ نبوت کو " کل " اور سیرِ ولایت کو " جز " کہا جائے تو اس سے تسویتِ خاتمین علیہما السلام کا متفق علیہ عقیدہ متاثر ہو جائے گا اور کوئی مہدوی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا ۔ حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے رسالہ " بعض الآیات " میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

المہدی یکون موصوفا بجمیع صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم صورۃ و معنا و یکون مظہر الاسماء الالٰھیۃ کلھا کمان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم۔

ترجمہ :- مہدی علیہ السلام حضرت رسول اللہ ﷺ کی تمام صفاتِ ظاہریہ و باطینہ سے متصف ہوں گے اور تمام اسمائے الٰہیہ کے اسی طرح مظہر ہوں گے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ ہیں ۔

آیات و احادیث میں حضرت مہدی علیہ السلام کی جو خصوصیات اور آپؑ کے جو مراتب بیان ہوئے ہیں حضرت بندگی میاںؓ نے اُن کو چند ہی جملوں میں بیان کردیا ہے ۔ غرض ہمارے پاس تسویتِ خاتمین علیہاالسلام جس طرح متفق علیہ ہے اِسی طرح " تسویتِ سیدینؓ " بھی ناقابلِ انکار ہے ۔

اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں جن میں بعض صحابہؓ کو بعض انبیاء کی سیر حاصل ہونے کی بشارت دی گئی ہے ۔ مثلاً (روایت 260) ملاحظہ ہو کہ " ایک روز حضرت مہدی علیہ السلام نے دو صحابہؓ کو علی الیقین فرمایا کہ تم کو سیرِ ابراہیم علیہ السلام حاصل ہے اگر تمہاری حیات ہوتی تو اور ترقی کر جاتے لیکن حیات نہیں ہے ۔ ان دونوں میں

سے ایک صاحب تیسرے دن اور دوسرے صاحب نویں دن رحلت کر گئے۔" یہ روایت انصاف نامہ میں بھی ہے ایک کا نام میاں مخدومؒ ایک کا نام میاں عزیز اللہؒ مذکور ہے۔

قرآنِ مجید اور احادیثِ شریفہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف حضرت مہدیء موعود علیہ السلام کی خصوصیات بیان ہوئی ہیں بلکہ آپؑ کے متبعین کے فضائل و مراتب کے بارے میں بھی اشارات و بیانات موجود ہیں، مثلاً حدیثِ شریف ہے کہ :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انی لاعرف قوماھم بمنزلتی فقال الاصحاب کیف یکون یا رسول اللہ انت خاتم النبین و لانبی بعدک فقال یسوا من الانبیاء ولکن بغبطھم الانبیاء بقربھم و مقعدھم من اللہ وھم المتحابون فی اللہ۔ (تفسیر کبیر جلد ثانی)

ترجمہ :- فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میں ایسی قوم کو جانتا ہوں جو میری منزل میں ہے۔ اصحابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ایسا کیوں کر ہو سکے گا جب کہ آپؐ خاتم النبینؐ ہیں۔ اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا وہ لوگ انبیاء تو نہیں ہیں لیکن اللہ سے اُن کے قرب اور مقامِ قرب کی وجہ انبیاء اُن سے رشک کریں گے اور وہ سب اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے ہوں گے۔

حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے اس حدیثِ شریف کو اپنے رسالہ "مکتوبِ ملتانی" میں درج کیا ہے۔ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے اس پر بہت طعن و طنز کیا اور الزام عاید کیا ہے کہ اس کا حدیث ہونا بے اصل ہے بلکہ حدیث وضع کرنے کا جرم قرار دیا ہے۔ اور مضمونِ حدیث کے بارے میں بھی بہت کچھ من مانے الزامات عاید کئے ہیں کہ مہدوی اپنے مہدی کے صحابہ کی نسبت حضرت رسول اللہ صلعم کے برابر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے ان کے مہدی، حضرت رسول اللہ صلعم سے افضل ٹھیرتے ہیں (ملخص از ہدیۂ مہدویہ)

نعوذ باللہ من شرورالخناس ۔ ایسے اعتقادِ بد کو مہدویوں کی طرف منسوب کرنا آفتاب پر خاک اڑانے کے مصداق ہے ۔ حالانکہ فی الحقیقت حضرت سید خوندمیرؓ نے ایسی حدیثِ شریف درج فرمائی ہے جو صدیوں پہلے اکابرِ اہلِ سنت کی کتابوں میں موجود تھی۔ اس لحاظ سے آپ پر وضعِ حدیث کا الزام عاید کرنے کی جو کوشش کی گئی خود بخود باطل ہوجاتی ہے اور پھر امامِ فخرالدین رازیؒ کے جیسے محققِ زماں نے اپنی مہتم بالشان کتاب، کلام اللہ کی تفسیر میں درج کیا ہے ! پس صحتِ حدیث سے تعلق رکھنے والے تمام اعتراضات ، اصولاً ان اکابرِ اہلِ سنت پر عاید ہو جائیں گے جن جن حضرات نے اس حدیث کو پیش کیا۔!!! اس کے قطع نظر " مکتوبِ ملتانی " علمائے ملتان کے پاس بطورِ تبلیغ روانہ کیاگیا ہے۔ ایسی صورت میں ایک بے اصل روایت کو استعمال کرنا بعید از قیاس بھی ہے۔

بہرحال یہ تو ثابت ہے کہ حضرت سید خوندمیرؓ نے جو حدیث پیش کی وہ اکابرِاہلِ سنت نے بھی پیش کی ہے۔ اِسی طرح مضمونِ حدیث پر سے جو الزامات عاید کئے گئے وہ بھی خودبخود باطل ہو جاتے ہیں کیونکہ مضمونِ حدیث کلامِ رسول اللہ ﷺ ہے اور اِسی نوعیت کی ایک اور حدیث بھی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایاکہ "علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل" یعنی میری امت کے علماء انبیائے بنی اسرائیل کے جیسے ہیں" مقامِ غور ہے کہ کیا اس حدیث کی وجہ سے علمائے امتِ رسول اللہ ﷺ ، انبیاء ہوسکتے ہیں یا مرتبہ میں انبیائے بنی اسرائیل کے برابر قرار دیئے جاسکتے ہیں؟

اس کے علاوہ معیارِ صحتِ احادیث میں جہاں راویوں کی ثقاہت و صداقت دیکھی جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنا بھی لازم ہے کہ روایت، قرآنِ مجید کے مطابق بھی ہے یا نہیں ؟ اس لحاظ سے بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث قرآنِ مجید کی اس آیۂ شریفہ کی تفسیر واقع ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۚ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورۃ المآئدۃ-54)

ترجمہ :- اے ایمان والو! تم میں سے جب دین سے مرتد ہونے لگو گے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جن کے لوگوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور وہ لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔ اور وہ مومنین کے مقابلہ میں نرم اور کافرین کے مقابلہ میں غالب رہیں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وسعت دینے والا علیم ہے۔

بعض مفسرین نے قوم سے، حضرت ابوبکرؓ اور بعض نے حضرت علیؓ اور بعض نے انصار رضی اللہ عنہم مرادلی ہے۔ اس پر دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بعض لوگ مرتد ہونے لگے تو اُن حضرات نے ارتداد کے فتنہ کو فرو کیا۔ لیکن تاریخِ اسلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر مرتد کا لفظ فی الحقیت صادق نہیں آسکتا۔ کیونکہ وہ پہلے سے منافق تھے۔ خصوصاً فتحِ مکہ کے بعد جب دشمنوں اور منافقوں کی قوتیں پوری طرح پامال ہوگئیں تو بعض نے امن و جاں بخشی حاصل کرنے کے لئے بظاہر اسلام قبول کرلیا۔ یہی لوگ ہیں جو آنحضرتؐ کے وصال کے بعد موقع پاکر فتنہ برپا کرنے لگے تھے۔ جس پر صحابہؓ کرام کی منظم طاقت نے قابو پالیا۔ ارتداد کا اطلاق اس وقت ہونا چاہیئے جب کہ کوئی دل سے ایمان لایا ہو اور بعد میں پھر جائے۔ لیکن جو لوگ مصلحت کے تحت بظاہر اسلام قبول کئے ہوں اور اُن کے قلوب، بدستور کافر و بد باطن ہوں وہ سب منافق کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ منافق ہی تھے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے زمانہ میں جن لوگوں نے آپؐ کے فیضِ صحبت سے استفادہ کیا ہو اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی جیسی مقدس ہستیاں موجود ہوں تو یہ کیسے ممکن سمجھا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص دل سے ایمان لایا ہو اور آفتابِ اسلام کے زمانہ کمال ہی میں اس کے انوار و برکات سے محروم ہو

جائے۔ البتہ بعض زاویوں نے ان منافقین کے لئے " مرتد " و " ارتداد" کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ مجاز کی صورت ہے۔

جن مفسرین نے قوم سے " صحابہؓ" مراد لی وہ دو وجہ سے صحیح نہیں ہوسکتی۔ ایک تو اس وقت کے فتنہ برپا کرنے والوں پر " ارتداد" کا اطلاق بالکلیہ صادق نہیں آتا دوسرے یہ کہ آئیہ کریمہ میں " من یرتد"، "فسوف یاتی "یہ دونوں حال و مستقبل کے معنی دے رہے ہیں۔ اگر حال کے معنی لئے جائیں تو چونکہ نزولِ آیت کے وقت خود رسالتمآب ﷺ اور صحابہؓ کرام مذکورالصدر موجود تھے۔ اس لئے اُن کے ہوتے ہوئے کسی اور قوم کی ضرورت کا ذکر بے محل اور بے ضرورت بات ہوگی۔۔ اگر مستقبل کے معنی لئے جائیں اور قوم سے آنحضرتؐ کے صحابہؓ مراد لی جائے تو یہ بھی خلافِ واقعہ ہوجاتا ہے کیونکہ آیت کے الفاظ سے آنے والی قوم کی پیشگوئی ظاہر ہورہی ہے۔ اور صحابہؓ کرام مذکور الصدر آنحضرتؐ کی لائی ہوئی قوم سے ہیں جو نزولِ آیت کے وقت بذاتِ خود موجود تھے۔ اس کے باوجود اُن پر مستقبل میں لائے جانے کا مفہوم کیونکر صادق آسکے گا؟!!!

حالانکہ آیت کے سوقِ کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امتِ رسولؐ میں یہ ایک خلیفۃ اللہ کی پیشگوئی ہے کیوں کہ " یاتی اللہ " کے معنی ہیں اللہ اس قوم کو لائے گا۔ اور اللہ کے لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا خلیفہ لائے گا۔ قرآنِ مجید میں ایسی اور بھی نظیریں موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیفہ کا فعل اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ مثلاً۔

وَمَارَمَيْتَ اِذْرَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج (سورۃ الانفال-17)

ترجمہ :- (اے محمدؐ) تونے جس وقت (کنکریاں) پھینکیں تونے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکی ہیں۔

اور فرمایا :-

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ (سورة القمٰته-18)

ترجمہ :- پس جب ہم قرآن پڑھیں تو تم اس قراءت کی پیروی کرو۔

اس آیت میں حضرت جبرئیلؑ کے فعل کو اپنا فعل بیان فرمایا ہے۔ اِسی طرح قرآن سے قبل کی کتبِ سماویہ میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً بعض انبیاء اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے۔

فقال جاء الرب من سينا و اشرق لهم من سعير و تلاء تلاء من جيل فاران داتی من ربوات القدس و عن يمنيه نار شريعة لهم (سفر التيثيه اصحاح 23 آیت 2)

ترجمہ :- پس اس نے کہا کہ پروردگار سینا سے آیا اور ان کے لئے سیر سے روشن ہوا اور کرہِ فاران سے چمکا اور آیا دس ہزار قدوسیوں یعنے فرشتوں کے ساتھ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔

اس پیشگوئی میں سینا سے خدا کے تجلی کرنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نبی ہونا اور فاران پر خدا کے ظاہر ہونے سے حضرت رسول اللہ ﷺ کا مبعوث ہونا مراد ہے۔ بنی ہاشم کے پہاڑ جو مکہ معظمہ کے قریب ہیں ان کا نام فاران ہے۔ دس ہزار فرشتوں کا ساتھ رہنا جو مذکور ہے اس سے مراد مقدس انسان ہیں۔ چوں کہ انبیاء علیہم السلام کے ظہور کو خدائے تعالیٰ کا ظہور کہا گیا ہے اس لئے ان کے ساتھیوں کو فرشتوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اِسی لئے حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم یعنے اپنے صحابہؓ کو فرشتوں سے اور سیدینؓ کو سب صحابہؓ میں جبرئیل و میکائیل سے تشبیہ دی ہے۔ (ملاحظہ ہو روایت 249)

پس " فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ " سے قومِ مہدیؑ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اس کی تفسیر و تطبیق ان احادیثِ متواتر المعنی سے ہوجاتی ہے جن میں مہدی ءِ موعودؑ کی بعثت کی ضرورت و اہمیت کا بیان موجود ہے۔ اس لئے

حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد کی امت میں جس قوم کے ظہور کا ذکر ہوا ہے اس سے مہدی ء موعودؑ کی قوم ہی مراد لینا انسب و اولیٰ ہوگا۔

اے وہ کہ جو مہدی کے تخیل سے ہے بیزار * * نومید نہ کر آہوئے مشکیں سے ختن کو

(اقبالؔ)

اس توضیح سے ظاہر ہے کہ حدیثِ شریف " انی لا عرف قوماً ھم بمنزلتی ۔۔الخ " سے بھی اس آیت کی تفسیر و تطبیق ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ اس حدیث میں قوم کی اہم خصوصیت " وھم المتحابون فی اللہ " بیان ہوئی ہے جو آیتِ کریمہ کے الفاظ "یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ" کے عین مطابق ہے۔ اب ناظرین خود محسوس فرمائیں گے کہ حضرت سید خوندمیرؓ نے اپنے رسالہ " مکتوبِ ملتانی " میں ایسی حدیث سے استدلال فرمایا جس کا ذکر " اکابرِ اہلِ سنت " کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اور جو قرآنِ مجید کے مفہوم سے عین مطابقت بھی رکھتی ہے۔!!! غرض یہ کہ نہ صرف حضرت مہدی علیہ السلام ہی موعودِ خدا و رسولؐ ہیں بلکہ آپؑ کی قوم بھی موعودِ خدا و رسولؐ ہے۔ اور آیات و احادیث کی پیشنگوئی کے مطابق آپؑ کی تعلیمات میں عشق و محبتِ الٰہی کی پوری خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اور اِسی لحاظ سے آپؑ کے جو صحابیؓ ، عشق و محبتِ اور معرفتِ توحید و فنائے ذات وصفات کے جس مقام میں پائے گئے آپؑ نے ان کو بحکمِ خدائے تعالیٰ اس مقام و مرتبہ کی بشارت سے سرفراز فرمایا۔ ان مقامات میں مقاماتِ انبیاء بھی داخل ہیں۔ لیکن ان بشارات سے ان انبیاء کا ہم مرتبہ قرار دینے کا الزام عاید کرنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو صوفیائے محققین کے مسلک سے دور اور اُن کے اصول و اصطلاحات سے نابلد ہیں۔

"سبل السویٰ" اور "کحل الجواہر" وغیرہ کتابوں میں اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ:- فضائل یا مقامات و مراتب کے بیان میں اگر دو شخصوں میں کوئی خاص مناسبت یا مماثلت پائی جائے یا منازلِ سلوک سے کسی خاص منزل کا بیان مقصود ہو تو صوفیائے محققین کی اصطلاح میں اس کو مقام۔ قائم مقام۔ منزل۔ شان۔ بردل۔ برقلب وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً بعض اولیاء کو بعض انبیاء کا یا بعض بزرگوں کو دوسرے بزرگوں کا مقام یا شان و منزلت حاصل ہونا ظاہر کیا جاتا ہے تو اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ جو ظہور یا فیضان اس نبی میں تھا وہی ظہور یا فیضان اس بزرگ میں پایا جاتا ہے۔ اِسی لئے کہا جاتا ہے کہ صوفیائے کرام کے پاس دورِ نبوت میں جتنے انبیاء گزرے ہیں دورِ ولایت میں ایک ایک ولی اُن کے مقابل یعنی اُن کے مقام کے مقابل موجود ہے چنانچہ گلشن راز میں اِسی امر کو ظاہر کیا گیا ہے۔

زنورش شد ولایت سایہ گستر مشارق با مغارب شد برابر
کنوں ہر عالمے باشد زامت رسوائے را مقابل در نبوت

(اقبالؔ)

اِسی لئے حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- "علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل" اور اِسی طرح حضرت مہدی علیہ السلام نے جن کو سیرِ انبیاء و سیرِ نبوت و سیرِ ولایت کی جو بشارتیں دی ہیں اُن کی بھی ٹھیک یہی نوعیت ہے۔

توضیح روایات دربیان قاتلو وقتلوا:

حضرت بندگی میاں سید خوندمیر حاملِ بارِ امانت صدیق ولایت کی خبرِ شہادت اور اس کی نوعیت

ہم یہاں ایسا سلسلۂ روایات پیش کریں گے جس سے واضح ہو سکے گا کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کے قتال اور بدلۂ ذات ہونے کے بارے میں خبر دی ہے وہ کس قدر مہتم بالشان ہے اور کتنے جلیل القدر صحابہؓ کا بحیثیتِ راوی اس خبرِ مبارک سے تعلق ہے۔

حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں پہلی دفعہ حاضر ہونے کے واقعہ کا ایک حصہ " سوانحِ مہدی ءِ موعودؑ " مولفہ جناب سید ولی صاحب مرحوم سے نقل کیا جا رہا ہے۔ اس کتاب پر علامۃ العصر مولوی سید نصرت صاحب اور علامۃ العصر مولوی سید اشرف صاحب شمسیؔ نے تقریظ لکھی ہے اس کی روایات کو نہایت صحیح اور قابلِ وثوق و لائقِ تمسک تسلیم کیا ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ (پہلی دفعہ حاضرِ خدمت ہونے کے بعد ہی) سید خوندمیرؓ سے نمازِ مغرب کے بعد جناب سیدنا مہدی ءِ موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ سید خوندمیرؓ! بیان کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کس طرح فضل و احسان کیا ہے۔ عرض کیا کہ حضرت سے پوشیدہ نہیں۔ فرمایا تم بیان کرو تاکہ دوسرے لوگ سنیں۔ کہا پہلی مرتبہ جب کہ میری نظر حضرت پر پڑی (تجلیِ ذاتی چمکی) میری آنکھ پھوٹ جائیں اگر میں نے حضرتؑ کو درمیان میں دیکھا ہو۔ اِسی وقت میں نے اپنے خدا کو دیکھا۔ فرمایا درست ہے جو خدا ہو (یعنی قیدِ بشری اور ہستیِ خودی سے باہر ہوکر مطلق ہو) خدا کو دیکھے۔ اور جس وقت عصر کی نماز کی نیت باندھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تونے میری درگاہ میں کیا نذر گزرانی ہے۔ عرض کیا کہ جو تیری نذر کے لائق ہو گزرانوں۔ حکم ہو جو لائق بندہ ہوتا ہے وہ ہماری راہ میں سر دیتا ہے۔ عرض

کیا یہ ایک سر کیا ہے اگر سو (100) سر ہوں تو تجھ پر فدا کرنے کو حاضر ہوں۔ پھر میں نے اپنے تن کو بے سر دیکھا اور بعد نماز سر کو پایا۔ اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ پروردگار ! کیا بندہ کی نذر قبول نہیں ہوئی ؟ حکم ہوا یہ ہماری امانت ہے وقت پر لیں گے۔۔ الخ (سوانح مہدی ءِ موعودؑ صفحہ 157)

یہ روایت دوسری قدیم و معتبر کتبِ نقلیات میں بھی موجود ہے۔ اور پنج فضائل میں اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

حضرت میراںؑ پرسیدند میاں سید خوندمیر ایں چہ معاملہ بود۔ گفتند ہمہ پیشِ خوندکار عیاں است۔ پس فرمودند شما بزبانِ خود بگوئید کہ اجماع شاہد شواد۔ پس بندگی میاں ماجرائے مذکور بیان کرد۔ پس حضرت میراںؑ فرمودند آرے حق است ہمچنیں خواہد شد۔(پنج فضائل)

ترجمہ :- حضرت مہدی علیہ السلام نے دریافت کیا کہ میاں سید خوندمیرؓ کیا معاملہ تھا؟ عرض کیا خوندکار پر سب روشن ہے فرمایا تم اپنی زبان سے کہو تاکہ اجماع شاہد رہے۔ بندگی میاں نے ماجرائے مذکور بیان کیا۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا ہاں سچ ہے ایسا ہی ہوگا۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت سید خوندمیرؓ کے سر کی قربانی، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی ہے اور حضرت مہدی علیہ السلام نے سب حاضرین کو اس بشارتِ خداوندی سے آگاہ ہونے کا موقع عطا فرمایا۔ اور آپؑ نے بذاتِ خود تصدیق فرمائی اور جماعتِ صحابہؓ کو بحیثیتِ اجماع گواہ بنایا۔ اس لئے یہ روایت خبرِ مشہور اور خلیفۃ اللہ کی "توثیق" کی وجہ قطعیت کا حکم رکھتی ہے۔ اگرچہ بدلۂ ذاتِ مہدی ءِ موعود ہونے کی اس میں تصریح نہیں ہے لیکن حضرت سید خوندمیرؓ کی خبر شہادت کی حد تک محکم اور واضح روایت ہے۔ حالانکہ بعد کی روایات سے بدلۂ ذات کی تخصیص و تصریح بھی ہو چکی چنانچہ ذیل کی روایات اس امر کی شاہد ہیں۔ سفرِ خراسان میں حضرت میاں سید خوندمیرؓ کے پہنچنے کے قبل ہی

سے حضرت امامنا مہدی علیہ السلام نے آیتِ شریفہ " فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا ۔۔الخ" کی اہمیت پر بیان شروع فرمادیا چنانچہ روایت ہے کہ :-

(1) نقل است ازبندگی ملک الہدادؓ خلیفہ گروہ کہ حضرت میراں علیہ السلام فرمودند فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا شد وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ شد۔ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِيۡلِیۡ اللہ شد۔ وَقَاتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا ماندہ است ماشاء اللہ خواہد شد۔ (تاریخِ سلیمانی جلد،ثانی)

ترجمہ :- بندگی ملک الہدادؓ خلیفہ گروہ سے روایت ہے کہ حضرت میراں علیہ السلام نے فرمایا " فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا " ہوچکا ۔ " وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ " ہوچکا ۔ " وَاُوۡذُوۡفِی سَبِيۡلِی " ہوچکا۔ " وَقَاتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا " باقی ہے ۔ انشاء اللہ ہوجائے گا۔

(2) ناگور میں بھی ایک دفعہ اس آیت پر بیان فرمایا ہے ۔ " نیز روایت ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے ناگور میں یہ آیت اس طرح پڑھی۔ " فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ " ہوچکا۔ "وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِيۡلِیۡ " ہوچکا ۔ " قَاتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا " باقی ہے اللہ جب چاہے گا ہوگا۔ حضرت مہدی علیہ السلام کی زوجہٴ محترمہ نے عرض کیا کہ میرانجیؑ ! وہ جماعت دائرہ میں نظر نہیں آرہی ہے ۔ آپؑ نے فرمایا ہاں وہ لوگ ابھی نہیں آئے ہیں ۔ آجائیں گے

(ملاحظہ ہو روایت 182)

یہ روایت حضرت سید خوندمیرؓ کے فراہ مبارک پہنچنے سے قبل کی ہے۔

(3) سندھ میں بھی ایک دفعہ آپؑ نے اس آیت پر بیان فرمایا :-

نقلست که در مقامِ سندھ آیتِ فالذین ھاجروا و اخرجوا من دیارھم و اوذوا فی سبیلی و قاتلوا و قتلوا بیان کردہ فرمودند که یک صفتِ کارزار ماندہ است ماشاءاللہ خواھد شد و بعد ازیں بارھا ھمیں فرمودند تاکه بفرح رسیدند و بندگی میاں سید خوندمیر آمدند۔ (مطلع الولایت)

ترجمہ :- نقل ہے کہ مقامِ سندھ میں آیت " فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا "(آلِ عمران-195) پر بیان کرتے ہوئے فرمایاکہ ایک صفتِ کارزار باقی رہ گئی ہے ۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا پوری ہوگی ۔ اس کے بعد آپؑ فراہ مبارک پہنچنے تک بارہا یہی فرماتے رہے حتیٰ کہ بندگی میاں سید خوندمیرؓ بھی فراہ آ گئے ۔

(4) حضرت میاں سید خوندمیرؓ فراہ مبارک پہنچ جانے کے بعد حضرت مہدی علیہ السلام اس آیت پر نہایت واضح اور پر اثر بیان فرمانے لگے کہ قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا کے حامل کی فلاں فلاں خصوصیات ہوں گی ۔

بعد ازرسیدنِ بندگی میاں چند بار در شرفِ صفت چارمی که قاتلوا و قتلوا است از زبان گوہربار امام الابرار جاری شد و بحدے که ذکر در شرفِ قاتلوا و قتلوا شرح بگذاشت که سامعاں را اشتیاقِ مشاھدہ شخص حامل بارِ صفت چارمی شد۔ تا میاںؓ (سید خوندمیرؓ) بمیاں نعمتؓ پرسیدند که از خوندکار عرض نمائید که آنحضرت اسم کسے که بر او " قاتلوا و قتلوا " صورت پذیر شود فرمائیند تا اوبش مثل ادب والا داشته شود۔ میاں نعمتؓ حسبِ الایمائے بندگی از امام علیه السلام عرض کردند قبلۂ جن و انس فرمود ہر کسے که پرسد برو صورت پذیر شود۔ بداں اے عزیز دریں نقل نامِ حاملِ بارِ امانت ظاہر شد۔ (تاریخِ سلیمانی جلد ثانی)

ترجمہ :-بندگی میاں کے پہنچنے کے بعد چند بار قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا کی صفت چارمی کے شرف پر امام الابرار کی زبانِ گوہربار سے بیان شروع ہوا۔ اس حدتک کہ قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا کے شرف کے بیان میں (نام کی) شرح باقی رہ گئی ۔

جس کی وجہ سامعین کو حاملِ بارِ صفتِ چارمی کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ حتیٰ کہ میاںؓ (سید خوندمیرؓ) نے میاں نعمتؓ کے ذریعہ عرض کرایا کہ جس شخص پر قَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا کی تکمیل ہوگی حضرت اس کا نام فرما دیں تاکہ اس کا ادب مثلِ ادب والا کیا جائے۔ میاں نعمتؓ نے حسبِ ایمائے بندگی میاں امام علیہ السلام سے عرج کیا۔ قبلۂ جن و انس نے فرمایا جو پوچھ رہا ہے اِسی پر صورت پذیر ہوگا۔ جان اے عزیز! اس نقل میں حاملِ بارِ امانت کا نام ظاہر ہوچکا ہے۔

اس روایت سے یہ استدلال کرنا کہ "حضرت بندگی میاں شاہ نعمت رضی اللہ عنہٗ نے یہ سمجھا کہ اس صفت کے حامل خود ہیں۔کیوں کہ انھوں نے حضرتؑ سے سوال کیا تھا۔ صحیح نہیں ہے۔کیونکہ روایت میں میاں نعمتؓ "حسب الایمائے بندگی میاںؓ ازامام علیہ السلام عرض کردند" کے الفاظ صاف ہیں۔اس لئے شاہ نعمتؓ، سید خوندمیرؓ کے فرستادہ تھے۔ فی الاصل محرکِ سوال حضرت سید خوندمیرؓ ہی تھے۔ اس لحاظ سے سائل کا اطلاق فی الحقیقت حضرت سید خوندمیرؓ پر ہے صادق آسکے گا۔ لہٰذا فرمانِ حضرت مہدی علیہ السلام "ہر کسے کہ می پرسد برو صورت پذیر شود" کا مصداق حضرت سید خوندمیرؓ ہی ہیں۔ اِسی لئے صاحبِ تاریخ سلیمانی نے آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ "بداں اے عزیز دریں نقل نام حاملِ بارِامانت ظاہر شد" یعنی جان اے! عزیز کہ اس نقل میں حاملِ بارِامانت کا نام ظاپر ہوچکا۔"

(5) اور حضرت بندگی میاں شاہِ دلاور رضی اللہ عنہٗ نے بھی خود حضرت بندگی میاں نعمت رضی اللہ عنہٗ پر واضح کردیا تھاکہ "خبرِ قتال کی نوعیت" میاں سید خوندمیرؓ سے مخصوص ہے اور چونکہ آپؓ بھی ذریعہ سوال بنے ہیں اس لئے آپؓ

کو بھی شہادت کا موقع ملے گا۔ حضرت مہدی علیہ السلام کی زبانِ مبارک کا اثر ضرور ظاہر ہوگا۔ لیکن یہ شہادت، شہادتِ عامہ کے حکم میں ہوگی۔

بحرالعلوم علامہ شمسیؔ مرحوم نے بھی "جلاء العنین" میں اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ غرض اس تصریح کے مطابق حضرت سید خوندمیرؓ کی شہادت کے عرصہ بعد حضرت شاہ نعمتؓ بھی مع اکیس فقرائے دائرہ بحالتِ ذکرِ الٰہی صف پر بیٹھے ہوئے بمقام لوگڑھ شریف شہید ہوئے۔ اس واقعہ کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

یہاں بحث یہ ہے کہ "حضرت شاہ نعمتؓ کو یہ خیال تھا کہ "خبرِ قتال" اپنے حق میں ہے اورآپؓ نے حضرت شاہ دلاورؓ کی تصریح بھی تسلیم نہیں کیا" اگر یہ واقعہ بجائے خود صحیح بھی ہو تو اس سے "خبرِ قتال" بندگی میاں سید خوندمیرؓ کے حق میں منصوص و مخصوص ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ یہ صرف حضرت شاہ نعمتؓ کی ذاتی رائے تھی جس کی تائید میں اپنے سائل ہونے کی حیثیت کے سوائے کو یہ اور دلیل آپؓ نے بیان نہیں کی ہے۔ اور سائل کس حیثیت کے تھے اوپر توضیح ہوچکی۔ اس کے قطع نظر بندگی میاں سید خوندمیرؓ کی شہادت کے بعد آپؓ خود قائل ہوگئے ہیں۔ اور اپنی عدم شرکت و عدم موافقت پر اظہارِ افسوس کیا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ :-

وبعد ازمدتے میاں نعمتؓ درجالور آمدند و از دکن باز گشت فرمودند کسانیکہ مرا از موافقتِ سید خوندمیرؓ باز داشتند ایشاں را خدائے تعالیٰ خواہد پرسید۔ (روایت(181) انصاف نامہ باب 16)۔

ترجمہ :- ایک عرصہ بعد میاں نعمتؓ دکن سے جالور واپس آئے۔ آہ! فرمایا کہ جن لوگوں نے مجھ کو سید خوندمیرؓ کی موافقت سے باز رکھا ہے اُن کو خدائے تعالیٰ پوچھے گا۔

لہٰذا حضرت کی سابقہ ذاتی رائے کو اختلاف کی حیثیت سے زیرِ بحث لانا اصولاً غیر مفید ہوجاتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت سید خوندمیرؓ کا حضرت شاہ نعمتؓ کے ذریعہ سوال کرنے اور حضرت مہدی علیہ السلام کے جواب دینے کی روایت پر ہی اس استدلال کا انحصار نہیں ہے۔!!! کیونکہ ایک روایت سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ حضرت سید خوندمیرؓ نے تخصیصِ صریح کی خاطر دوبارہ حضرت میاں یوسفؓ کے ذریعہ دریافت کروایا ہے۔ اور اس وقت آپؓ کا مطلب پورا ہوچکا چنانچہ روایت ہے کہ:-

(6) نقل است کہ چوں صدیقؓ را از شاہ نعمتؓ، نعمت جوابے حسب المدعاء ظاہر نہ شد تاوقتے میاں یوسفؓ را فرمود کہ از حضرتؑ عرض کنند کہ حاملِ بارِ امانت کیست کہ تعظیمش داشتہ آید میاں یوسفؓ حسب الارشادِ صدیقؓ از خاتم ولایت عرض کردند حضرتؑ بآواز بلند فرمودند کہ کست می پرسد؟ میاں یوسفؓ ترسیدہ و لرزیدہ بعرض رسانیدند کہ خوندکار من نمی پرسم میاں خوندمیرؓ می پرسند۔ انگاہ مخبر صادق صدیقؓ را طلبیدہ فرمود کہ برادرم سید خوندمیرؓ آں ذات شما است۔ (تاریخِ سلیمانی جلد ثانی)۔

ترجمہ :- روایت ہے کہ شاہ نعمتؓ سے جواب سننے کے بعد صدیقِ ولایتؓ کا مدعاء اس وقت پورا ظاہر ہوا جب کہ آپ نے میاں یوسفؓ کے ذریعہ حضرتؑ سے عرض کرایا کہ حاملِ بارِ امانت کون ہے تاکہ اس کی تعظیم کی جائے۔ میاں یوسفؓ نے حسبِ ارشادِ صدیقؓ، خاتم ولایت سے عرض کیا۔ حضرتؑ نے بلند آواز سے فرمایا کون پوچھتا ہے؟ میاں یوسفؓ نے ڈرتے لرزتے کہا میں نہیں پوچھ رہا ہوں سید خوندمیرؓ پوچھتے ہیں۔ اس وقت مخبرِ صادق نے صدیقؓ کو بلا کر فرمایا برادرم سید خوندمیرؓ! وہ تمہاری ذات ہے۔

چند جملوں کی کمی بیشی کے ساتھ مطلع الولایت میں بھی اِسی مضمون کی روایت مذکور ہے۔

اس کے علاوہ حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؓ ، بدلۂ ذاتِ مہدی علیہ السلام ہونے کی روایات بھی ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے میاں سید خوندمیرؓ کو "بدلۂ ذات" ہونے کی بشارت اللہ تعالیٰ کے حکم سے دی ہے۔

(7) نقل است حضرت امامؑ بدرگاہِ ملک العلام عرض کردند اے بارِخدایا! ایں صفتِ چار می کہ ماندہ است اگر شود راضی و تسلیم ایم۔ فرمانِ ایزد تعالی رسید کہ اے سید محمد! در ازل ماست کہ برخاتم الانبیاء و برخاتم الاولیاء ہیچکس قادر نباشد و شمشیر کارنہ کند پس ترا خاتم ولایت محمدی کردہ ایم و لہٰذا ایں کہ بدلِ تو سید خوند میرؓرا کردہ ایم۔ بنا برایں حضرت میراں علیہ السلام میاں سید خوندمیرؓرا فرمودند کہ ایں کارباشما شدنی است۔

(تاریخِ سلیمانی جلد ثانی و مطلع الولایت)

ترجمہ :- روایت ہے کہ حضرت امام علیہ السلام نے بارگاہِ ملک العلوم میں عرض کیا کہ یا اللہ چوتھی صفت جو باقی رہ گئی ہے اگر مجھ پر پوری ہوجائے تو اس کے لئے راضی ہوں۔ ایزدتعالیٰ کا فرمان پہنچا کہ اے سید محمد! ہمارے علمِ ازلی میں یہ ہے کہ خاتم الانبیاء اور خاتم الاولیاء پر کوئی شخص قادر نہ ہو اور تلوار کارگر نہ ہوگی۔ پس ہم نے تجھ کو خاتمِ ولایتِ محمدی بنایا ہے۔ اس لئے ہم نے تیرا بدل سید خوندمیرؓ کو قرار دیا ہے۔ اسی بناء پر حضرت مہدی علیہ السلام نے میاں سید خوندمیرؓ سے فرمایا کہ یہ کام تم سے ہونے والا ہے۔

ملاحظہ ہو کہ اس روایت سے اس خبرِ مشہور و قطعی الصدور کی مزید توثیق ہو رہی ہے جو حضرت سید خوندمیرؓ کے سرِ مبارک کی نذر مع ایک صد سر کے رب العزت نے قبول فرمائی تھی اور اس سے بدلۂ مہدی ءِ موعودؑ کی تصریح بھی ہورہی ہے اور ایک روایت ہے کہ :-

(8) نقل است وقت برنہادن فرمودند کہ ہشیار باشید کہ این بارِولایت است۔ سرجدا شود و پوست بکند و اگر استخوانِ فیل و پہلوئے فولاد باشد تادریں باربوسیدہ شود۔۔۔ باز فرمودند کہ جہان دشمن شود و دوست و غمخوار شما کسے نماند حتی کہ بند جامۂ شما آن ہم دشمن شما شود اما دردل وجان بیفکرو لا وبال باشند کہ حق طرف شما است (تاریخِ سلیمانی)

ترجمہ :- روایت ہے کہ بار (صفتِ ولایت) رکھنے کے وقت (حضرت مہدی علیہ السلام نے) فرمایا ہشیار رہوکہ یہ بارِ ولایت ہے۔ سرجدا ہوگا۔ پوست کھینچا جائے گا اگر ہاتھی کی ہڈیاں اور فولاد کا پہلو بھی ہو تو اس بار سے بوسیدہ ہوجائے گا۔ پھر فرمایا کہ دنیا دشمن ہوجائے گی تمہارا دوست و غمخوار کوئی نہ رہے گا حتیٰ کہ تمہارے جامہ کا بند بھی دشمن ہوجائے گا۔ لیکن دل وجان کو بے فکر و لاوبال رکھیں کیوں کہ حق تمہاری طرف ہے۔

اور ایک روایت ہے کہ :-

(9) نقل است درفرہ از گوشۂ دیوار ام المومنین بی بی بونجیؓ پائے مبارک میاںؓ دیدند کہ از فضلِ حق بسیار استوار بود۔بحضورامام علیہ السلام بطریقِ رمز عرض کردند کہ میرانجیؑ! پائے ہائے میاں سید خوندمیرؓ چہ استوار اند۔ میران علیہ السلام فرمود آرے بی بیؓ از برائے بارِولایتِ مصطفیؐ پایہائے میاں سید خوندمیرؓ استوار کردہ اند۔(تاریخِ سلیمانی جلدِثانی)

ترجمہ :- روایت ہے کہ فراہ میں دیوار کے کونے سے ام المومنین بی بی بونجی رضی اللہ عنہا نے میاں سید خوندمیرؓ کے پیر دیکھے کہ اللہ کے فضل سے بہت ہی مضبوط قوی ہیں انھوں نے امام علیہ السلام کے حضور میں رمز کے طور پر عرض کیا کہ میرانجیؑ! میاں سید خوندمیرؓ کے پیر کس قدر مضبوط ہیں ؟ میراں علیہ السلام نے فرمایا بی بیؓ! ولایتِ مصطفیؐ کا بار اٹھانے کے لئے میاں سید خوندمیرؓ کے پیر مضبوط بنائے گئے ہیں۔

چونکہ بارِولایت کی توضیح میں حضرتؑ نے پہلے ہی " بدلۂ ذات " فرما دیا تھا اس لئے بی بیؓ کے جواب میں صرف "برائے بارِولایت" فرمانا کافی ہوگیا۔ اور ایک روایت ہے کہ :-

(10) بعد از رحلت، امام علیه السلام درچهار وپنج ایام دوسه بار تاکید کرده شد که تمام ساداتِ کبیر میاں سید خوندمیرؓ را معلوم کرده شد که شما متوجه بملکِ گجرات شدید تابکار یکه نسبت شما کرده اهم آنجا ظهور خواهد شد۔ پس بندگی میاں این معامله پیشِ میراں سید محمودؓ اظهار کردند ثانیِ مهدیؓ بعرض میاںؓ جواب باصواب ادا کردند که ازروح پرفتوحِ آنحضرتؑ بدانچه مامور و موکد هستید بکنید (مطلع الولایت)

ترجمہ :- حضرت امام علیہ السلام کی رحلت کے چار پانچ دن بعد دو تین مرتبہ تاکید کے ساتھ ساداتِ کبیر بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کو حضرت امام علیہ السلام کی روحِ پر فتوح سے معلوم کیا گیا کہ تم ملکِ گجرات کا ارادہ کرو۔ کیوں کہ جو کام تم سے منسوب کیا گیا ہے وہاں ظہور پائے گا۔ پس بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے اس معاملہ (خواب) کو سیدالسادات میراں سید محمود رضی اللہ عنہٗ سے عرض کیا۔ آنجنابؓ نے یہ جواب باصواب دیا کہ آنحضرتؑ کی روحِ پرفتوح سے جس چیز پر آپؓ مامور ہیں اور جس کی تاکید کی گئی ہے وہی عمل کریں۔

اس روایت میں " تابکار یکه نسبتِ شما درده ایم آنجا ظهور خواهد شد " کے الفاظ اِسی بارِ امانت کی طرف دلالت کر رہے ہیں۔ جس کی خبر پہلے دی جا چکی تھی۔ اور " سوانح مہدی ء، موعود " میں بھی یہ روایت اس طرح بیان ہوئی ہے کہ :- " روایت ہے کہ بعد رحلت فرمانے جناب سیدنا مہدی علیہ السلام کے ایک ہفتہ کے اندر جنابِ صدیقؓ کو امام علیہ السلام کی روحِ مبارک سے معلوم ہوا کہ تم یہاں سے گجرات چلے جاؤ کیوں کہ اس میں مقصودِ خدا ہے " قَاتَلُوا وَقُتِلُوا " جو خاص تمہارا منصب ہے گجرات ہی میں اس کا سر انجام ہوگا۔ اسی طرح

جناب سید محمودؓ خلف ارشد جناب سیدنا مہدی ءِ موعودؑ کو بھی معلوم ہوا۔ جناب سید خوندمیرؓ نے اس معلومات کو جناب سید محمودؓ سے بیان کیا۔ آپؓ نے کہا مجھ کو بھی اسی طرح معلوم ہوا ہے۔"

(سوانح مہدی ءِ موعودؑ صفحہ 161 باب 1 حصہ دوم)

(11) اور حضرت سید محمودؓ جب فراہ مبارک سے واپس آئے تو حضرت سید خوندمیرؓ بھی آپؓ کے دائرہ میں آئے تھے۔ حضرت سید محمودؓ نے ان کو واپس کرتے وقت جو کچھ بیان فرمایا اس کا ایک جملہ یہ بھی ہے کہ :-

مانیک خواہ شما ایم گفتہ مابکنید کہ حضرت میراںؑ بر شما بارقاتلوا و قتلوا داده اند۔ اگرچہ نزد ماباشید آں را امکان محال است۔ (پنچ فضائل)

ترجمہ :- میں آپ کا خیر خواہ ہوں میرے کہنے پر عمل کریں کیونکہ حضرت مہدی علیہ السلام نے آپ پر قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا کا بار رکھا ہے۔ اگر میرے پاس رہو گے تو اس کا امکان محال ہے۔

ہم نے جتنی روایات بیان کی ہیں اُن سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت سید خوندمیرؓ ، حاملِ بارِامانت بدلۂ ذاتِ مہدی ءِ موعودؑ ہیں۔ اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے اسمائے مبارک اِن روایات میں بحیثیتِ راوی مذکور ہیں جن کو اس بات کا علم تھا۔ مثلاً حضرت سید محمودثانیِ مہدیؓ، حضرت سید خوندمیرؓ صدیقِ ولایت، حضرت شاہ نعمتؓ ، حضرت شاہِ دلاورؓ ، حضرت میاں یوسفؓ ، حضرت ام المومنین بی بی بونجیؓ ۔۔۔ اور خصوصاً آیت " فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔۔ الخ" کے بیان میں حاملِ بارِامانت کی مہتم بالشان خصوصیات بیان ہونے لگیں تو صحابہ کرامؓ میں اشتیاق پیدا ہوگیا تھا کہ حاملِ بارِ امانت کون ہیں معلوم کیا جائے اور جب کہ حضرت شاہ نعمتؓ اور حضرت میاں یوسفؓ اور حضرت ام المومنین بی بی بونجیؓ کے سوال کے جواب میں حضرت سید خوندمیرؓ کی تخصیص صریح ہوگئی تو کیا ان کثیر مشتاقانِ خصوصیت

سے یہ پوشیدہ رہ سکتی تھی جب کہ سب کا ایک ہی جگہ رہنا سہنا تھا۔ اور سب راز و نیاز رکھتے تھے اور باہم شیر شکر تھے۔

اس کے علاوہ حضرت سید خوندمیرؓ کو اپنے پاس سے روانہ کرتے وقت حضرت سید محمود ثانیِ مہدیؑ نے جو وجہ بیان فرمائی اور حضرت شاہ نعمتؓ سے حضرت شاہ دلاورؓ نے جو صریح و تخصیص بیان فرمائی کیا یہ اس امر کا بین ثبوت نہیں ہے کہ خبرِ شہادت کا علم حضرت سید خوندمیرؓ کے سوائے دوسرے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو بھی تھا۔ اور حضرت مہدی علیہ السلام کے وصال کے بعد جس وجہ سے حضرت سید خوندمیرؓ نے گجرات کا سفر اختیار کیا تھا لازماً اس سے بھی وہاں کے صحابہ کرامؓ وغیرہ ضرور واقف ہوچکے تھے۔ اصولِ حدیث میں ایک ضابطہ یہ ہے کہ جب کوئی روایت ضعیف ہو اور متعدد طریقوں سے اس کی روایت پائی جائے تو وہ "حَسَنٌ" کے درجہ میں شمار کی جاتی ہے۔ اوریہاں ضعیف کے شائبہ کا ذکر ہی کیا جب کہ خبرِ متواتر المعنیٰ احادیث کے مماثل درجہ پایا جارہا ہے۔ پس خبرِ شہادت حضرت سید خوندمیرؓ "خبرِ مشہور و قطعی الصدور و قطعی الدلا لته" کی شان رکھتی ہے۔

اگر اصولِ حدیث در جال کے مذکور الصدر ثبوت سے نظر ہٹالی جائے اور صرف ان روایات کو پیشِ نظر رکھا جائے جن میں حضرت سید خوندمیرؓ کے خلاف بعض صحابہؓ کی تحریر پائی جاتی ہے تو اس لحاظ سے بھی خبرِ شہادت پر کوئی نقص وارد نہیں ہوسکتا۔ اس کی توضیح آگے روایت (51۔ 176۔ 177) کے تحت بیان کی جائے گی۔

" خبرِ قتال " حجتِ مہدیت ہونے کی بحث :- حضرت شاہ قاسم مجتہد گروہؒ کے والدِ ماجد حضرت بندگی میاں سید یوسفؒ نے " مطلع الولایت " میں حضرت مہدی علیہ السلام کا فرمان نقل کیا ہے کہ :-

پس حق سبحانہ وتعالیٰ کہ سمیع و بصیر و علیمِ حقیقی است شما را لائق و قابل گردانیدہ این بارِ (ولایت) نہادہ است۔ لیکن ہشیار باشید کہ این بارِ ولایتِ محمدی است ۔ سر برود ، کمر بہ شکند و پوست بکند۔ دران وقت ذاتِ شما تنہا یکطرف بود و ہمہ عالم یک طرف شود انشا اللہ تعالیٰ پیشِ یک ذاتِ شما این ہمہ منہزم شوند این آیتِ مہدیتِ من است۔ چنانچہ جنگِ بدر حجتِ نبوتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم بود۔ (مطلع الولایت)

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ جو سمیع و بصیر و علیمِ حقیقی ہے تم کو لائق اور قابل بناکر یہ بارِ ولایت تم پر رکھا ہے لیکن ہشیار رہو کیوں کہ یہ ولایتِ محمدیہؐ کا بار ہے ۔ سر جائے گا۔ کمر ٹوٹے گی ۔ پوست کھینچا جائے گا۔ اس وقت صرف اپنے خدا ہی سے مدد چاہنا۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ اگر اس (جنگ کے) روز تم اپنی ذات سے تنہا ایک طرف ہوں اور تمام دنیا (تمہارے مقابلہ میں) دوسری طرف ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ تمہاری ایک ذات کے آگے یہ سب ہزیمت اٹھائیں گے ۔ یہ میری مہدیت کا معجزہ ہے جیسا کہ جنگِ بدر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔

"سوانح مہدی ءِ موعودؑ" میں بھی اِسی مضمون کی روایت ہے ۔ عنوان یہ دیا گیا ہے کہ " پہلے دن کی فتح کی بشارت جس پر صحت و علامتِ مہدیت موقوف رکھی گئی" اور " این آیتِ مہدیت من است " کا ترجمہ " یہ بات بندہ کی مہدیت کی نشانی ہے کیا گیا ہے ۔ (سوانحِ مہدی ءِ موعودؑ 159)

اخبارِ مغیبہ کا یقینی علم حاصل ہونا، طاقتِ بشری سے خارج ہے ۔ اس لئے خبرِ مغیب کو معجزات میں شمار کیا گیا ہے ۔ کیونکہ یہ بالکل لطف و عطائے الٰہی پر منحصر ہے ۔ ہم نے " علمِ غیب " کی بحث میں اس مسئلہ کو واضح کیا ہے ۔ لیکن مذکورۃ الصدر روایت کی حیثیت عام خبرِ غیب سے بہت بڑی ہوئی ہے ۔ کیونکہ پہلے دن کی فتح کو صداقتِ مہدیت کی حجت قرار دیا گیا ہے ۔ اعجاز کی اس نوعیت کو علماء کی اصطلاح میں " تحدی " کہا جاتا ہے ۔ ایسی صورت میں اس کا وقوع ضروری ہوتا ہے اِسی طرح خبرِ شہادت کا وقوع حضرت سید خوندمیرؓ کی ذات پر ہونا مخصوص و ضروری تھا۔ اگر

اس قتال میں دوسرے کوئی صحابیؓ شریک ہو جاتے تو یہ خبرِ مغیب جس کے صدور کو امامنا علیہ السلام نے حجتِ مہدیت قرار دیا تھا، بادی النظر میں مشتبہ رہ جاتی اور رائے عامۂ شرکاء و معاصرین (صحابہؓ) منقسم ہوجاتی!!!

یہی نکتہ حضرت بندگی میاں سید محمودِ ثانیِ مہدی رضی اللہ عنہٗ کے اس فرمان مین موجود ہے جو آپؓ نے بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ کو اپنے پاس سے رخصت کرتے وقت فرمایا۔ " اگرچہ نزش ما باشید آنرا امکان محال است " "یعنی اگر میرے پاس رہوگے تو (خبرِ قتال کے وقوع) کا امکان محال ہے۔" یہ روات آگے گذر چکی۔ اِسی لئے وقوعِ قتال کے زمانہ میں منجانب اللہ ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ حضرت سید خوندمیرؓ کے معاصرینؓ (صحابۂ مہدیٔ موعودؑ) اور امراء و روٗسا سے کوئی شریک نہ ہو سکے۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدیقِ ولایتؓ نے بھی جنگ کی تیاری کے وقت اس امر کو باحتیاطِ تمام ملحوظ رکھا ہے کہ صرف آپؓ کے فقراء ہی اس میں حصہ لے سکیں۔ صاحبِ تاریخِ سلیمانی نے لکھا ہے کہ :-

بداں اے عزیز! که ذکر نام ملک راجے در شهیدانِ کھانبیل و در شهدائے سدراسن و درزخمیاں یافته نشد ایں عجب است ہر کرا صحت ایں نقول باشد دریں درج کند۔ بداں اے عزیز! که ذکر نام ملک راجے نبیم جاگیردار موضع بجانه اند که بخدمتِ صدیقِ ولایتؓ بندگی بیشتر داشته اند اگر دریں وقت حاضر شده ناشند و صدیقؓ، رضائی رفتن داده باشند واللہ اعلم جهت ایں که دراں روز در مقاتله محض فقراء باشند و کسے از امرا نباشند۔ (تاریخِ سلیمانی جلد دوم)

ترجمہ :- اے عزیز! تو واقف رہ کہ ملک راجے کا نام شہدائے کھانبیل میں درج نہیں ہے اور نہ شہدائے سدراسن میں اور نہ زخمیوں میں ہے۔ یہ عجب بات ہے جس کو بصحت معلوم ہو یہاں درج کردیں۔ اے عزیز! واضح ہوکہ ملک راجے نبیم جاگردارِ موضعِ بجانہ ہیں۔ صدیق ولایتؓ کی خدمت و بندگی میں بہت زیادہ رہے ہیں۔ اگر اس

(جنگ کے) وقت وہ حاضر بھی ہوئے ہونگے تو صدیقِ ولایتؓ نے اُن کو چلے جانے کی اجازت دے دی ہوگی۔ واللہ اعلم۔ اس لئے کہ اس مقاتلہ میں صرف فقراء رہیں امراء سے کوئی نہ رہنے پائیں۔

اور ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

اگر کوئی که باوجود چنداں مهدویاں که بردو مظفر فائق و غالب باشند و بخدمت بندگی میاں جز صد 100 کس بدرجه غزوه شهادت شامل نه شدند چه سبب بود؟ بداں اے عزیز! اگرچه ہزاراں مصدقاں بودند اما مقبول در قاتلوا وقتلوا وقت قبول شدن سرِمطهرِصدیقؓ اسم صد 100 بود۔ پس دیگراں بایں نعمت سراپا کرامت چوں ممتاز و سرفراز شوند۔ (تاریخِ سلیمانی)

ترجمہ :- اگر تم کہو کہ مہدوی تو اتنے تھے کہ دو (2) مظفر پر فائق و غالب آسکتے تھے اور میاںؓ کی خدمت میں بجز سو (100) آدمی کے کوئی غزوۂ شہادت میں شامل نہیں ہوئے اس کا کیا سبب ہے ؟ اے عزیز! تو واقف ہو جاکہ اگرچہ ہزارہا مصدقین تھے لیکن " قَاتَلُوا وَ قُتِلُوا " (کی مخصوص بشارت) میں جس وقت صدیقِ ولایتؓ کا سرِمبارک قبول ہوا ہے صرف ایک سو (100) سر شریکِ قبولیت تھے۔ پس دوسروں کو اس نعمتِ سراپا کرامت سے ممتاز و سرفراز ہونے کا موقع کیسے مل سکتا تھا!!!

اِسی طرح حضرت ملک شرف الدینؒ کا واقعہ بھی ہے :-

حضرت سید خوندمیرؓ مقابل کی فوج کو مار بھگا دینے کے بعد واپس ہورہے تھے کہ ملک شرف الدین مسلح باقاعدہ اِسی (80) سواروں کے ساتھ مدد کو پہنچ گئے۔ ایک طاقتور شاہی فوج کے مقابلہ میں چند فقراء کو فتح مند دیکھ کر حیران ہوگئے اور افسوس کرنے لگے کہ خود اس سعادت سے محروم رہ گئے۔ حضرت صدیقِ ولایتؓ نے فرمایا ملک شرف الدین! رنج و افسوس نہ کرو۔ تمہارے دیر سے پہنچنے میں خدا کی مصلحت یہ تھی کہ پہلی جنگ صرف بندہ اپنے چند

فقراء کے ساتھ فتح کرلے تاکہ خلیفۃ اللہ کی پیشنگوئی پوری ہو جائے۔ اگر تم شریک ہوجاتے تو ہماری اس فتح کو تمہاری امداد کی طرف منسوب کیا جاتا!!! لیکن اب دنیا دیکھ لے گی کہ اس کے بعد کی جنگ میں تمہاری امداد کے باوجود ہماری شہادت ہوجائے گی۔

پہلی جنگ اس خصوصیت کی مقتضی تھی کہ امراء و رؤسا شریک نہ ہونے پائیں کیوں کہ اس جنگ میں از روئے خبرِ مغیب، حضرت صدیق ولایتؓ کو صرف غیبی قوت کے تحت فتح حاصل کرنا ضروری تھا۔ اگر کسی دوسری طاقت سے مدد پہنچ جاتی تو آپؓ کی فتح کا حقیقی اثر معلوم کرنا عوام کے لئے دشوار ہو جاتا۔۔۔اسی طرح بعد کی جنگ اس خصوصیت کی مقتضی تھی کہ صحابۂ مہدیِ موعودؑ سے کوئی شریک نہ ہوں تاکہ قتال میں بدلہٗ ذات کی جو اہمیت ہے حضرت صدیق ولایتؓ ہی کی ذات سے مختص رہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعد کی جنگ میں جو امراء و رؤسا پہنچ سکے اُن کو شریک ہونے کی اجازت دی گئی۔ لیکن اس کے باوجود آپؓ کی شہادت پر جنگ ختم ہوئی۔

غرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے اسباب نبتے گئے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی پیشگوئی، قدرت کی کھلی نشانیوں کے ساتھ ظہور پائی اور صداقتِ مہدیت کا ایسا قطعی ثبوت پیش ہوا کہ کسی کو انکار یا تاویل کی سرِ مو گنجائش نہ رہی جس کی وجہ بلا اختلاف، اس وقت سے آج تک سب اس امر میں متفق ہیں کہ خبرِ قتال کے مظہر اور بدلہٗ ذات سے متصف حضرت سید خوندمیر سید الشہداء ہی ہیں۔۔۔ حضرت مہری رضی اللہ عنہٗ کے دیوان کا ایک مصرعہ یہ ہے:-

" حجتِ مہدیؑ بروشد تمام "

نیز صاحبِ مطلع الوالایت نے تحریر فرمایا ہے کہ:-

بواسطۂ احتمالِ حجت حضرت مہدی علیہ السلام بندگی میاں رضی اللہ عنہ‘از آیات و بیناتِ آں ذات گشتند۔ (مطلع الولایت)

ترجمہ :- حضرت مہدیء موعودؑ کی حجت (معجزہ) کے حامل ہونے کی وجہ حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؓ بھی حضرت مہدی علیہ السلام کی آیات و بینات (معجزات) سے ہوگئے ہیں ۔

نیز فرمایاکہ :-

صفتِ چارمی کہ " قاتلوا و قتلوا" ہست۔ بواسطہ سید خوندمیرؓ د وجود آید و ازو قائم شود و بدو قوت گیرد و خامہ او باشد و برو حجتِ مہدی ختم گردد۔ پس او از جملہ خواتم گشت۔ (مطلع الولایت)

ترجمہ :- مہدی علیہ السلام کی چوتھی صفت جو "قاتلوا و قتلوا" ہے وہ حضرت سید خوندمیرؓ ہی کے ذریعہ ظاہر ہوگی ۔ اس کے ظہور سے حجت قائم ہوگی ۔ دین کو قوت حاصل ہوگی ۔ اور یہ صفت خاص سید خوندمیرؓ سے ظاہر ہوگی ۔ اور آپؓ ہی پر وہ حجتِ مہدیؑ پوری ہوگی ۔ (پیشنگوئی پوری ہوچکی) پس اسی لئے آپ کی ذات منجملہ خواتم ، خاتمِ حجتِ مہدیؑ ہے ۔

اور حضرت شاہ قاسم مجتہد گروہؒ نے تحریر فرمایاہے کہ :-

چنانچہ صادق الوعد خبر دادہ بود ۔ ہمچناں من و عن وقوع یافت و حجتِ مہدی علیہ السلام براں معجزہ تمام شدد دریں یک معجزہ چندیں معجزہ بر ثبوتِ مہدیتِ حضرت مہدی علیہ السلام صادر شدہ است۔ (افضل المعجزات)

ترجمہ :- اس مخبرِ صادق نے جس طرح خبر دی تھی من و عن وقوع پذیر ہوئی ۔ مہدی علیہ السلام کی حجت اس معجزہ پر پوری ہوئی اور اس ایک معجزہ میں کئی معجزے حضرت مہدی علیہ السلام کی مہدیت کے ثبوت میں صادر ہوئے ہیں ۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے خبرِ شہادت میں پہلے دن کی فتح کو بطور " تحدی " اپنی صداقتِ مہدیت کی حجت فرمایا ہے ۔ اور متقدمین و متاخرین نے بلا اختلاف " حجت " تسلیم کیا ہے ۔ اگر یہاں " شرط و مشروط" کا مقدمہ قائم کیا جائے تو یہ منشاء فرمانِ امامنا علیہ السلام کے صریح مغائر اور روئے تعریف و محلِ استدلال ، آسمان و زمین کا فرق ہے ۔ اوراس سے نفسِ فرمان کی تردید لازم آئے گی نہ کہ کسی اور کی !!! جو قطعی ناممکن و محال ہے ۔ اس لئے کہ صدہا دلائل و براہین اور ہزارہا آیات و بنیات سے مہدی علیہ السلام کے دعوئے مہدیت کی صداقت ثابت ہوچکی تھی پیش آنے والی ایک دو حجتوں تک جن کا وقوع ، حیاتِ پاک کے بعد ہونے کی خبر دی گئی تھی آپؑ کی صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا ۔ اور نہ اس وقت کے مومنین کے قلوب ڈگمگا سکتے تھے ۔ بلکہ ان کثیر علامات و دلائل و معجزات اور صحبتِ کیمیاء اثر اور احکام و تعلیمات کی وجہ آپ کی صداقت اور آپؑ کے اخبارِ مغیبہ پر مومنین ، صادقین کے قلوب میں یقینِ واثق ہوچکا تھا کہ بے شک ایسا ضرور ہوگا کیونکہ " هُدىً لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ۔۔الخ(سورۃ البقرہ۔2) مومنین ہی کی شان ہے ۔

ہاں جب اس حجت کا وقوع ہوجاتا ہے تو منکرین کے معارضہ کے لئے مومنین کے قلوب پر مزید اطمینان ہوتا اور مزید تائید کا باعث ہوتا ہے ۔ جیسا کہ آج بھی مومنین کے لئے وقوعِ قیامت اور دوبارہ زندہ ہونا وغیرہ اخبارِ مغیبہ پر ایمان رکھنا لازم بلکہ ازروئے آیات و احادیث یہ بھی داخلِ شرطِ ایمان ہے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ اس کے متعلق قرآنِ مجید میں مذکور ہے کہ :-

وَاِذْقَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ تُحْىِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰـكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورۃ البقرہ۔260)

ترجمہ :- جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردے کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ فرمایا کیا تو ایمان نہیں لایا۔ ابراہیمؑ نے کہا کیوں نہیں (بے شک ایمان لایا ہوں) لیکن اس لئے کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے۔ فرمایا چار پرندے لو اور اُن کو (پال کر) سدا لو (تاکہ تمہاری آواز کو پہچاننے اور تمہارے بلانے پر آنے کی عادت ہو جائے) اور اُن (کو ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہم ملا کر اس میں) کا ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھدو اس کے بعد اُن (پرندوں) کو پکارو تمہاری طرف دوڑتے چلے آئیں گے۔ اور اچھی طرح جان لو (یقین کرلو) کہ بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

مفسرین کا بیان ہے کہ اس حکم کی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندوں کا انتخاب کیا کوا۔ کبوتر۔ مرغ۔ مور۔ ان چاروں کو سدا نے کے بعد ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے باہم ملا کر چاروں طرف چار پہاڑوں پر ان ٹکڑوں کا ایک ایک حصہ رکھ دیا۔ اس کے بعد انھوں نے جس جانور کو پکارا اس کے اجزا ایک جگہ جمع ہو گئے اور وہ زندہ ہو کر آپؑ کی طرف بھاگتا ہوا آیا۔

اس اہم واقعہ کے قطع نظر آئیہ شریفہ میں جو امور صراحتہً موجود ہیں۔ عقل سلیم رکھنے والوں کے لئے بہت کافی ہیں۔ " وابعث بعد الموت حق " (مرنے کے بعد زندہ ہونا حق ہے) جو ایمانِ مفصل کا ایک جز ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال اِسی سے متعلق ہے۔ یہ بات داخلِ ایمانیات ہونے کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی سوال فرمایا کہ " اولم تومن " (کیا تو ایمان نہیں لایا؟) حضرت ابراہیمؑ نے فوراً جواب دیا بلٰی (کیوں نہیں۔ یعنی بے شک اس پر ایمان لایا ہوں) اس کے بعد سوال کا سبب بیان کرتے ہیں کہ " لیطمئن قلبی " (تاکہ میرا قلب مطمئن ہو جائے) اللہ تعالیٰ نے اطمینانِ قلب حاصل ہونے کی وہ صورت ان کو بتلائی جس کا ذکر آئیہ شریفہ میں ہے۔ اور جس کا واقعہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ " وَ اعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ

حَكِيمٌ " (یقین کرلو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے) یہاں اپنی شانِ قدرت کو ظاہر کرنے کے لئے جو لفظ لائے گئے ہیں انتہا درجہ قوتِ بیان کے حامل ہیں اور خصوصاً اس موقع پر عزیز و حکیم کے لفظ انتہائی بلاغت و اسرار کے مظہر ہیں۔اس مختصر توضیح سے ظاہر ہے کہ وقوعِ واقعہ سے قبل ایمان لانا اور وقوع کے بعد اس ایمان پر اطمینان کا اضافہ ہونا یہ دو اُمور ایسے ہیں کہ جن کو ایک الوالعزم پیغمبر نے پیش کیا اور اللہ تعالی نے اس کی تکمیل فرمائی ہے۔

اِسی طرح حضرت مہدی علیہ السلام نے اپنے وصال کے بعد لحدِ مبارک میں اپنا جسدِ اطہر نہ پائے جانے اور حضرت سید خوندمیرؓ پر بحیثیت بدلۂ ذات ، " قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا " کا ظہور ہونے اور اس مقاتلہ میں پہلے روز اگرچہ کہ تمام دنیا کے لوگ مقابل ہوجائیں حضرت سید خوندمیرؓ کی فتح ہونے اور بعد میں شہید ہوجانے ، جسدِ اطہر کے تین حصے کئے جانے کی جو خبر دی اور اس کے وقوع کو آیت یا حجتِ مہدیت جو فرمایا اس پر سب مومنین نے کامل ایمان لایا اور یقین کرلیا کہ بے شک ایسا ہوگا۔ جب کہ امامنا علیہ السلام کے وصال کے بعد لحدِ مبارک میں جسدِ اطہر و انور نہ پایا گیا۔اور وقوعِ قتال حضرت سید خوندمیر صدیق ولایتؓ کے وقت پہلی جنگ میں باقاعدہ مسلح طاقتور شاہی جرار فوج کو چند بے سروسامان صاحبِ فقر و فاقہ نفوسِ قدسیہ کے مقابلہ میں ہزیمت ہوئی اور دوسری جنگ میں بعض امراء و مسلح سواروں کی امداد کے باوجود حضرت صدیق ولایتؓ کی مع رفقا شہادت ہوگئی اور جسمِ مبارک کے تین حصے کئے جاکر چاپا نیر ، پٹن ، سدراسن تین جگہ سپردِ خاک کئے گئے تو اس وقت ان سب مومنین پر جو قبلِ وقوع ایمان لاچکے تھے مزید اطمینان سے مشرف ہونے کا موقع حاصل ہوا۔ اور منکرین کے مقابلہ میں آخری مہتم بالشان حجت قائم ہوئی۔

آیت کی عمومیت و خصوصیت :- مخفی مبادکہ آیت " فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ ۔۔الخ "(سورۃ اٰل عمران-195)

ترجمہ :- سو جن لوگوں نے ترکِ وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ایذاء دیئے گئے میری راہ میں ۔۔ الخ) قیامت تک ہر مومن ان صفات کا مصداق ہو سکتا ہے یہاں خصوصیت کی بحث جو کی گئی وہ اس لحاظ سے ہے کہ حضرت مہدی ءِ موعودعلیہ السلام ، انسانِ کامل اور تابعِ تام ہیں اس لئے آپؑ میں بھی ان صفات کا بدرجۂ اتم پایا جانا ضروری ہے۔ تین صفات تو پوری ہوچکی تھیں چوتھی صفت اس وجہ سے کہ مہدی ءِ موعودؑ پر کوئی قوت غالب نہیں آسکتی ، باقی رہ گئی ۔ جس کی تکمیل کے لئے حضرت سید خوندمیرؓ کو منجانب اللہ منتخب کیا گیا اور اِسی لئے آپؓ کے مراتب بلند گئے گئے۔ حضرت سید خوندمیرؓ کی شہادت دو حیثیتوں کی حامل ہے ایک بدلِ صفِ مہدی ءِ موعودعلیہ السلام ، دوسری یہ کہ بحیثیتِ مومن خود اُن کی صفت بھی اس میں شامل ہے چنانچہ روایت ہے کہ :-

" مہدی علیہ السلام نے "فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ-الخ "(سورۃ اٰل عمران-195) کے بارے میں بیان فرمایا کہ یہ آیت بطورِ اصالت اصحاب و تابعینِ محمد مصطفیٰ ﷺ کے شرف کے بارے میں ہے اور مہدی کی جماعت میں جو لوگ ان اوصاف سے متصف ہوں گے اُن کو بھی اس آیت کا شرف حاصل ہے۔ اس آیتِ شریف پر بیان ہو چکنے کے بعد میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ آئے تو حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا، اس بے چارے سید پر تو چھا چھا ہوگا ؟ کیا کیا نہ ہوگا!!!(روایت 198)

ملاحظہ ہو اس روایت سے عمومیت و خصوصیت دونوں پہلو واضح ہو رہے ہیں۔ حاصل یہ کہ زیرِ بحث مضمون میں زیادہ تر خصوصیت و اہمیت بدلۂ ذاتِ حضرت مہدی علیہ السلام کے لحاظ سے ہے۔ اور پہلی جنگ کی فتح تو

صداقتِ مہدیت کا معجزہ ہے جس طرح کہ جنگِ بدر کی فتح حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کا معجزہ تھی ۔ اور اس حجتِ مہدیت کا ظہور صرف حضرت سید خوندمیرؓ کی ذات سے مخصوص و مقدر تھا اس لئے قدرۃً ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ آپؓ کے چند مخصوص فقراء ، خلفاء کے سوائے صحابہٴ مہدی ءِ موعودؑ سے کوئی بھی اس جنگ میں شریک نہ ہوسکے ۔ درکتباتِ اختلاف جن کا بیان آگے آئے گا وہ بھی انھیں اسباب میں سے ہیں ۔

اسبابِ جنگ و مختصر واقعات :- اسبابِ جنگ کے بارے میں حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے جو توضیحات بیان فرمائی ہیں روایات (176 تا 187) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں جن سے واضح ہوگا کہ مہدویوں پر وہ وہ مظالم ڈھائے گئے کہ اللہ کی پناہ ، ان باخدا بزرگوں کی جھونپڑیاں جلا دی گئیں ۔ بعض کو زندہ دیوار میں چنوا دیا گیا ۔ بعض کو لوہے کی سلاخوں سے پیشانیوں پر داغا گیا ۔ جتنی سختیاں و بے رحمیاں ممکن تھیں کی گئیں ۔ اور یہ جو کچھ ہوا کلمہ گو علماء و حکام نے محض طاقت و رعونت کی نشہ میں کیا ہے ۔ اس کے علاوہ علماء نے فتویٰ بھی جاری کر دیا تھا کہ ایک مہدوی کا قتل کئی رہزنوں کے قتل کے ثواب کے برابر ہو گا ۔ اوراس پر عمل بھی شروع ہوگیا ۔ اس وقت حضرت سید خوندمیرؓ نے ایک استفتاء جاری کیا کہ :-

" اللہ و رسول پر ایمان لانے والے اور اُن کے احکام پر عمل کرنے والے مسلمانوں کے قتل کا فتویٰ کوئی صادر کرے تو اس مفتی پر کیا حکم ہے ۔ ؟

اس کے جواب میں علماء نے فتویٰ دیا کہ " مفتی لائقِ قتل ہے ۔ " نیز قرآنِ مجید میں بھی صاف و صریح آیت ہے کہ :-

وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا فَلَا يُسۡرِفۡ فِّى الۡقَتۡلِ ؕ (سورۃ بنی اسرآئیل-33)

ترجمہ :- جو شخص مظلوم قتل کیا جائے ہم نے اس کے ولی کو حاکم بنایا ہے پس قتل میں اسراف نہ کیا جائے۔

اس روایت کی رُو سے شہدائے مظلومین کا انتقام اور دینِ متین کی حفاظت ضروری تھی۔ اس لئے حضرت صدیق ولایتؓ نے اُن مفتیوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا جنھوں نے مہدویوں کے قتل کے فتویٰ پر دستخط کئے تھے۔ جب اس پر عمل شروع ہوا تو علماء و قاضیوں میں ہیبت و پریشانی پیدا ہوگئی۔ ناتجربہ کار نوجوان، سلطان مظفر حاکمِ وقت کو غلط واقعات باورکرائے گئے۔ سلطنت و حکومت کے لئے خطرہ محسوس کرایا گیا۔ ہزاروں حیلے ایسے اختیار کئے کہ فوج کے نام صدیق ولایتؓ اور آپ کے دائرہ کے فقراءؒ کے قتل و تاراج کا حکم نامہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور 12/ شوال 930ھ ہجری میں چہارشنبہ کے دن عین الملک کی سرکردگی میں ہزاروں کی تعداد رکھنے والی باقاعدہ مسلح فوج نے حملہ کیا۔ اس قدر اہتمام اس لئے کیا گیا کہ تین لاکھ مریدوں کے پیر سے مقابلہ تھا۔ امراء و رؤسا و عساکر، اکثر مہدوی ہوچکے تھے۔ ان کی شجاعت و استقامت اور ایمانی قوت شہرۂ آفاق تھی۔

لیکن یہاں علماء و قاضیوں اور عہدہ دارانِ فوج کے اندازے کے بالکل برخلاف بے سروسامان اور فقر و فاقہ میں رہنے والے ساٹھ فقراء کی جماعت اس جرار فوج کے مقابلہ میں پائی گئی۔ فوج کے توپ خانے، ہاتھی گھوڑے، پیدل کی جو ترتیب تھی اس کو اس چھوٹی سی جماعت کے مقابلہ میں غیر ضروری سمجھ کر فوجی عہددار نے ترتیب بدل دیئے اور پیدل فوج کو سامنے رکھنے کا حکم دیا۔ اس جنگ میں غیبی قوتوں کے عجیب عجیب کرشموں کا ظہور ہوا ہے۔ صدیق ولاتؓ نے اپنی تلوار نیام سے چار انگل کھینچی تھی کہ الہامِ خداوندی ہوا، کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان پر ہزاروں فرشتے اِسی طرح شمشیر بکف ہیں۔ آپؓ نے منشاءِ خداوندی کو سمجھ لیا اور تلوار کو نیام میں رکھ لی۔ نیزہ ہاتھ میں لے لیا نیزہ ٹوٹ گیا تو کوڑا لیا۔ کوڑا کیا تھا غضب و قہر کا مظہر تھا۔

زد پر کوئی آ گیا پھر چھوڑا ہے ؟ ** پھٹکار دیا ہے خوب سر توڑا ہے

گھوڑے کو مع سوار دو کر کے رہا ** کہنے کو یہ کوڑا ہے مگر تھوڑا ہے ؟

(استاذی المعیؔ مرحوم)

بندگی میاںؓ پر منکشف تھا کہ یہ وقت غیبی قوت کے ظہور کا ہے تاکہ حجتِ مہدیء موعودؑ پوری ہو۔ اس لئے آپؓ نے تلوار رہتے ہوئے منشاءِ ایزدی کے تحت صرف نیزے اور کوڑے پر اکتفا کیا اور بفضلِ خدا کافی ہوگیا۔ اور میدانِ جنگ میں اس قدر انقلاب برپا ہوا کہ فوج کی توپوں کی زد اور جنگی ہاتھیوں کی روندل خود اُسی فوج کی تباہی کا باعث ہوئی۔ مختصر یہ کہ تائیدِ غیبی نے جنگ کا نقشہ فقراء کی حیرتناک فتح سے بدل دیا۔ یہاں تک کہ فقراء کی جماعت نے دو میل تک تعاقب کیا۔!!! بھاگی ہوئی فوج کا کچھ حصہ دائرے کی طرف سے گزرا تو اس نے دائرے کے محافظ بے سروسامان بے ہتیار چالیس فقراء کو شہید کردیا۔

حضرت سید خوندمیرؓ اپنی جماعت کے ساتھ فاتح و منصور واپس آئے تھے کہ ملک شرف الدین ، مسلح و باقاعدہ اسی (80) سواروں کے ساتھ مدد کو پہنچ گئے ۔ دیکھتے کیا ہیں کہ جنگ ختم ہوچکی لیکن اتنی بڑی جرار فوج کے مقابلہ میں چند فقراء کی فتح مندی کے ساتھ۔!!! ملک بہت رنج کرنے لگے کہ وہ اس سعادت سے محروم رہ گئے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کو صرف فقراء سے مخصوص رکھنے میں تائیدِ غیبی یہ بھی ہوئی کہ اس دن جو جنگ ہوئی اس کا علم مہدویوں کو عام طور پر نہ ہونے پایا۔ ورنہ لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے اور ایک غضبناک جنگ ہوجاتی کیوں کہ خود حضرت سید خوندمیرؓ کے تخمیناً تین لاکھ مرید تھے۔

فاقہ ولا! سنا ہے شہِ خوندمیرؒ کا ** فاقہ بھی تین لاکھ مریدوں کے پیر کا

(استاذی المعیؔ مرحوم)

غرض حضرت شاہِ خوندمیرؒ نے فرمایا ، ملک شرف الدین کیوں رنج کرتے ہو اس کے بعد کی جنگ میں تمہارا حصہ ہے ۔ تمہارے دیر سے پہنچنے میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت یہ تھی کہ آج کی جنگ صرف نے سروسامان فقراء فتح کرلیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی پیشنگوئی پوری ہو۔ اگر ہماری اس جنگ میں تم شریک ہوجاتے تو ہماری اس فتح کو تمہاری امداد کی طرف منسوب کیا جاتا !! اب دنیا دیکھ لے گی کہ اس کے بعد کی جنگ ، تمہاری امداد کے باوجود ہماری شہادت پر ختم ہوگی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بھاگی ہوئی فوج پھر مجتمع ہوئی ۔ نئی تیاریوں کے ساتھ بمقام سدراسن 14/ شوال 930ھ ہجری جمعہ کے دن دوبارہ حملہ آور ہوئی اس جنگ میں حضرت شاہ خوندمیرؒ کے سر ک ی قربانی رب العزت نے جو قبول فرمائی تھی وہ امانت ادا ہوچکی ۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیه من یشاء واللہ ذولفضل العظیم۔

واقعاتِ جنگ اور ہمعصر مورخین :- گجرات کی کتبِ تواریخ میں اس مہتم بالشان وقعہ کا ذکر جو نہیں پایا جاتا ہے اس کی حقیت "مروت سکندری" کے اس بیان سے واضح ہو سکتی ہے ۔

مخفی نہ ماند کہ مظفرشاہی دروقتِ سلطنت و بادشاہی مظفرشاہ تالیف یافتہ واحمد شاہی در زمانِ حیات احمد شاہ محمود شاہی در آوان بقائے سلطان محمودو مظفرشاہی و بہادرشاہی در وقت وجود سلطان مظفر وسلطان بہادر ظاہر است کہ مولفین ہرکدام چشم صلہ پاس خاطر آنحضرت داشتہ اند ازیں جہت تواریخ مذکور اشتمال برتمام حقایقِ احوال ندارند۔ غیر از قصہ کہ مشتمل برمدح باشد دراں تواریخ تحریر نیافتہ ۔ (مروت سکندری)

ترجمہ :- مخفی نہ رہے کہ شاہی مظفر، مظفر شاہی کی سلطنت کے زمانہ میں تالیف ہوئی اور احمد شاہی ، احمد شاہ کی زندگی میں اور محمود شاہی سلطان محمود کے زمانہ میں اور مظفر شاہی و بہادر شاہی ، سلطان مظفر و سلطان بہادر کے زمانہ میں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہر کوئی مولف بنظرِ صلہ ، حاکمِ وقت کا پاسِ خاطر رکھا ہے اس لئے تواریخ مذکورہ ، تمام حالات و واقعات پر مشتمل نہیں ہیں۔ بجز مدح کے قصوں کے اور کوئی بات نہیں پائی جاتی۔

ایسی صورت میں خوشامد پرست مورخین یہ کیسے لکھ سکتے تھے کہ سلطان مظفر کی کثیر فوج نے بندگی میاں سید خوندمیرؓ کی قلیل و بے سرو سامان جماعت سے ہزیمت اٹھائی ہے۔ بلکہ ممکن تو یہ تھا کہ اس کے برخلاف لکھتے۔!! معاصر مورخین کا سکوت، اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ اظہارِ حقیقت لکھنے کی بھی انھوں نے جرأت نہ کی۔

اسبابِ جنگ کے بارے میں بعض صحابہؓ کا اختلاف یا مشورہ

روایت (51)، (176)، (177) میں حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؓ سے جن صحابہؓ کی مخالفت اور کتبہ کا ذکر ہے یہ مخالفت ایسی نہیں جیسی کہ حضرت علی و حضرت معاویہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنھم کے درمیان پائی گئی تھی۔ اور جس طرح ان حضرات میں سے کسی ایک کے متعلق ، عقیدت کی ذرا سی کمی بھی خسارۂ ایمان و آخرت کا باعث ہو سکتی ہے۔ اِسی طرح ہم کو یہاں بھی ڈرنا ہے کیوں کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے جلیل القدر مناقب و بشارات ، حضرت مہدی علیہ السلام نے بیان فرمائے ہیں۔ اس لئے دل میں شبہ اور دامنِ خیال پر دھبہ نہ آنا ہی شانِ ایمان ہے۔

سب صحابہؓ باہم بے حد اخلاص و محبت رکھتے تھے۔ اور اُن کو بجز مسائلِ دینیہ کے کسی اور اُمور سے سروکار نہ تھا۔ کتبہ مخالفت جن صحابہؓ سے تعلق تھا اُن سب حضرات نے حضرت بندگی میاں سید خوندمیرؓ کا شرفِ بیانِ قرآن تسلیم کیا ہے اور بیعت بھی کی ہے۔ روایت (235)، (255) میں اس کا بیان موجود ہے ملاحظہ کیا جائے۔ اور " پنچ فضائل " میں بھی اِسی مضمون کی روایت بیان ہوئی ہے۔ جس میں مخالف علماء سے مناظرہ کی صورت میں مہدی علیہ السلام کا ثبوت کس طرح پیش کیا جائے۔ اس بارے میں گفتگو درج ہے اس گفتگو میں حضرت بندگی میاں شاہ نظامؓ و حضرت بندگی میاں شاہ نعمتؓ و حضرت بندگی میاں شاہِ دلاورؓ و حضرت بندگی میاں ملک جیؓ وغیرہ شریک تھے۔ اس روایت کی آخری عبارت یہ ہے :-

پس بندگی میاںؓ فرمودند کہ بصدقۂ خوندکار ما از جملہ قرآن از ہریک حرف از الف تا سین ذاتِ حضرت میران علیہ السلام را ثابت بصحت رسانم پس ہمہ اصحاب بیعت کردند۔و گفتند کہ کسے را این حجت است از میاں ما بزرگ است۔ (پنچ فضائل)

ترجمہ :- پس بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے فرمایاکہ ہمارے خوندکار (حضرت مہدی علیہ السلام) کے صدقہ سے قرآنِ مجید کے ایک ایک حرف (الم) کے الف سے (والناس) کے سین تک مہدیتِ ذاتِ میراں علیہ السلام کا ثبوت دوں گا۔ پس تمام صحابہؓ نے بیعت کرلی اور فرمایاکہ جس کے پاس ایسی محبت ہو وہ ہم میں بزرگ ہیں۔

آپؓ کے بیانِ قرآن کی خصوصیت، روایت (135) سے ظاہر ہوسکتی ہے جس میں یہ جملہ بیان ہوا ہے کہ :-

بعد از مراقبہ دراز بندگی میاں سید خوندمیرؓ چشم کشادہ فرمودند کہ دانستہ بودم کہ چہ بیان کنم لیکن ہمیں زمان حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم آمدہ مصحف بدستِ بندہ دادہ فرمودند کہ بیان کن۔ (روایت 235)

ترجمہ :- طویل مراقبہ کے بعد بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے آنکھ کھول کر فرمایا میں سمجھا تھا کہ کیا بیان کروں لیکن اِسی وقت حضرت رسول اللہ ﷺ نے تشریف فرما ہو کر قرآنِ شریف اس بندے کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ بیان (قرآن) کرو۔

اور ایک روایت حضرت شاہِ قاسم مجتہدِ گروہؒ نے بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا بیانِ قرآن وہی ہوتا تھا جو حضرت مہدی علیہ السلام سے آپؓ نے سنا اور سمجھا ہو :-

نقل است بندگی میاں رضی اللہ عنہ' دربیانِ کلام اللہ آیتے را بیان نہ کردند زیرا کہ معنی آں آیت از زبانِ حضرت میراں علیہ السلام یاد نہ بود بعد ازمدتے حضرت میراں علیہ السلام در مکاشفہ حضرت بندگی میاںؓ را فرمودند کہ سید خوند میرؓ ماحصل ایں آیت بندہ چنیں گفتہ است ۔پس بندگی میاںؓ بطریقِ حکایت گفتند۔۔الخ (دلیل العدل و الفضل)

ترجمہ :- روایت ہے کہ بندگی میاں سید خوندمیرؓ نے بیانِ کلام اللہ کے وقت ایک آیت کا بیان نہ کیا۔ کیوں کہ یاد نہ رہا۔ ایک عرصہ بعد حضرت مہدی علیہ السلام نے بحالتِ مکاشفہ ، بندگی میاںؓ سے فرمایا کہ سید خوندمیرؓ! بندہ نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔ پس بندگی میاںؓ نے بطورِ روایت بیان کیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ آپؓ کا بیانِ قرآن وہی ہوتا تھا جو آپؓ نے حضرت امامنا علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے سنا اور سمجھا ہو اس لئے جو تفسیر آپؓ کی ثابت ہو، اس پر مہدی علیہ السلام کی تفسیر ہونے کا اعتقاد لازم ہو جاتا ہے۔ اِسی خصوصیت اور اِسی شرف کی وجہ آپؓ کے معاصرینؓ نے آپؓ کی فضیلت کا اعتراف کیا اور بیعت بھی کی ہے۔ اس حقیقت کی بناء پر کتبہ سے متعلقہ روایات کو غلط ٹھیرانا بھی اصول منقول کے خلاف ہے کیوں کہ وہ روایات

نقلیاتِ حضرت بندگی میاں عبدالرشیدؒ و انصاف نامہ وغیرہ معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔ ہم یہاں ایسی تفصیلات پیش کریں گے جس سے معلوم ہوجائے گا کہ اس اختلاف کا تعلق کس حدتک ، کب تک اور کیوں تھا۔

" روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت میاں سید خوندمیرؓ نے معاملہ (خواب) دیکھا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا وصال ہوگیا ہے اور بعض صحابہؓ ان سے مخالفت کر رہے ہیں۔ اس کے بعد آپؓ نے اس واقعہ کو حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا جو کچھ تم نے دیکھا، ویسا ہی ہوگا۔ تم پر بے دینی ثابت کریں گے تم استقامت سے رہو۔ حق تمہاری طرف ہے یہ لوگ رجوع کریں گے۔ (روایت 26)"

اِسی مضمون کی روایت " انصاف نامہ باب (17) میں اور " مطلع الولایت " میں بھی درج ہے اور ایک دفعہ حضرت سید خوندمیرؓ نے فرمایا :-

" لیکن خدائے تعالیٰ ان کو رجوع کا موقع عطا فرمائے گا اور اس مخالفت پر افسوس کریں گے کیونکہ ان لوگوں کے حق میں حضرت مہدی علیہ السلام نے بشارتیں فرمائی ہیں۔ یہ لوگ مبشرِ مہدی علیہ السلام ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو خطا پر مصر نہ رکھے گا۔" (روایت 176)

ان روایات سے ظاہر ہے کہ بعض صحابہؓ کی مخالفت ، اچانک نہیں پیش آئی بلکہ پہلے ہی منجانب اللہ اس کی خبر ہوچکی تھی۔ اور یہ ہونا مقدر تھا، ہوکر رہا۔ جو ہوا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اِسی کی مصلحت کے مطابق ہوا لیکن مخالفت کی ان روایات کی وجہ سے حضرت مہدی علیہ السلام کی اس پیشنگوئی پر جسے آپؑ نے بطورِ تحدی و حجتِ مہدیت ، بندگی میاںؓ کے واقعۂ شہادت کے متعلق بیان فرمائی بحیثیتِ اصول و مراتب روایت کوئی نقص نہیں وارد کیا جاسکتا کیونکہ کتبۂ زیرِ بحث کا نظرِ غایر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں کہیں ایسا کوئی لفظ موجود

نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ حضرت سید خوندمیرؓ کے " حاملِ بارِامانت " اور " بدلۂ ذات " ہونے کے بارے میں کسی نے کوئی اختلاف کیا ہو۔!!! اس کا پورا مضمون محولہ نمبر کی روایت میں دیکھا جا سکتا ہے۔

کتبۂ مذکورالصدر کچھ الفاظ کی کمی وبیشی کے ساتھ انصاف نامہ کے قلمی نسخوں میں بھی پایا جاتا ہے اور حال کے مطبوعہ نسخہ میں بھی درج ہے۔ ملاحظہ ہو باب (16) اور میاں سید نور محمدؒ بن میاں سید محمودؒ جدِ خاندانِ اہلِ اکیلی کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا انصاف نامہ کا جو نسخہ ہے اس میں زیادہ واضح عبارتیں ہیں اور اصحابِ کتبہ کی شرح دستخط بھی درج ہیں۔

غرض اس تحریر سے ظاہر ہے کہ اختلاف کا تعلق خبرِ قتال، حضرت صدیقِ ولایت کے حق میں ہونے یا نہ ہونے سے نہیں ہے بلکہ موقع و محل اور اسبابِ جنگ پر اختلاف ہے۔ اور اس کی بناء تین اُمور بیان ہوئے ہیں۔

(1) منکرِ مہدیؑ کو کافر نہ کہنا چاہیئے۔ حالانکہ آیت وحدیث کے تحت حکمِ کفر کو خود ان حضراتؓ نے کتبہ میں درج فرمایاہے۔ لیکن صرف اعتقاد کافی قرار دیا ہے۔

(2) حکمِ اخراج کی تعمیل کرنی چاہیئے حضرت مہدی علیہ السلام کا عمل یہی تھا۔

(3) کلمہ گو سے قتال درست نہیں۔

اصحابِ کتبہ کا یہ مشورہ یا اختلاف فرامینِ حضرت مہدی علیہ السلام کے غیر مطابق تھا۔ اس لئے حضرت سید خوندمیرؓ نے اس کتبہ کے ملاحظہ کے بعد فرمایا:- " ایشاں از اقرارِ مہدیت بر گشتہ اند، رجوع باید کرد " یعنی یہ لوگ اقرارِ مہدیت سے برگشتہ ہوگئے ہیں انھیں رجوع کرنا چاہیئے۔ نیز فرمایا کہ :- " بندہ را معذور دارید کہ ہر وقت کہ کسے سخن مہدی علیہ السلام را تاویل و تحویل کند حلمِ بندہ نمی ماند " یعنی بندہ کو

معذور رکھو جس وقت کہ کوئی شخص مہدی علیہ السلام کے فرمان میں تاویل و تحویل کرتا ہے تو بندہ کا علم باقی نہیں رہتا ہے ۔

(1) انکارِ مہدی کفر ہونے کے باب میں جو فرامین و روایات مذکور ہیں اور توضیحات کے حصہ میں ان روایات پر آیات و احادیث اور اصولِ استخراج احکام کے لحاظ سے جو استدلال کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت سید خوندمیرؓ کا موقف کیا تھا۔ اس کے علاوہ بعد میں انکار کفر ہونے پر بحیثیتِ اجماع سب صحابہؓ میں اتفاق ہوچکا اور محضرے بھی ہوئے ہیں چنانچہ محضرۂ حضرت بندگی میاں شاہ دلاورؓ نہایت واضح و با دلیل ہے جو حال میں طبع ہوکر شایع ہوچکا ہے۔ جس میں استادنا محمد سعادۃ اللہ خانصاحب کی عالمانہ تصریحات بھی ہیں۔

(2) اعتراض کا دوسرا نقطہ، حکمِ اخراج کی تعمیل نہ کرنا ہے۔ اس بارے میں بھی بندگی میاںؒ کا موقف واضح ہے۔ کیونکہ مستند روایات سے ثابت ہے کہ آپ کو کئی مقامات پر اخراج کا حکم دیا گیا اور آپ اس کی تعمیل کرتے رہے۔

بست و سہ سال میں کیا قہر ہے چوبیں اخراج * * سبقتیں لے گئے مظلوم وہ سیاروں پر

(المعیؔ مرحوم)

اس کے علاوہ حضرت مہدی علیہ السلام کے ایسے عمل کی نظیر بھی موجود ہے کہ آپؑ نے حکمِ اخراج پر عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا روایت ہے کہ :-

بادشاہ سندھ خواست کہ ازملک خود اخراج نماید قاضی را فرستادہ گویانید کہ فرمانِ بادشاہ است کہ ازیں جا بیشتر شوید۔ حضرت امام علیہ السلام فرمودند کہ فرمانِ بادشاہ تو ترا است قاضی گفت کہ اطاعتِ الوالامر لازم است۔ آنحضرتؑ فرمودند حالانکہ تو قاضی ہستی بگو کہ شرطہائے

الوالامر دربادشاہ تو ہستند؟ اگر باحکام شرعییہ او را الوالامر ثابت کنی تابندہ برگفتہ او فی الحال برود۔۔۔۔۔۔۔۔۔''' (قاضی) گفت اگر کسے درملکِ خویش جاندہد پس چہ باید کرد فرمودند بگوئی کہ ملک سندھ ازاں باشاہِ سندھ است وقطعۂ گجرات ازاں آمر اوست و بوم خراسان ازاں حاکم او ہمچنیں ہر ملکے و ہرشہرے و ھردیہے را بزعم خود ہرکسے حکم وارثت دارد پس ان کے زمین خدائے را بنمائید کہ خالص مرخدائے را باشد تا آنجا بندگانِ خدا محض خدائے را عبادت کنند۔۔۔۔۔۔ فرمودند کہ بادشاہِ خود را بگو کہ بجز فرمانِ خدائے تعالیٰ ہرگز از جائے نہ روم۔ پس اگر تو با جمیع لشکر و شوکتِ خود بیائی انشاء اللہ تعالیٰ بندہ بایک خدائے خویش برتو غالب آید۔ (مطلع الولایت)

ترجمہ :- بادشاہِ سندھ نے اپنے ملک سے آپؑ کے اخراج کا ارادہ کیا اور قاضی کے ذریعہ کہلوایا کہ بادشاہ کا فرمان ہے کہ یہاں سے آگے چلے جائیں حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا تمہارے بادشاہ کا فرمان تمہارے لئے ہے۔ ہمارے بادشاہ کا حکم جس وقت ہوگا ہم آگے چلے جائیں گے۔ قاضی نے کہا کہ الوالامر کی اطاعت لازم ہے۔ آنحضرتؑ نے فرمایا حالانکہ تم قاضی ہو کہو کہ تمہارے بادشاہ میں الوالامر کی کونسی شرائط موجود ہیں۔ اگر احکامِ شرعیہ کی رؤسے تم الوالامر ثابت کردوگے تو بندہ اِسی وقت چلا جائے گا۔۔۔۔ (قاضی نے) کہا اگر کوئی اپنے ملک میں جگہ نہیں دیتا ہے تو کیا کرنا چاہیئے؟ آپؑ نے فرمایا کہ ملکِ سندھ، سندھ کے بادشاہ کا ہے خطۂ گجرات، حاکمِ گجرات کا خراسان کی سرزمین وہاں کے حاکم کی ہے اس طرح ہر ملک ہر شہر اور ہر قریہ پر ہر ایک اپنے اپنے زعم میں وراثت کا حکم جتلاتا ہے۔ پس تھوڑی سی زمین ایسی بتلادو جو خاص خدائے تعالیٰ کی ہو تاکہ خدا کے بندے وہاں صرف خدا کی عبادت کرسکیں۔۔۔۔ فرمایا جاؤ اپنے باشاہ سے کہو کہ ہم بجز خدائے تعالیٰ کے فرمان کے یہاں سے ہرگز نہ جائیں گے۔ پس اگر تم اپنی پوری فوج و شوکت کے ساتھ بھی آؤ گے تو انشاء اللہ تعالیٰ بندہ اپنے ایک خدا سے تم پر غالب آجائے گا۔۔۔۔الخ

یہ روایت طویل ہے ہم نے یہاں ضرورۃً خاص خاص حصے نقل کئے ہیں جس سے معلوم ہورہا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے بعض موقعوں پر حکمِ اخراج پر عمل کرنے سے انکار کردیا ہے۔ کیوں کہ آپؑ جو کچھ کرتے خدائے تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہ کرتے تھے اور حضرت سید خوندمیرؓ کو بھی اس وقت ایسی ہی صورت پیش آگئی تھی چنانچہ روایت ہے کہ :-

معلومباد کہ چونکہ لشکرِ منکرانِ حق باستعدادِ تمام آمدہ گویند ازیں ولایت بردید کہ علماء فتویٰ دادہ اند اگرنہ روند قتل کنید۔ بعدہ میاں سید خوندمیرؓ فرمودند کہ کرت و مرت مارا کشیدند مارفتم و دریں کرت مرا ازحق تعالیٰ و از رسول علیہ السلام و ازمہدی علیہ السلام اذن شدہ است۔ بدیں عبارت الا ان القضیٰ فقد مضیٰ ان صبرت فانک ماجوروان حذرت فانک مھجور۔۔۔۔۔الخ

(روایت 175)

ترجمہ :- واضح ہوکہ مخالفین کی فوج جب پوری تیاریوں کے ساتھ آئی تو (افسروں نے) کہلایا کہ اس مملکت سے چلے جاؤ کیونکہ علماء نے فتویٰ دے دیا ہے کہ اگر نہ جائیں تو قتل کردیئے جائیں۔ اس کے بعد میاں سید خوندمیرؓ نے فرمایاکہ ہم کو بارہا کھینچ کر (باہرکیا جاتا رہا) اور ہم اخراج قبول کرتے رہے۔ اس دفعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور حضرت رسول علیہ السلام و حضرت مہدی علیہ السلام کی طرف سے بار بار حکم ہو رہا ہے کہ خبردار !! جو ہونا ہے ہوکر رہے گا اگر تم صبر کروگے تو اجر پاؤگے اگر ڈر جاؤگے تو (اللہ سے) دور ہوجاؤگے۔

ہم نے یہاں بقدرِ ضرورت اس روایت کا ایک حصہ درج کیا ہے۔ کتابِ نقلیات میں یہ روایت پوری دیکھ لی جائے تو مزید معلومات ہوں گے اور اندازہ ہوسکے گا کہ اس وقت بندگی میاںؒ کا موقف کیا تھا۔ اور آپؓ نے حکمِ اخراج کی تعمیل جو نہیں فرمائی کس قدر اقتضائے دین کے عین مطابق تھا۔

(3) اِسی طرح کلمہ گویوں سے قتال پر اعتراض کے بارے میں بھی آپؒ نے توضیح فرمادی ہے چنانچہ کتبۂ معترضہ کے ملاحظہ کے بعد آپؒ نے جواب میں یہ روایت بھی سنائی کہ :-

"ایک روز ایک عالم حضرت مہدی علیہ السلام سے بحث کر رہا تھا اور کسی طریقہ سے بھی تفہیم نہ پا رہا تھا اس وقت حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ لوگ دلیل و علم سے تفہیم قبول نہیں کریں گے۔ اپنے دستِ مبارک سے تلوار بلند کرکے فرمایا کہ ان کے لئے اب یہ رہ گئی ہے اگر خدائے تعالیٰ حکم دیتا تو میں ان لوگوں سے جزیہ وصول کرتا۔ یہ جزیہ دہندہ کے حکم میں ہیں۔" پس ہمیں چاہیئے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا ہے اس پر اعتقاد رکھیں اس میں تاویل نہ کریں (روایت 176) اور اِسی لئے حضرت بندگی میاں عبدالرشیدؒ نے توضیحاً تحریر فرمایا ہے کہ :-

"واضح ہو کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے اس آیت کے حکم سے وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا ۔۔۔ الخ (سورۃ النسآء۔93) (یعنے جو شخص مومن کو عمداً قتل کرے گا اس کی جزا جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔)

مومن کے قاتل کو دائمی جہنمی فرمایا ہے۔ اگر مفسرین نے کوئی اور تفسیر بیان کی ہے تو وہ کیا ہے۔ معلوم کرو۔ محض تصدیق کی وجہ فقراء کے قتل کا فتویٰ دینے والے اور اس فتویٰ پر عمل کرنے والے، بے ایمان اور دائمی دوزخی ہیں (اس لحاظ سے) میاں سید خوندمیرؓ نے کلمہ گویوں پر جو فتویٰ دیا زوالِ ایمان کے بعد دیا اس لئے کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ (روایت 186)

اس کے علاوہ مہدویوں کے قتل کا فتویٰ جاری کرنے والے مفتیوں کے بارے میں اِسی مخالف جماعت کے علماء سے آپؓ نے فتویٰ بھی حاصل کرلیا تھا۔۔۔ نیز بلحاظِ اسباب، حضرت سید خوندمیرؓ مخالفین کی دعوتِ جنگ کو قبول کرنے پر جس قدر مجبور کردیئے گئے تھے، اسباب و واقعاتِ جنگ کے تحت مختصراً بیان کیا جاچکا ہے۔

فی الحقیقت کتبۂ زیر بحث میں بنائے اعتراض، کلمہ گو کو کافر کہنے سے متعلق ہے۔ حکمِ اخراج کی تعمیل نہ کرنا اور کلمہ گویوں سے قتال جائز ہونا اِسی کے ذیلی مسائل ہیں۔ اور جب کہ انکارِ مہدیؑ کفر ہونا ازروئے آیات و احادیث وفرامینِ مہدی علیہ السلام ثابت ہے تو پھر اس بارے میں بندگی میاںؓ پر ابتداءً جو کچھ اعتراض ہوا ہو خود بخود مرتفع ہوجاتا ہے۔ اور یہ اختلاف یا مشورہ چوں کہ بالکل عارضی و موقتی اور محض منشائے خدائے قدیر کے تحت تھا۔ اس لئے جب حجتِ مہدیؑ پوری ہوچکی اور شہادت تکمیل پاچکی تو قدرت کی جانب سے جو حجاب عارض کئے گئے تھے تکمیلِ مصلحت کے بعد اٹھا دیئے گئے۔ جس کے بعد اصحابِ کتبہ نے خود اعتراف کیا اور اپنے اختلاف یا مشورہ کے مقابلہ میں بندگی میاںؓ کے عمل ہی کو حق بجانب قرار دیا۔ چنانچہ روایاتِ ذیل اس امر کے شاہد ہیں۔

بعد از مدتے میاں دلاورؓ از حق تعالیٰ معلوم کردند آنچہ سید خوندمیرؓ کردہ اند ہمہ حق است و بر آیتِ قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا عمل کردند۔ (روایت 178)

ترجمہ :- ایک مدت کے بعد میاں دلاورؓ نے اللہ تعالیٰ سے معلوم کیا کہ سید خوندمیرؓ نے جو کچھ کیا سب برحق ہے اور انھوں نے آیتِ قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا پر عمل کیا ہے۔

اور حضرت بندگی میاں عبدالرشیدؒ نے مولفِ انصاف نامہ حضرت میاں ولی جیؒ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ :-

این بندہ کہ جمع کنندہ منقولات است مسمیٰ بہ ولی می گوید خدائے تعالیٰ شاہد است کہ میاں دلاورؓ بحضورِ این بندہ فرمودند کہ ما با سید خوندمیرؓ رشک کردیم و ہر وقت کہ میاں سید خوندمیرؓ مایان ایشاں ید می آئیند سینۂ بندہ سوز و افسوس بسیار کردہ می شود۔

(روایت 178)

ترجمہ :- یہ بندہ جمع کنندہ منقولات مسمیٰ بہ ولی کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ گواہ ہے کہ میاں دلاورؓ نے اس بندے کی موجودگی میں فرمایا ہے کہ ہم نے سید خوندمیرؓ کے ساتھ رشک کیا۔ جس وقت میاں سید خوندمیرؓ ہم میں یاد آتے ہیں بندہ کا سینہ جلنے لگتا ہے اور بہت افسوس ہوا کرتا ہے۔

بعد از مدتے میاں ملک جیوؒ در جالور آمدند و فرمودند اگر کسے دامن بندہ بگیرد بندہ بر عمل و قول کہ میاں سید خوندمیرؓ کردہ اند و گفتہ اند حجت بدہم آنچہ در کتبہائے دین نبشتہ اند میاں سید خوندمیرؓ کردہ اند ہیچ خلاف نہ کردند۔ (روایت 150)

ترجمہ :- ایک مدت کے بعد میاں ملک جیوؒ جالور میں آئے اور فرمایا کہ اگر کوئی بندہ کا دامن پکڑے تو بندہ اس قول و فعل کو جو میاں سید خوندمیرؓ نے کیا ہے ثابت کرے گا کہ دین کی کتابوں میں جو باتیں لکھی گئی ہیں میاں سید خوندمیرؓ نے وہی کیا اور کوئی خلاف ورزی نہیں کی۔

یہ روایت انصاف نامہ میں بھی مذکور ہے ۔ عبارت یہ ہے :-

و نیز نقل است کہ بندگی میاں ملک جیوؒ در ناگور چہل شیاں روز با وضو ماندند کہ احوالِ مقدمۃ قتال معلوم کنند بعدہٗ یک شب معلوم شد کہ سید خوندمیرؓ آنچہ کردند حق بود۔ " قَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا " چنانچہ حضرت میراں علیہ السلام فرمودہ بودند ہمچناں شد۔ بعدہٗ ملک جیوؒ فرمودند اگر کسے دامنِ بندہ بگیرد ہر جا کہ بندگی سید خوندمیرؓ قدم نہاد آں را حجت بدہم آنچہ در کتبہا نوشتہ بودند سید خوندمیرؓ کردند ہیچ خلاف نہ کردند۔ (باب 16)

ترجمہ :- نیز روایت ہے کہ بندگی ملک جیوؒ ناگور میں چالیس دن رات با وضو رہے تاکہ مقدمۂ قتال کے حالات منکشف ہوں۔ اس کے بعد ایک دن معلوم ہوا کہ سید خوندمیرؓ نے جو کچھ کیا حق تھا۔ قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا (کے بارے میں) جیسا کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا تھا اُسی طرح ہوا۔ ملک جیوؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی بندہ کا دامن پکڑے تو بندگی سید خوندمیرؓ نے جس جگہ کہ قدم رکھا ہے اس پر حجت پیش کرے گا جو کچھ کہ کتابوں میں لکھا گیا ہے سید خوندمیرؓ نے اس کے خلاف کچھ نہیں کیا ہے۔

"و بعد از مدتے میاں نعمتؓ در جالور آمدند و از دکن باز گشتند و فرمودند کسانیکه مرا از موافقتِ سید خوندمیرؓ باز داشتند ایشاں را خدائے تعالیٰ خواہم پرسید۔ (روایت 181)

ترجمہ :- ایک عرصہ کے بعد میاں نعمتؓ دکن سے جالور میں واپس آئے اور فرمایا کہ جن لوگوں نے مجھ کو سید خوندمیرؓ کی موافقت سے باز رکھا ہے ان کو خدائے تعالیٰ پوچھے گا۔

یہی روایت انصاف نامہ میں بھی ہے۔ لیکن پہلا جملہ یہ ہے کہ :- " و نیز نقل است کہ میاں نعمتؓ در موضع بھاوی پورپیش ملک میاں باری وال بحضور چند طالباں فرمودند کہ کسانیکہ---الخ

(انصاف نامہ باب 16)

اب ہر شخص یہ بات واضح طور پر سمجھ سکتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے فرمان " اختلاف امتی رحمۃ" کے مصداق " صحابۂ مہدی ءِ موعودؑ کا یہ عارضی اختلاف ، حجتِ مہدیت یعنے خبرِ قتل کی تکمیل کی وجہ مومنین کے لئے رحمت ثابت ہوا۔ اور اس کے بعد رحمت کا دوسرا ظہور یہ ہوا کہ خود اصحابِ کتبہ نے اس اختلاف کو باقی نہ رکھا گروہ مہدی ءِ موعودؑ کو اس خطرہ میں مبتلا ہونے سے بچالیا!!! جس کی پیشنگوئی حضرت سید خوندمیر صدیق ولایتؓ نے بھی کی

تھی کہ ان حضرات کو اس پر اللہ تعالیٰ مصر نہ رکھے گا کیونکہ ان کی شان میں حضرت مہدی علیہ السلام نے بشارتیں فرمائی۔"

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت و حکمت یہ بھی شاملِ حال رہی کہ ان کتبات کا تعلق صرف حکمِ کفر کی تطبیق تعبیر اور جنگ کے اسباب و موقع و محل کی حدتک محدود رہا جس کی وجہ حضرت سید خوندمیرؓ سے متعلقہ خبرِ قتال کی نوعیت کو متاثر کرنے ہر کوشش خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔کیونکہ ان کتبات میں حضرت سید خوندمیرؓ کا حاملِ بارِ امانت و بدلہٗ ذات ہونا ، بنائے بحث واختلاف نہیں ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ وہ "خبرِ مشہور و قطعی الصدور و قطعی الدلالۃ" جو حضرت مہدی علیہ السلام نے بیان فرمائی اور جو پوری پوری صادق آئی ، خبرِ متواتر کا حکم رکھتی ہے جس کی قطعیت کا انکار نقلاً و عقلاً جائز نہیں ہے۔

توضیح دربیانِ امتناعِ تاویل و تحویل :- مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے عقیدۂ نہم کے تحت لکھا ہے کہ : " کلامِ مہدی میں تاویل حرام ہے۔۔۔آخر عقیدۂ شریفہ میں لکھا ہے کہ جو شخص کہ بیانِ مہدی میں تاویل کرے وہ مخالف بیان اس ذات کا ہوگا۔۔

اس کے بعد عقیدۂ شانزدہم کے تحت لکھا ہے کہ :- دوسرے یہ کہ عبارتِ قرآنی میں بعض جا توجیہ و تاویل بھی درست ہے چنانچہ ماول و مجاز وکنایہ ، سب اقسامِ قرانیہ سے ہیں ۔یہاں تاویل وتوجیہ مطلقاً کفر ہے چنانچہ آخر رسالۂ مذکور (عقیدۂ شریفہ) سے مستفاد ہے" (ملخص از ہدیۂ مہدویہ)

اگر " ہدیۂ مہدویہ " کی پوری عبارت نقل کی جائے تو ہمارے موضوع سے غیر متعلق بہت سارے مسائل حل کرنے پڑیں گے اور اس کا یہ محل نہیں ۔ اس لئے امتناعِ تاویل و تحویل کا تعلق جن روایات سے ہے صرف اِسی حدتک رفعِ اعتراض کیا جائے گا۔ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے " عقیدۂ شریفہ " کی عبارت سمجھنے میں غلطی کی ہے ۔ اصل عبارت یہ ہے کہ :-

" اے طالبانِ حق که مہدی را قبول کرده اید معلوم باد که ایں احکام که مذکور است از اول تا آخر وقتِ رحلت آں ذات ما دام که ایں بنده در صحبتِ وے بود در ہیچ حکم از احکامِ تفاوت نیافتیم و بریں جمله اعتقاد و ایمان داریم ہرکه دربیان وے چیزے تاویلے وتحویلے مند او مخالف بیانِ آں ذات باشد۔" (عقیدۂ شریفه)

ترجمہ:- اے طالبانِ حق ، جنھوں نے کہ مہدیؑ کو قبول کیا ہے ۔ معلوم ہوکہ یہ احکام جو مذکور ہیں اس ذات (مہدی علیہ السلام) کی صحبت میں یہ بندہ ابتداء سے رحلت کے آخر وقت تک رہا ہے ۔ کسی حکم میں کوئی تفاوت نہیں پایا ہے ۔ اور ہم ان تمام احکام پر ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں جو شخص کہ مہدی علیہ السلام کے بیان میں کوئی تاویل و تحویل کرے گا مہدی علیہ السلام کے بیان کا مخالف قرار پائے گا۔

اورشرحِ عقیدۂ مسمیٰ بہ رسالۂ فرایض کے آخر کی عبارت یہ ہے :-

پس ہر مصدق را ایمان آوردن و اعتقاد داشتن و عمل کردن براں و از تاویل وتحویل آں دور بودن فرض است زیرا که برصحتِ ایں احکام اجماعِ صحابه کرام شده است۔۔۔الخ

ترجمہ :- پس ہر مصدق مہدی کو اس پر ایمان لانا اعتقاد رکھنا اور عمل کرنا چاہیئے اور اس کی تاویل و تحویل سے باز رہنا فرض ہے کیونکہ ان احکام کی صحت پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہوا ہے ۔

اس سے ظاہر ہے کہ امتناعِ تاویل و تحویل کا حکم بیان عقیدۂ شریفہ میں بیان کئے ہوئے احکام سے متعلق ہے۔ مطلقاً تاویل حرام وکفر ہونا اس عبارت سے " مستفاد" کہاں ہے۔؟!! البتہ دوسرے مقامات پر " انصاف نامہ " و " نقلیاتِ عبدالرشیدؒ وغیرہ کتابوں میں " منعِ تاویل" کا جو حکم پایا جاتا ہے وہ عام ہے اس کی حقیقت آگے بیان ہوگی۔

اس کے علاوہ مولفِ " ہدیۂ مہدویہ " نے عبارتِ قرآنی میں بعض جگہ توجیہ و تاویل درست ہونے کا دعویٰ جو کیا اور مَاوّل وغیرہ کو پیش جو کیا۔ یہ بھی تمام اہلِ سنت کا متفقہ نہیں ہے۔ " مَاوّل" کی تعریف علمائے اہلِ سنّت نے یہ بیان کی ہے کہ :-

المشترک اذا ترجح بعض معانیہ بالراہی یسمیٰ ماولا

ترجمہ :- جب مشترک کے بعض معانی کورائے سے ترجیح دی جاتی ہے تو اس کو " مَاوّل" کہتے ہیں۔

علامہ شمسیؔ مرحوم نے لکھا ہے کہ :- جب " مَاوّل" کا حصول مجتہد کی رائے پر موقوف ہے تو اس کو اقسامِ نص سے شمار کرنا تامل کے قابل امر ہے کیونکہ اس معنیٰ کا حصول بعینہٖ اگر خالص نص ہے تو مجتہد کی ضرورت نہیں ہے۔ جب اس معنیٰ کی تحصیل میں مجتہد کی رائے علت واقع ہوئی ہے تو اس کی نسبت نص کی طرف بجا نہیں ہے۔

(حاشیہ کحل الجواہر صفحہ 277 جلد اور مطبوعہ)

اس سے ظاہر ہے کہ " مَاوّل" رائے پر موقوف ہے اور غیر معصوم کی رائے میں خطا کا احتمال ہوتا ہے اِسی لئے محققین کرام نے اس سے اعراض کیا ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت سارے اقوال و آراء موجود ہیں ، شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :-

اعلم ان الخیر کلہ فی الایمان بما انزل اللہ و الشرکلہ فی التاویل فمن اول فقد جرح ایمانہ وان وافق العلم و ما کان ینبغی لہ ذالک فی الحیث کذبنی عبدی ولم یکن ینغبی لہ ذالک فلا بدان

یسئال کل ماول مما اولہ یوم القیامۃ (فتوحات باب 198

ترجمہ :- واضح ہوکہ جوکچھ اللہ نے نازل فرمایا ہے اس پر ایمان رکھنے میں پوری بھلائی ہے۔ اور پوری برائی تاویل کرنے میں ہے۔ پس جس نے تاویل کی، اپنے ایمان کو مجروح کیا۔ اگرچہ کہ اس کی رائے موافق ہی واقع ہو۔ اور اس کو ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ یہی بات حدیثِ قدسی میں ہے کہ " میرے بندے نے مجھے جھٹلایا اور اس کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کی وجہ ہر تاویل کرنے والے سے اس کی تاویل کی نسبت قیامت کے دن ضرور باز پرس ہوگی۔

اس کے علاوہ " تاویل " کا لفظ اصطلاحاً فی الحقیقت " متشابہات " سے متعلق و متعارف ہے اور محکم و متشابہ کے بارے میں علمائے اکابرِ اہلِ سنت کی جو رائے ہے درج کی جاتی ہے۔

محکم کے معنی لغت میں " مضبوط اور استوار " کے ہیں۔ امام فخرالدین رازیؒ فرماتے ہیں :-

فالعرب یقول حاکمت وحکمت بمعنی ردت منعت۔ والحاکم یمنع الظالم عن الظلم و حکمۃ اللجام ھی التی تمنع الفرس عن الاضطراب و فی حدیث الحنفی احکم الیتیم کما تحکم ولدک ای امنعہ عن الفساد وقالجریر احکموا سفھا وکم ای امنعوھم۔ وسمیت الحکمۃ حکمۃ لا تھا تمنع عمالا ینبغی (تفسیرِ کبیر جلد 2 صفحہ 295 مطبوعہ مصر)

ترجمہ :- چھوڑنے اور روکنے کے معنوں میں عرب کہتا ہے کہ "حاکمت"، "حکمت"، "احکمت" اور حاکم ظالم کو روکتا

ہے۔ اور حکمت ایسی لگام ہے جو گھوڑے کو شرارت سے روکتی ہے اور حدیثِ نخفی میں ہے کہ روکو یتیم کو برائی سے جیساکہ تم اپنے بچوں کو روکتے ہو۔ (ملاحظہ ہو" حکم"، "تحکم" کا استعمال روکنے کے معنوں میں ہوا ہے) اور جریر نے کہا ہے کہ تم اپنی نادانی سے بچو۔ اور حکمت کو حکمت اس لئے کہتے ہیں کہ و غیر ضروری چیزوں سے روکتی ہے۔

اور متشابہ کے متعلق یہ لکھا ہے :-

واماالمتشابه فهوا ان يكون احد الشيئين متشابهاة لاخريجيث يعجزالذهن عن التميز۔ قال الله تعالیٰ فی وصف اثمارالجنة واتوابها متشابها ای متفقق المنظر مختلف الطعوم ويقال اشتبه على الامران اذالم يضرق بينهما وقال احلال بين الحرام بين و بينهما امور متشابهات وفی رواية اخرى مشتبهت و يجتمل ان يقال انه الذى ہا يعرف ان الحق ثبوته او عدمه و كا ن الحكمبثبوته مساويا للحكم بعد مه فى لعقل والذهن ومتشابها له وغير مميزاحد هما عن الأخر بمزيد رجحان فلا جرم سمى غيرالمعلوم بانه متشابه (تفسیر کبیر جلد 2 صفحه 595)

ترجمہ :- اور لیکن متشابہ وہ ہے کہ ایک شئ دوسری شئ سے اس طرح متشابہ ہو کہ ذہن اس کے تمیز کرنے سے عاجز ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے پھلوں کی تعریف میں فرمایا ہے "وَأُتُوابِهِ مُتَشَابِهاً۔۔۔الخ(سورۃ ابقرہ۔25)" یعنے اس کے مشابہ ایسے پھل دیئے جائیں گے جو دیکھنے میں ایک معلوم ہوں اور ذایقہ میں مختلف ہوں۔ مجھ پر یہ امر مشتبہ ہے اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ ان دونوں میں کوئی فرق معلوم نہ ہو۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا۔ حلال اور حرام دونوں واضح ہیں ان دونوں کے درمیان متشابہ اُمور ہیں ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مشتبہ اُمور ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ متشابہ وہ ہے جس کے ثبوت اور عدم ثبوت کا حکم دونوں برابر و متشابہ ہوں اور کسی وجہ ترجیح کے بغیر ایک دوسرے سے غیر ممیز ہوں۔ اِسی لئے غیر معلوم کو متشابہ کہتے ہیں۔

محکم اور متشابہ کی اس لغوی اور اصطلاحی تحقیق سے معلوم ہواکہ محکم صاف و بین امر یا نہی ہوتا ہے۔ اور متشابہ ایسا

نہیں ہوتا ۔ قرآنِ مجید میں محکم اور متشابہ دونوں طرح کی آیات ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

هُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (سورۃ ال عمران-7)

ترجمہ :- وہ اللہ جس نے تم پر کتاب نازل کی ۔ اس کتاب میں جو آیات محکمات ہیں وہی اصل کتاب ہیں ۔ پس جن لوگوں کے قلوب میں کجی ہوتی ہے وہی ان آیات کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو متشابہ ہیں ۔ اور ان میں فتنہ و تاویل کی تلاش میں لگے رہتے ہیں حالانکہ اُن آیات متشابہ کی تاویل بجز اللہ اور راسخین فی العلم کے کوئی نہیں جانتا اور راسخ فی العلم وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے ہم اس پر ایمان لائے ۔

اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید میں آیاتِ محکمات اور متشابہات دونوں ہیں لیکن آیاتِ متشابہات کی تاویل کرنے کی کوشش میں نہ رہنا چاہیئے کیونکہ ان کی تاویل بجز خدائے تعالیٰ اور ان لوگوں کے جو "راسخ العلم" ہیں کوئی نہیں جانتا ۔ اس لئے متشابہ کا علم اللہ پر چھوڑ دینا چاہیئے ۔ اگرچہ کہ آیتِ مذکورہ کا مضمون بہت صاف ہے لیکن مزید معلومات کے لئے مفسرین و محدثین کی جو رائے ہے وہ بھی بیان کی جاتی ہے ۔

امام فخرالدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

فبین اللہ تعالیٰ بھذہ الآیۃ ان القراٰن مشتمل علی محکم و علی متشابہ والتمسک بالمتشابھات غیر جایز (تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 594)

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے واضح کردیا ہے کہ قرآنِ کریم محکم و متشابہ آیات پر مشتمل ہے اور آیات متشابہات سے مسائل اخذ کرنا جائز نہیں ہے ۔

اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں :-

ان الأية دلت علی ذم مبتغی المتشابه ووصفهم بالزيغ وابتغاء الفتنة وعلی مدح الذين فوضوا العلم الیٰ الله تعالیٰ و سلموا اليه كما مدح المؤمنين بالغيب۔ (اتفان جلد 2 صفحہ 3)

ترجمہ :- تحقیق کہ یہ آیت، آیاتِ متشابہات کو چاہنے والے کی برائی پر دلالت کرتی ہیں۔ اوراس کے اس وصف پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایسا کرنا حق سے باطل کی طرف پھرنا ہے اور فتنہ کی تلاش کرنا ہے۔ اور ان لوگوں کی مدح پر بھی دلالت کرتی ہے جنھوں نے ان آیاتِ متشابہ کا علم اللہ پر چھوڑ دیا اور اسے بلا تامل تسلیم کرلیا ہے۔ اور ان لوگوں کی مدح اس مقام میں اس طرح فرمائی ہے۔ جس طرح کہ غیب پر ایمان لانے والوں کی فرمائی ہے۔

بعض لوگوں نے آیاتِ متشابہات سے استدلال کرنے کی جو صورتیں نکالی ہیں امام فخر الدین رازیؒ ان کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وكل هٰذا(ای صوراستدلال امتشابهات) لا يقيد الاالظن الضعيف و التعديل علیٰ مثل هٰذا الدلايل فی مسايل القطعية محال فلهذا التحقيق المتين مذهبنا ان بعد اقامة الدلالة القطعية علی ان حمل اللفظ علیٰ الظاهر محال۔ لا يجوزالحوض فی تعين التاويل فلهذا منتهی ما حصللناه فی هٰذالباب و الله ولی الهداية والرشاد۔ (تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ597)

ترجمہ :- اور یہ سب (متشابہات پر استدلال کرنے کی صورتیں) سوائے ظنِ ضعیف کے کوئی فائدہ نہیں دیتی ہیں اوراس قسم کے دلائل کو مسائلِ قطعیہ کی طرف پھیرنا محال ہے۔ ازروئے تحقیق متین ہمارا مذہب یہ ہے کہ اس بات پر دلائلِ قطعیہ قائم کرنے کے بعدکہ لفظ کا ظاہر پر محمول کرنا محال ہے۔ تاویل کے معین کرنے میں غور و خوص کرنا جائز نہیں ہے پس ہماری تحقیق کانتیجہ اس باب میں یہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی صاحبِ ہدایت و ارشاد ہے

ملاحظہ ہوکہ مولفِ ہدیۂ مہدویہ کا تاویل درست ہونے کا دعویٰ کس حدتک درست ہے۔!!! علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس باب میں چند احادیث بھی جمع کی ہیں جن میں سے یہاں چند نقل کی جاتی ہیں :-

اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابی مالک الاشعری انه سمع رسول الله صلی الله علیه و سلم یقول لا اخاف علی امتی الا ثلاث خلال۔ ان یکثر لهم المال فیتحا سدوافیه وا ان یفتح لهم الکتاب فیاخده المؤمن یبتغیٰ تاویله و ما یعلم تاویله الاالله (اتفان جلد 2 صفحه 4)

ترجمہ :- طبرانی نے کبیر ابو مالک اشعری سے روایت کی ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپؐ نے فرمایا میری امت سے متعلق مجھے کسی بات کا ڈر نہیں ہے اگر ہے توتین اُمور کا۔ وہ یہ کہ اُن کا مال بہت زیادہ ہو جائے گا اور آپس میں رشک و حسد اور قتل وغارت کرنے لگیں گے اور قرآن کھولا جائے گا اور مومن اس کی تاویل کی کوشش کرنے لگے گا۔ حالانکہ اس کی تاویل بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

اخرج الشیخان وغیره ما عن عائشةؓ قال تلا رسول الله صلی الله علیه و سلم هٰذا الأیة هوالذی انزل علیک الکتاب الیٰ قوله اولی الالباب قالت قال رسول الله صلی الله علیه و سلم فاذا رءیت الذین یتبعون ماتشابه منه فاولٰئک الذین سمی الله فاحذرهم۔

ترجمہ :- شیخینؒ (بخاری و مسلم) اوراُن کے سوا دوسروں نے بھی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس آیت " هُوَالَّذِیٓ اَنزَلَ عَلَیۡهِ الۡکِتَابَ " کو " اُوۡلِی الۡاَلۡبَابِ " تک پڑھا بی بی عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات کی تاویل کی کوشش میں لگے رہتے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ وہی لوگ ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے " فاهذرهم " فرمایا ہے۔یعنی تم ایسے لوگوں سے بچتے رہو۔

اخرج ابن مردویه من حدیث عمربن شعیب عن ابیه عن جده عن رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم قال ان القرآن لم ینزل لیکذب بعضه بعضًا فما عرفتم منه فاعملوا به وماتشابه فآمنوا به۔۔ فهٰذا الاحادیث والاٰثار تدل علیٰ ان المتشابه مما لا یعلمه الا اللہ وان الخوض فیه مذموم۔

(اتقان جلد و صفحه 4)

ترجمہ :- ابنِ مرودیہ نے عمرو بن شعیب سے اور انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے اور انھوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ " قرآن اس لئے نہیں نازل ہوا ہے کہ اس کی بعض آیتیں بعض دوسری آیتوں کو جھٹلائیں۔یعنی ایک دوسرے کی مخالف ہوں پس جن آیات کو تم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے اُن پر عمل کرو اور جو متشابہ ہیں اُن پر ایمان رکھو۔ پس یہ تمام احادیث و آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ متشابہ کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور اس میں غور و خوص کرنا بری بات ہے۔

اِسی قسم کی اور بہت ساری احادیث نقل کرنے کے بعد جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ پس احادیث و آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ متشابہ کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور ان میں غور و خوص کرنا بری بات ہے۔

مفسرین و محدثین کی اس توضیح سے یہ امر متحقق ہے کہ قرآنِ کریم میں " محکم " اور " متشابہ " دونوں قسم کی آیات ہیں لیکن متشابہ آیات پر صرف ایمان رکھنا چاہیئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔تاویل کی کوشش جائز نہیں ہے۔ لیکن مولفِ ہدیۂ مہدویہ یہ کہتے ہیں کہ تاویل درست ہے۔ فقہا کا مسلک بھی ان کا موئید نہیں ہے۔ چنانچہ اصولِ فقہ میں متشابہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

واما المتشابه فهو مما انقطع رجاءالمراد منه و حکمه اعتقاد الحقیة قبل الاصابة (نور الانوار)

ترجمہ :- متشابہ اس کلام کا نام ہے جس کی معرفت مراد کی امید منقطع ہوگئی ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد معلوم ہونے کے پہلے ہی اس کی حقیقت پر یقین رکھے۔

بلکہ بعض فقہا تو راسخین کے متعلقین بھی اختلاف کرتے ہیں کہ اُن کو بھی متشابہ کی مراد نہیں معلوم ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان :- " وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ " ----الخ (سورۃ اٰل عمرانٰ-7) کے متعلق حنفیہ کہتے ہیں کہ " وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ " کا جملہ ختم ہو چکا۔

" وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ " دوسرا جملہ ہے۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہوئے کہ متشابہ کی تاویل بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ راسخ فی العلم ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔

اس ترکیب سے نتیجہ یہ نکلا کہ متشابہ کی تاویل راسخین بھی نہیں جانتے اور حضرت امام شافعیؒ اور عامۂ معتزلہ کہتے ہیں کہ " وَالرَّاسِخُوْنَ " کا عطف "وَمَايَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّااللّٰه" پر ہے۔ ایسی صورت میں راسخین فی العلم بھی تاویل جاننے والے ہوتے ہیں۔ اور " يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كَا مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا " جملہ ہے۔ " والراسخون فی العلم " کے کوئی نہیں جانتا جو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے اور سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔" اس ترکیب سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور وہ لوگ جو راسخ فی العلم ہیں۔ متشابہ کی تاویل جانتے ہیں۔

اس اختلاف کی تطبیق صاحبِ نورالانوار نے اس طرح بیان کی ہے کہ " جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ راسخین متشابہ کی تاویل جانتے ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ وہ ظنی تاویل جانتے ہیں۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ راسخین تاویل نہیں جانتے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی قطعی تاویل نہیں جانتے جو واجب الاعتقاد ہو"

غرض مفسرین و محدثین و فقہا کے جو شواہد ہم نے پیش کئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ تاویل نا جائز ہے اور خود قرآنِ مجید میں، تاویل کرنے والوں کی طرف قلوب کی کجی اور فتنوں کی تلاش منسوب کی گئی ہے۔ لہٰذا مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے " قرآنی عبارتوں میں تاویل درست ہونے " کا جو دعویٰ کیا تمام اہلِ سنت کا متفقہ نہیں ہے۔

جس طرح قرآنِ مجید میں آیات محکمات و متشابہات ہیں اِسی طرح احادیثِ شریفہ میں بھی ہیں اور احادیث متشابہات کا وہی حکم ہوگا جو آیاتِ متشابہات کا ہے۔ اور یہی صورت نقلیاتِ متشابہات کی بھی ہو سکتی ہے۔

اور جس طرح قرآنِ کریم میں ازروئے معنی محکم و متشابہ آیات ہونے کے باوجود، کل قرآنِ مجید بحیثیتِ قطعی الصدور " محکم " ہونے کا عقیدہ رکھنا لازم ہے اِسی طرح احادیثِ شریفہ و نقلیاتِ مبارکہ جن کی سند صحیح ہو، ازروئے معنی محکم و متشابہ ہونے کے باوجود، کل احادیث و نقلیات، کلامِ معصوم ہونے کی وجہ محکم ماننا لازم ہوگا۔ کیونکہ کل آیاتِ کلام اللہ و فرامینِ خاتمین علیہما السلام کا قطعی الصدور ہونا محکم ہے۔ اگرچہ ازروئے دلالت، محکم و متشابہ وغیرہ اقسام پائی جائیں، قرآنِ مجید میں آیات متشابہات دو قسم کی ہیں۔ بعض آیات کے معنی مطلقاً سمجھ میں نہیں آتے مثلاً حروفِ مقطعات ۔ الم ۔ حم ۔ ن ۔ وغیرہ حروف سے ترکیبِ لفظی کا فائدہ ہوتا ہے معنی کا نہیں۔ اس لئے ان حروف و مقطعات سے کوئی معنی فوراً سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اور بعض آیات کے معنی بربنائے لغت و محاورہ، زبان، سمجھ میں آ تو سکتے ہیں لیکن ان پر عمل و اعتقاد مشکل ہوتا ہے کیونکہ وہ ظاہری معنی دوسری آیاتِ محکمات کے موافق نہیں پائے جاتے۔ جیسے یَدُاللہ اللہ کا ہاتھ، "وَجھهِ اللہ "اللہ کا منہ، اَلرَّحمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی" وغیرہ۔۔۔۔۔۔ اس قسم کی آیات کو آیاتِ صفات کہتے ہیں۔ احادیث و نقلیاتِ مبارکہ میں بھی دوسری قسم پائی جاتی ہے اور ہمارے پاس راسخ فی العلم سے مراد، بلحاظِ افضلیت واُولویت، علی الترتیب حضراتِ خاتمین علیہم السلام

اور اُن کے صحابہ و تابعین رضوان اللہ عنہم اجمعین ہیں ۔ اس لئے ان حضرات سے جو تاویل و تطبیق بہ سند صحیح مروی ہو واجب التسلیم ہوگی۔۔۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس پر اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کیونکہ امورِ متشابہ کی تاویل کا علم راسخین فی العلم کو حاصل ہونا آیت "وَمَایَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ "

سے ثابت ہے ۔ اور بحیثیتِ معصوم عن الخطا ، خلیفۃ اللہ سے بڑھ کر کون "راسخ فی العلم" ہو سکتا ہے ۔ پس تاویل اگر کوئی دوسرا جان سکتا ہے تو وہ خلیفۃ اللہ کی ذات ہے ۔ اِسی لئے ؏1 " واما لتاویل فیاتیکم به الفارقلیط" میں تاویل کو حضرت مہدی علیہ السلام کی بعثت سے متعلقہ پیشگوئی میں استعمال کیا گیا ہے ۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود ** گرچہ از حلقوم عبداللہ بود (مولانا رومؒ)

اور چونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے "خیرالقرون" کی اتباع بھی اتباعِ سنت قرار دی ہے اس لئے خیرالقرون (صحابہؓ وتابعینؒ وتبع تابعینؒ) پر بھی راسخ فی العلم کا اطلاق ہو سکتا ہے کیونکہ یہ محفوظ عن الخطا ہیں ۔ اس لحاظ سے ان کی تاویل بھی واجب التسلیم ہو سکے گی ۔ لیکن عامۃ العلماء یا عام مومنین ، وجوب کے اس حکم میں داخل نہیں ہیں ۔کیونکہ صحبت وقربت کی وجہ صحابہؓ کے معلومات کا ذریعہ راست خلیفۃ اللہ کی ذات ہوتی ہے اور تابعین و تبع تابعین کو صحابہؓ سے استفادہ کا موقع حاصل رہتا ہے ان کے معلومات کا تعلق بالواسطہ خلیفۃ اللہ کے منجانب اللہ معلومات سے ہوتا ہے اس لئے ان کی اتباع کو اتباعِ سنت کہا گیا۔ اس سے قبل بعض فقہاء کا یہ قول جو بیان کیا گیا کہ "راسخین فی العلم ظنی تاویل جانتے ہیں" ۔ اس قول کو عامۃ العلماء سے متعلق سمجھنا چاہیئے ۔ علامۃ العصر مولانا سید

؏1 اس کی توضیح "ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ" آیت شریف کے تحت بیان کی گئی ہے ۔ ملاحظہ ہو حصہ توضیحات

نصرت صاحب مرحوم نے اِسی بحث کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ "ہمارے یہاں (مہدویوں کے پاس) بھی تاویل کے متعلق دو مذہب ہیں ایک سلف کا مسلک ہے جو تاویل نہیں کرتے بلکہ نفسِ حکم پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے معنی مراد یا اس کی کیفیات و تفصیلات کو اس کے متکلم کے علم پر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ اس کی تفصیل کی لا علمی سے ہمارے اجمالی اعتقاد میں ہرج واقع نہیں ہوتا۔ حضرت میاں عبدالملک سجاوندی مہدویؒ نے اپنی کتاب سراج الابصار میں اس مسئلہ کی نسبت لکھا ہے :-

مذهبنا فی المتشابهات مذهب السلف نومن بها ولا تشتغل بکیفیاتها

ترجمہ :- متشابہات کی نسبت ہمارا مذہب سلف کا مذہب ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی کیفیت سے بحث نہیں کرتے۔

دوسرا مذہب بعض متاخرین کا ہے جو ضرورت کے وقت تاویل جائز سمجھتے ہیں۔ گویا سلف کا مذہب تسلیم و تفویض ہے کیونکہ تفویض اسلم ہے اور تاویل خطا سے قریب اور کمالِ ایمان سے بعید ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے کلام پر ایمان لانے کا حکم کیا ہے نہ اس معنی پر جو ہم نے انی عقل سے تاویل کرکے نکالا ہے۔"

(کحل الجواہر در ردِ ہدیۂ مہدویہ)۔

متاخرینِ مہدویہ میں محکم و متشابہ پر جو مباحث ہوئے ہیں ان کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ فی الحقیقت اس بحث کا راست تعلق متشابہ کی تاویل سے نہیں ہے بلکہ یہ بحث صرف اس فرمانِ حضرت مہدی علیہ السلام پر پیدا ہوئی جو آپؑ نے فرمایا کہ "ورائے ترکِ دنیا ایمان نیست" یعنی ترکِ دنیا کے بغیر ایمان نہیں ہے چونکہ

اس فرمان سے ہر مہدوی کو تعلق خاطر لاحق ہو سکتا ہے اس لئے اس کی توضیح ہو جانا نہایت ضروری تھا۔ ا، سی لئے مذکورہ بحث پیش آئی حالانکہ اس فرمان کو متشابہات میں شامل کرکے بحث کرنے کی مجبوری دامنگیر نہیں ہے۔ کیونکہ کسی روایت پر از روئے اصطلاح متشابہ کا حکم اِسی وقت صحیح ہو گا جب کہ وہ حروفِ مقطعات پر مشتمل ہو یا آیاتِ صفات کے متشابہ ہو اس کی توضیح آگے ہو چکی احادیث و نقلیات میں صرف دوسری نوعیت ہی پائی جاتی ہے مثلاً حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا:۔"جو خدا ہو وہ خدا کو دیکھتا ہے۔ نیز فرمایا" بندہ کا گوشت پوست استخواں جب تک خدا نہ ہوں خدا نظر نہیں آسکتا۔"اور فرمایا" بندہ کو (یعنی خود آپؑ کو) ہر روز تازہ خدا نظر آتا ہے۔" یہ اور ایسی ہی روایات، متشابہات میں داخل کی جا سکتی ہیں لیکن " ورائے ترکِ دنیا ایمان نیست" کی یہ نوعیت نہیں ہے۔۔۔۔ولوبالفرض اس کو متشابہات سے تسلیم کرلیا جائے تو اس لحاظ سے بھی یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ متشابہات کے بارے میں حضرت مہدی علیہ السلام نے کس طریقہ پر رہبری فرمائی ہے۔ نقلیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ نے بعض آیاتِ متشابہات کے معنی ایسے خاص انداز میں بیان فرمائے ہیں کہ تاویل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ مثلاً " ید اللہ فوق ایدھم " آیتِ قرآن پر بیان کے وقت فرمایا کہ " دست خدا بر دست شما است" یعنی خدا کا ہاتھ تمہارے ہاتھ پر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا مفسرین تو " دستِ قدرت " مراد لیتے ہیں ؟ آپؑ نے فرمایا " ایشاں راچہ فہم شدہ است خدائے تعالیٰ فرمودہ است لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (سورۃ الشوریٰ-11) خدائے تعالیٰ صاحبِ دست است خامامثل کسے نیست۔ (حاشیہ شریف)

ترجمہ :- یعنی مفسرین نے یہ کیا سمجھا ہے ؟ خدائے تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس کے مانند کوئی چیز نہیں اور وہی سمیع و بصیر ہے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تو ہے مگر کسی کے جیسا نہیں ۔۔۔اِسی طرح " ورائے ترکِ دنیا

ایمان نیست" کے بارے میں غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ فی الحقیقت اس فرمان کا لفظ " ایمان" محتاجِ توضیح ہے اور یہ کوئی ایسی مشکل نہیں ۔ کیونکہ ایمان کی جو توضیحات و تشریحات ہو سکتی ہیں انکا منتہا " ذاتِ خدا " ہے ۔ اِسی لئے حضرت مہدی علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ :- " ایمان ذاتِ خدا اسست" (روایت 202) اس فرمان کی روشنی میں " ورائے ترکِ دنیا ایمان نیست" کا مطلب صاف ہو جاتا ہے کہ بغیر ترکِ دنیا کے حصولِ دیدارِ خدا ممکن نہیں اور ترکِ دنیا کی بحث میں یہی تعریف و تشریح واضح ہو چکی ہے ۔ یہ ایسی توضیح ہے جس کو امامنا علیہ السلام کے صاف و صریح فرمان کی تائید حاصل ہے اور جس سے اختلاف کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ سکتی!!!۔۔۔ بعض حضرات یہاں ایمانِ کامل و ناقص کی حیثیت سے جو استدلال کرتے ہیں اس صورت میں بھی متشابہ کی نوعیت کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا کیونکہ "آیاتِ صفات" کی تعریف منطبق نہیں ہورہی ہے ۔ البتہ اس کا " مجمل" کی قسم میں داخل کیا جا سکتا ہے ۔ اس لئے اگر اس فرمان کے دو معنی نکالے جائیں :-

(1) " ورائے ترکِ دنیا ایمان نیست" یعنی ناقص است" یا (2) " ورائے ترکِ دنیا ایمان مطلق (نفسِ ایمان) نیست یعنی کافر است" تو اس سے کلام میں ازروئے معنی دو جہتیں پائی جاتی ہیں اور یہ " مجمل" کی صورت ہے ۔ اس کی تعریف یہی ہے کہ " کلام میں ازروئے معنی کے ۔ وجوہ کا احتمال پیدا ہو جائے اور کسی وجہ کو اس وقت تک خاص نہیں کرسکتے جب تک کہ خود متکلم کے دوسرے بیان سے اس کی تفسیر یا تخصیص ثابت نہ ہو چنانچہ اصولِ فقہ میں مذکور ہے کہ :-

الجمل وھو ما احتمل وجوھا فصارا بحال لا یوقف علی المراد الابیان من قبل المتکلم

ترجمہ :- مجمل وہ ہے کہ جس میں چند وجوہ کا احتمال ہو اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب تک متکلم کی طرف سے بیان یا تفسیر نہ ہوجائے کسی مراد کو خاص نہیں کرسکتے۔

اس لحاظ سے فرمانِ مذکور میں "ایمانِ کامل نیست" یا "ایمانِ مطلق نیست" ان دو سے کسی ایک معنی کو دوسرے فرامین کی مدد سے خاص کرسکتے ہیں کیونکہ بعض آیات و روایات مجمل ۔ مخفی ۔ مشرک ۔ وغیرہ ہوا کرتی ہیں جن کی تطبیق و تخصیص آیاتِ قرآنی یا دوسری روایات سے ہوسکتی ہے ۔ لیکن اس کو متشابہ کی تاویل کی نوعیت میں شمار نہیں کیا جاسکتا ۔ احقر کے پیر و مرشد جدِ امجد عالمِ صوری و معنوی حضرت فقیر سید محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

"جو لوگ ، جن نقلیاتِ حضرت مہدی علیہ السلام میں توضیح و تشریح کی ضرورت محسوس کرتے ہوں کاش کہ تاویل کے بجائے تفسیر یا تطبیق کا لفظ یا کوئی اور لفظ استعمال کئے ہوتے ۔ اس صورت میں سب کو آسانی ہوتی اس قدر مجبوری دامنگیر نہ ہوتی ۔ کیونکہ تاویل کا لفظ اصطلاحاً متشابہ کے لئے متعارف ہے جس پر قرآنِ مجید بھی شاہد اور مانع ہے اس لئے عام روایات کی توضیح و تشریح اور تطبیق و تخصیص کے بارے میں "تاویل" کا اطلاق نہ کرنا ہی اولیٰ ہے ۔"

حاصلِ کلام یہ کہ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے بلا لحاظِ نوعیت و خصوصیت کلامِ مہدیؑ میں تاویل حرام و کفر ہونے کا الزام جو عاید کیا اس سے ان کا مقصد مہدویہ کے خلاف یہ ثابت کرنا تھا کہ " قرآن و حدیث میں تو استخراجِ احکام کی سہولتیں ہیں لیکن ان کے مہدیؑ کے کلام میں نہیں ہیں اور یہ اصولِ اہلِ سنت کے مغائر ہے ۔ اس کے برخلاف ہماری اس مختصر توضیح سے ظاہر ہے کہ یہ الزام خود مولفِ ہدیۂ مہدویہ کی عبارت فہمی اور استدلال کی غلطی کا نتیجہ ہے اور تاویل و تحویل کے بارے میں مہدویہ کے نظریات ، اصولِ اکابرِ اہلِ سنت کے مغائر نہیں ہیں ۔

****

مختصر تذکرہ

چند حضرات کا اِن اسمائے گرامی میں سے جو نقلیاتِ مبارکہ میں آئے ہیں۔

1۔ حضرت بندگی میاں سید محمود ثانیِ مہدی رضی اللہ عنہٗ :-

صحابیؓ و فرزندِ حضرت مہدی علیہ السلام ۔ تولد بمقام جونپور 867ھ وصال 4/ رمضان 918ھ مدفن بمقام بھیلوٹ علاقہ گجرات ۔ رادہن پور سے تین کوس ۔ امامنا مہدی علیہ السلام نے بطورِ تحدی پیشگوئی فرمائی تھی کہ اپنے وصال کے بعد اپنا جسدِ اطہر و انور، لحدِ مبارک میں نہ پایا جائے گا اگر پایا جائے تو بندہ مہدی ءِ موعود نہیں ۔ حضرت سید محمودؓ نے لحدِ مبارک میں لفافہ کھولا تو خالی پایا۔ باہر آئے تو آپؓ میں امامنا علیہ السلام کی شباہت پائی جانے لگی۔ حضرت سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا یہ " ثانیِ مہدیؑ " ہیں۔ اس وقت سے آپ کا لقب " ثانیِ مہدی " مشہور ہوگیا۔

2۔ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر ، بدلہَ ذاتِ حاملِ بارِ امانت صدیق ولایت سید الشہداء رضی اللہ عنہٗ :-

داماد و صحابیؓ امامنا مہدی علیہ السلام ۔ تولد 885ھ ۔ شہادت 14/ شوال بروز جمعہ 930ھ ۔ شہادت کی مزید تفصیلات حصہَ توضیحات کے بیان " قَاتَلُوا وَ قُتِلُوا " میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں ۔ مدفن بمقام سدراسن، چاپانیر

علاقہ گجرات۔

3۔ حضرت بندگی میاں شاہ نظام وحدت آشام رضی اللہ عنہٗ :-

صحابیِ مہدی علیہ السلام ۔ تولد 871ھ وفات 8/ ذی قعدہ 940ھ مدفن انودرہ "کڑی" سے تین کوس علاقۂ گجرات۔ آپؓ فاروقی ہیں ۔ مملکتِ جائیس کے والی تھے۔ ترکِ دنیا کرکے حضرت مہدی علیہ السلام کی صحبت اختیار کی ہے۔

4۔ حضرت بندگی میاں شاہ نعمت مقراضِ بدعت شہید فی سبیل اللہ رضی اللہ عنہٗ :-

صحابیِ مہدی ءِ موعود علیہ السلام۔ تولد 874ھ ۔ شہادت 22/ شعبان 935ھ مدفن بمقام لوگڈھ علاقۂ بمبی کمشٹ اسٹیشن سے (4) کوس پر سلسلۂ کوہِ سینا دری لوگڈھ نامی چوٹی کے دامن میں ۔ یہ مقام مہا گاؤں تکم کی واڑی مشہور ہے۔

5۔ حضرت بندگی میاں شاہ دلاور رضی اللہ عنہٗ :-

صحابیِ مہدی ءِ موعود علیہ السلام ۔ عمرِ شریف (80) یا (84) وصال 2/ ذی قعدہ 944ھ مدفن بورکھیڑہ خاندیس ، چالیس گاؤں جنکشن سے (13) میل اور آگے کے اسٹیشن " واگلی" سے (6) میل ۔ چالیس گاؤں سے دھولیہ لائین کے پہلے اسٹیشن جمدھا سے (13) میل۔

6۔ ام المومنین بی بی الہداتی رضی اللہ عنہا :-

حرمِ محترم حضرت امامنا مہدی علیہ السلام ۔ وفات 3/ ذی قعدہ 891ھ عمرِ شریف (36) یا (37) سال۔

مدفن دامنِ کوہِ پاداگڈھ المشہور " ڈونگری" چاپانیر علاقہ گجرات، ایک توڑے کی مسجد سے قریب سمتِ مشرق۔ تربت کا نشان نہیں ہے۔

7۔ ام المومنین بی بی ملکان رضی اللہ عنہا :-

حرمِ محترم حضرت امامنا مہدی علیہ السلام و دختر حضرت بندگی میاں لاڑشہؒ صدیقی صحابیِ امامنا علیہ السلام۔ آپؓ ماہرِ نقلیات و معانیِ قرآن تھیں۔ وفات حضرت بندگی میاں شاب الدینؒ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی۔ 9/ ربیع الاول بروایتے 9/ جمادی الاولیٰ۔ مدفن بھیلوٹ۔ ریاست رادہن پور۔

8۔ ام المومنین بی بی بونجی رضی اللہ عنہا :-

حرمِ محترم حضرت امامنا مہدی علیہ السلام۔ آپؓ فاروقی ہیں۔ امامنا علیہ السلام سے عقدِ ثانی بمقام ٹھٹھ علاقۂ سندھ 908ھ میں ہوا۔ وفات 3/ ربیع الاول۔ مدفن احمدآباد۔ علاقۂ بمبئی۔

9۔ بی بی ہدیۃ اللہ عرف ہدنجی بی بی رضی اللہ عنہا :-

دختر امامنا مہدی علیہ السلام۔ وفات 13/ ربیع الاول مدفن پچھونڈ۔ احمد نگر سے (13) میل۔ یہ بہت بڑا خطیرہ ہے۔

10۔ حضرت بندگی میاں ملک جیو رضی اللہ عنہٗ :-

صحابیؓ مہدی ءِ موعود علیہ السلام۔ تاریخِ وفات 19/ محرم۔ مدفن سلار پچھونڈ۔ احمد نگر۔

11۔ حضرت بندگی میاں لاڑشہ رضی اللہ عنہٗ :-

صحابیؓ و خسر مہدی علیہ السلام۔ والد ام المومنین بی بی ملکانؓ ۔ وصال 9/ ربیع الاول۔

12۔ حضرت بندگی میاں سید سلام اللہ رضی اللہ عنہٗ :-

صحابیؓ و برادرِ نسبتی یعنے برادرِ حضرت بی بی الہداتیؓ ۔ وصال 20/ ربیع الاول ۔ مدفن بھیلوٹ۔

13۔ حضرت بندگی میاں ابوبکر رضی اللہ عنہٗ :-

صحابیؓ و دامادِ حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام۔ وصال 26/ ربیع الثانی ۔ مدفن فتح گڈھ۔ درمیان رادھن پور و بھیلوٹ۔

14۔ حضرت بندگی میاں سید حمید رضی اللہ عنہٗ :-

فرزندِ امامنا مہدی علیہ السلام آپؑ کے ساتھ ملک عبدالطیف المخاطب بہ شرزہ خاں برادر ملک شرف الدین شہیدؒ

15۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا :-

دختر امامنا مہدی علیہ السلام و حرمِ محترم حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ عمرِ شریف (51) سال وفات

2/ رجب 928ھ ۔ مدفن کھانبیل ریاست بڑودہ۔

16۔ بی بی کدبانو رضی اللہ عنہا :-

حرمِ محترم حضرت بندگی میاں سید محمود ثانیِ مہدی رضی اللہ عنہٗ صدیقی ہیں ۔ وفات 26/ رجب ۔ مدفن بھیلوٹ (گجرات)

17 ۔ حضرت بندگی میاں ملک الہداد خلیفہ گروہ رضی اللہ عنہٗ :-

امامنا مہدی علیہ السلام کے بعد پانچوں صحابہؓ سے استفاضہ کا موقع ملا ہے ۔ صدیق ولایتؑ سے بیعت کے بعد آپ ہی کی صحبت میں رہے ہیں اور شہادت کے بعد صدیق ولایتؑ کی اولاد و اہلِ دائرہ سب آپ ہی کے زیر تربیت و زیرِنگرانی رہے ہیں ۔ تاریخ وفات 14/ رمضان 945ھ مادۂ تاریخ " دلِ خوندمیر " ہے ۔ مدفن نڈی آوٗ جنگش سے کپڈونج اسٹیشن ۔ وہاں سے ڈیڑھ میل پر پے یہ خطیرہ چوڑی گروں کے قبرستان کے نام سے مشہور ہے ۔

****

فہرستِ شہدائے بدرِ ولایت

بمقام کھانبیل ۔ موقوعہ 12/ شوال 930ھ سنہ مطابق 13/ اگسٹ 1524ء سنہ روز چہار شنبہ

(1)۔ میاں سید یعقوب دامادِ قاضی خاں

(2)۔ میاں شاہ جی واپچی قریب احمدآباد

(3)۔ میاں تاجن ساکنِ "اسادل" قریب بھروج

(4)۔ میاں تاج الدین جالوری

(5)۔ میاں حسام الدین پٹنی

(6)۔ میاں قطب الدین بن رفیع الدین

(7)۔ میاں کالابن یوسف (برادر میاں ولی جی غازی) منصف انصان نامہ

(8)۔ میاں پیر محمد بن میاں عطا

(9)۔ میاں پیر محمد ملتانی

(10)۔ میاں حسام الدین ماژندراہ

(11)۔ میاں احمد بن شمن (شمس الدین)

(12)۔ میاں قاسم بن شمن

(13)۔ میاں محمود بنگالی

(14)۔ میاں محمود مہر تراش

(15)۔ میاں خاں کھانگر

(16)۔ میاں سلیمان جالوری

(17)۔ میاں حاجی سلیمان سندھی

(18)۔ میاں بہا الدین ہندوستانی

(19)۔ میاں حسن بن میاں بھائی مہاجرؒ

(20)۔ میاں بھائی منگلوری (علاقہ کاٹھیاواڑ)

(21)۔ میاں بڑا بن یوسف (دفترِ اول)

ایضاً: میاں پیر جی بن یوسف (خاتمِ سلیمانی)

(22)۔ میاں شاہ جی سیاہ (دفترِ اول)

میاں شیخ جی سیاہ (خاتمِ سلیمانی)

(23)۔ میاں سدھن ہندوستانی (اصل) میں سعدالدین تھا پھر سعدَ ہوا۔ پھر سعدن پھر اور بھی بگڑ کر سدھن ہوگیا۔

(24)۔ میاں ابراہیم ہندوستانی

(25)۔ میاں یوسف برادر میاں علی

(26)۔ میاں بڈھو

(27)۔ میاں لاڑ ساکن ڈبھوئی

(28) میاں (سید) حسان مزین (حجام) جالوری

(29)۔ میاں آدھن ہندوستانی (اصل میں سعادۃ اللہ تھا پھر سعادت پھر عادت۔ پھر عادن۔ پھر آدھن ہوگیا۔)

(30)۔ میاں چھتہ بلوچ (اصل میں شہ تاج تھا۔ شہ کا جدل بقاعدہ پراکرت چھ اور تاج کا مخفف شہ یوں میاں شہ تاج بگڑ کر چھتہ ہوگیا۔ جیسے کشتری (کھوڑی) کا چھتری بمعنی سپاہی قوم جیسے راجپوت وغیرہ)

(31)۔ میاں پیرجی جمشید

(32)۔ میاں شمس الدین ہندوستانی

(33)۔ میاں کمال الدین ہندوستانی

(34)۔ میاں علاء الدین دلوانی

(35)۔ میاں ابراہیم بن راجن (راج محمد)

(36)۔ میاں حسن بن فیروز

(37)۔ میاں حسن بن علی

(38)۔ میاں جمال الدین ہندوستانی

(39)۔ میاں ملک جی دایبجی

(40)۔ میاں عبداللہ ملتانی

(41)۔ میاں ابراہیم ملتانی ع1

ع1 فہرست میں شہداء میں ساٹھ سوار اور چالیس پیادے تھے۔ حضرت صدیق ولایتؓ نے دائرہ کی چھوٹی پھاٹک پر گول خط کھینچ کر ان چالیس پیادوں کو اس حلقہ میں رکھا تھا۔ نہیں معلوم چالیس کے اکتالیس کیسے ہوگئے! کتبِ نقلیات میں ایک کے اضافہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

بمقام سدراسن

موقوعہ 14/ شوال 930ھ مطابق 15/ اگسٹ 1524ء روز جمعہ

(1)۔ بندگی میاں سید خوندمیر سید الشہداء صدیق ولایت حاملِ بارِ امانتؓ

(2)۔ بندگی میاں سید جلال بن حضرت صدیق ولایت

(3)۔ بندگی میاں سید عطن (عطاء اللہ) برادر حضرت صدیق ولایتؓ

(4)۔ بندگی ملک حماد بن ملک احمد المبشر بہ "بخشیندہ" ابنِ ملک یعقوب باڑی وال المبشر بہ "امرت بیل"

(5)۔ بندگی میاں سید خانجی۔ المبشر بہ برادرِ "حقیقی" از لسانِ حضرت صدیق ولایتؓ، ابن سید عمر از اولاد حضرت سید محمد گیسودرازؒ بلند پرواز (گلبرگہ شریف)

(6)۔ بندگی میاں ملک جی المتخلص بہ مہریؔ صحابیؓ مہدیؑ (و دامادِ حضرت صدیق ولایتؓ) بن خواجہ طٰہٰ

(7)۔ بندگی ملک اسماعیل کاکربجی (داماد حضرت صدیق ولایت) بن ملک حسن

(8)۔ بندگی ملک یعقوب کاکربجی برادر نمبر (7)

(9)۔ بندگی ملک گوہر شہ پولادی

(10)۔ بندگی ملک شرف الدین۔ (سابق جاگیردارِ سدراسن) بن مکل محمد بن ملک یعقوب۔ "امرت بیل"

(11)۔بندگی ملک میاں جی بیانوی (خسر حضرت صدیق ولایتؓ قبر پٹن میں بقولِ مصنف خاتم سلیمانی) بن ملک میرانجی

(12)۔بندگی میاں ابراہیم خاں بن سکندر خاں (سابق شہزادہ لاک ستواس)

(13)۔بندگی ملک میرانجی بن بندگی ملک بخن باڑی وال (دفترِاول)

(14)۔بندگی میاں سید جلال

(15)۔بندگی میاں اسماعیل } ساکنانِ قصبۂ دان سیج

(16)۔بندگی میاں سید شہاب الدین بن قطب الدین

(17)۔بندگی میاں رحمتہ اللہ بن میاں دولت

(18)۔بندگی میاں بخن ساکن قصبۂ سارسا علاقۂ بھروچ

(19)۔بندگی میاں محمود شاہ ساکن سارسا

(20)۔بندگی میاں چاند ساپنوری (علاقۂ مارواڑ)

(21)۔بندگی میاں یوسف بن میاں احمد

(22)۔بندگی میاں یوسف لنگاہ (لنگھا)

(23)۔بندگی میاں سلطان شاہ جالوری

(24)۔ بندگی میاں فیروز شاہ بن حمزہ جالوری

(25)۔ بندگی میاں معین الدین

(26)۔ بندگی میاں نظام الدین

(27)۔ بندگی میاں تاجن (تاج الدین) خراد

(28)۔ بندگی میاں عمر

(29)۔ بندگی میاں جلال بن مجھن (اصل میں مجاہد تھا بگڑ کر مجھو ہوا۔ پھر اور بھی زیادہ پیار میں مجھن ہوگیا)

(30)۔ بندگی میاں شمن (شمس الدین)

(31)۔ بندگی میاں حاجی بن میاں طاہر

(32)۔ بندگی میاں عبداللہ سندھی

(33)۔ بندگی میاں میاں خاں

(34)۔ بندگی میاں کبیر محمد ساکن کھمبات مبشرِ حضرت صدیق ولایتؓ

(35)۔ بندگی میاں شیخ حمید بن قاضی خاں

(36)۔ بندگی میاں سندھو ساکن پٹن

(37)۔ بندگی میاں علی آخوند (معلم الصبیان)

(38)۔ بندگی میاں قاسم برادرِ میاں احمد (نمبر11) فہرستِ شہدائے کھانبیل)

(39)۔ بندگی میاں احمد شاہ ترکھیجی پورہ احمدآباد

(40)۔ بندگی میاں سیدی بلال

(41)۔ بندگی میاں سیدی یاقوت

(42)۔ بندگی میاں عالم خراسانی

(43)۔ بندگی میاں حاجی محمد خراسانی

(44)۔ بندگی میاں ابوالخیر ملتانی

(45)۔ بندگی میاں اسحاق بھورج مہاجر

(46)۔ بندگی میاں زین الدین سابق عہدہ دار سدراسن

(47)۔ بندگی میاں علاء الدین بن میاں خاں

(48)۔ بندگی میاں بخشو (خدابخش یا محمد بخش) برادر میاں یوسف مہاجر

(49)۔ بندگی میاں بخشو بن میاں بڑا

(50)۔ بندگی میاں ابراہیم داماد میاں خاں کمانگر

(51)۔ بندگی میاں پیرجی المقلب بہ " برجہ "

(52)۔ بندگی میاں نظام محمد

(53)۔ بندگی میاں شیخ جی کھمباتی برادرِ کلان بندگی میاں کبیر محمد (نمبر34)

(54)۔بندگی میاں مجھن مجاہدالدین پٹنی

(55)۔ بندگی میاں میرن پٹنی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

دو انگریز بھائی مسمیان میاں کبیر محمد کنول فروش اور میاں اسماعیل رنگریز جن کو بندگی میاں رضی اللہ عنہٗ نے بشارت " امام شہادت " سے مبشر فرمایا تھا۔

میاں ملک بڑا کاکربجی جو بدگی میاںؓ کے فرمان سے لشکرِ سلطانی میں ٹھیرے رہے تھے عیم الملک کو دوسری دفعہ طعنہ دینے پر راستہ ہی میں عین الملک کے حکم سے شہید کر دیئے گئے۔

ملک راجے بن ملک بخن ملتانی۔ جاگیردار موضع دساڑہ جن کو بندگی میاںؒ نے ارشاد فرمایاکہ " تم دساڑے ہی میں رہو اور کفار سے لڑکر شہید ہو جاوٴ۔ تم ہم میں ہو۔ چنانچہ حسبِ بشارتِ جنگ کھانبیل ہی کے روز شہید ہو گئے۔
(خاتمِ سلیمانی)

(کُل) 41+55+4=100 رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

* * * * * * * * * * *

بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ کے دائرہ میں (900) نو سو فقراء تھے جو لوگ حسب فہرست شریکِ جنگ ہونے والے تھے اُن کے سوا کل فقراء سے حضرت صدیق ولایتؓ نے فرمادیا تھاکہ آغازِ جنگ سے تین روز پہلے دائرہ سے منتقل ہوجائیں اگر نہ گئے تو منافقی کا حکم صادر ہوگا (کیوں کہ حکم کی خلاف ورزی ہوتی) اس لئے سب فقراء منتقل ہوگئے۔ اور اہلِ بیت حضرت مہدی علیہ السلام کو بندگی میاںؓ نے پٹن بھجوا دیا۔ اب صرف سو غازی اور شہید ہونے والے فقراء دائرہ میں رہ گئے۔ 100 سو نے تو شربتِ شہادت پی لیا۔ باقی 100 سو مجاہدین ہدیتِ خلق کے لے حکمتِ الٰہی سے زندہ رہے۔ (سراجِ منیر 277)

حصۂ **نقلیات** میں حضرت صدیق ولایتؓ کے جنگ کے جو واقعات بیان ہوئے ہیں ملاحظہ ہو از صفحہ ( ) اور

حصۂ **توضیحات** میں ان واقعات اور ان کے متعلقات پر جو بحث کی گئی ہے ملاحظہ ہو از صفحہ ( ) اس جنگ میں حسب بشارتِ ایزدی شہید ہونے والے سو (100) حضرات کی یہ فہرست ہے جس کو ہم نے "سراجِ منیر" سے من و عن یہاں درج کیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ مذہبِ مہدویہ کن کن مقامات پر پہنچ چکا تھا اور کن کن مقامات کے لوگوں نے تصدیق کا شرف حاصل کیا۔ اور بلند مرتبے پائے تھے۔ اور یہ معلومات صرف سو (100) نفوسِ مطہرہ کی فہرست تک محدود ہیں۔ اس پر سے لاکھوں مہدویوں کے بارے میں تبلیغِ مذہب کا اندازہ بآسانی ہو سکتا ہے۔ اور یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ صدیق ولایتؓ کے سرِ مبارک کی قربانی مع یک صد سر اللہ تعالیٰ نے جو قبول فرمائی تھی تکمیل پاچکی۔

فقیر ابو سعید سید محمود غفرلہٗ

ناشر کی طرف سے !

مجلسِ نوجوانانِ مہدویہ (قطبی گوڑہ) کی جانب سے کتابِ ہذا کو فخر و مسرت کے ساتھ پیش کرتے ہوئے مجلس اور اشاعتِ کتب کی تقریب کا مختصر تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ ماہِ جمادی الاولیٰ 1363ھ ہجری میں بہ سلسلۂ میلادِ مبارک امامِ آخر الزماں خلیفۃ الرحمان حضرت مہدی ءِ موعود علیہ السلام، اشاعتِ مذہب اور دینی تعلیم کی غرض سے، زیرِ سرپرستی و صدارت اسعد العلماء پیر و مرشد حضرت فقیر ابو سعید سید محمود ادام اللہ فیوضھم۔ مجلسِ ہذا کا قیام عمل میں آیا۔ مجلس کی جانب سے ہر ہفتہ جلسہ ہائے تقاریر منعقد ہوتے رہے اور نوجوانانِ ملت جن میں طلبۂ فوقانیہ و کلیات بھی شامل ہیں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

ونیز جلسہ ہائے عام میلادِ شریف وغیرہ کا انعقاد بھی عمل میں آتا رہا ہے۔ تعلیم (زبانِ عربی کے درسوں کا سلسلہ بھی عرصۂ دراز سے جاری ہے جس سے مہدوی اور دیگر مسلمان نوجوانوں نے خاطر خواہ استفادہ کیا اور کررہے ہیں۔ اس سے قبل بھی جب کہ مدرسہ سجادگان جاری تھا، حضرت مدظلہٗ نے بحیثیت ناظم جو خدمات انجام دی ہیں، وہ معتمد صاحب مدرسہ کی مطبوعہ رپورٹوں سے ظاہر ہیں، جن میں نتائجِ تعلیم اور علمائے قوم کی آراء بھی درج ہیں۔

مجلسِ ہذا کے جلسوں وغیرہ کے انتظامات میں، مولوی سید علی صاحب برتر خوندمیری بی۔اے مددگار سٹی کالج و معتمدِ مجلسِ ہذا نے ان تھک کوششیں فرمائی ہیں۔

قیامِ مجلس کے دوسرے سال 20/ جمادی الاولیٰ 1364ھ ہجری سے، فرامین ونقلیاتِ حضرت امام علیہ السلام کا درس ہر پنچشنبہ کو ہونے لگا۔ جس کا سلسلہ ایک سال سے زیادہ عرصہ تک جاری رہا۔ حضرت پیر و مرشد اسعد

العلماء مدظلہم کی عالمانہ تشریح اور دلکش تفہیم کے باعث مقامی افراد کے سوا دیگر مقامات کے حضرات بھی شریکِ درس رہنے لگے۔

شرکاءِ درس نے ایسی کتاب کی اہمیت و ضرورت کو محوس کرکے طباعت و اشاعتِ کتاب پر اصرار کیا و نیز بعض حضرات نے اسی جلسہ میں رقمی امداد کا پیشکش کیا۔ اور دیگر ہمدردانِ قوم و مذہب نے بھی اس مبارک کام میں جو ہاتھ بٹایا ہے اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

ا۔ کتاب کے کام کا آغاز ہوا تو جناب یوسف صاحب تصورؔ نے اخراجاتِ طباعت کے لئے یہ تدبیر اختیار کرنے کی کوشش کی کہ ہر شخص حسبِ استطاعت تا زمانہ تکمیلِ طباعت ہر ماہ ٹپہ خانہ میں رقم جمع کرے۔ رقم حضرت پیرومرشد مدظلہم کے نام پر جمع کی گئی۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(1) جناب مولوی دولت خاں صاحب شررؔ /5 عاں (عاں کلدار) (2) جناب مولوی قاسم صاحب (محاسب یتیم خانہ سرور نگر (عہ) (3) جناب مولوی سید یوسف صاحب تصورؔ (ے) ۔ جملہ (لے) یہ رقم جناب تصورؔ صاحب کے ذریعہ جمع کی گئی اور اب تک واپس نہیں ہوئی کاروائی جاری ہے لیکن جناب تصورؔ صاحب نے اپنے پاس سے یہ رقم خود دے دی ہے۔

ب۔ اس کے علاوہ حسب، ذیل حضرات نے فی سبیل اللہ حصہ لیا ہے۔

(1) جناب مولوی سید عبدالقادر صاحب وائس پرنسپل بہادر خاں ٹکنکل کالج (ے) (2) جناب مولوی میاں عبدالحفیظ صاحب۔ بی۔اے۔ سابق دوم تعلقدار (ماء) (3) جناب مولوی عبدالواحد صاحب سوداگر پارچہ (ماء) (4) جناب

مولوی حبیب خاں صاحب وفاَ فاروقی نبیرہ جناب مولوی منور خاں صاحب صدر محاسب مرحوم (ماء) (5) جناب مولوی صاحب سید حسین صاحب بی ۔ اے اہلِ مصدق آباد انسپکٹر انجمن امدادِ باہمی) (6) جناب مولوی عبدالحمید خاں صاحب منصب دار سکندر آبادی (ماء) (7) جناب مولوی سید خوندمیر صاحب تشریف اللّٰہی منتظم دفتر نظامت حسابات (ماء) (8) جناب مولوی ڈاکٹر سید یوسف تشریف اللہ ۔ ایم ۔ بی ۔ بی ۔ ایس (ماء) (9) جناب مولوی محمد احمد علی خاں صاحب زمین دار (ماء) (10) جناب مولوی سید شریف صاحب مستاجر چوپنیہ ساکن نظام آباد (ماء) (11) جناب مولوی ڈاکٹر حیدو میاں صاحب اہلِ کرنول (ماء) سکہ عربغرض ایصال ثواب والدۂ مرحومہ بہ انتقال 20 / مارچ 1050ء ۔ یوم دوشنبہ) جملہ میزان (امالہ للعٰ) مبلغ ایک ہزار ایک سو اکتالیس روپیے دس آنے سکہ ء۔

ج۔ ابتداء میں اخراجات کا تخمینہ مع جلد بندی دیڑھ ہزار روپیے تھا۔ لیکن کام آگے بڑھ جانے سے تقریباً ڈھائی ہزار روپیے خرچہ عاید ہوا ہے ۔ جس کی تکمیل کے لئے مولوی سید قاسم صاحب محاسب یتیم خانہ سرور نگر نے جدوجہد کی ۔ اور نواب محمد ماندور خاں صاحب سے جن کو قومی مفادات کا زیادہ شغف ہے ۔ چھ سو روپیے بطورِ قرضِ حسنہ 6/ ماہ کی مدت میں واپسی کے وعدہ پر لینا طئے پایا۔ اور نواب صاحب کے پیر و مرشد حضرت فقیر اشرف میاں صاحب اہلِ دائرہ نو نے بھی اس کوشش میں بہت زیادہ حصہ لیا اور یہ رقم انھیں کے ذریعہ بتاریخ 22 / ذی قعدہ 1359ھ وصول ہوئی مذکورہ بالا رقم ناکافی ہونے پر ایک صاحبِ خیر نے مزید قرضہ حسنہ کی فراہمی میں حصہ لیا۔

د۔ طباعت کا انتظام جمہور پرنٹنگ پریس واقع بگل کنٹہ میں کیا گیا تھا لیکن مالکِ مطبع کی ناتجربہ کاری و عدم صلاحیت کے باعث سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ کتابِ ہذا کا دو جز کاغذ پوری گیا تقریباً دیڑھ فارم غائب کردیئے گئے۔ دو جز کی طباعت پانچ سو کے بجائے ہزار کی تعداد میں کی گئی اس طرح تخمیناً دیڑ سو روپیے کا نقصان ہوا۔ طباعتِ

کتاب میں تاخیر ہوگئی۔ اس طرح ایک سال دو مہینے کی (تاخیر) تعویق کے بعد مطبع ابراہیمیہ عابد روڈ میں منتقل کیا گیاجہاں بہ اطمینان تکمیل پایا۔ اگر کا بروقت ہوتا توکتابِ ہذا ایک سال قبل شایع ہوچکی ہوتی۔ چنانچہ نقلیات کے ختم پر محرم 1369ھ چھپا ہے۔ مزید مشکل یہ پیش آئی کہ حسبِ وعدہ چھ ماہ کی مدت ختم ہونے پر نواب صاحب کی رقم واپس کرنی ضروری تھی اس لئے متبادل انتظام کرکے رقم واپس کردی گئی۔ اور طباعت کا کام جاری رکھا گیا۔ اس جدوجہد میں بھی مذکورالصدر صاحبِ خیر نے حصہ لیا ہے۔ ان گوناگوں مشکلات کے باوجود کام تکمیل تک پہنچایا گیا۔ اور خدوندِ قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجلس کا شعبۂ نشر و اشاعت ایسی بلند پایہ کتاب مشتاقوں کے آگے پیش کررہاہے۔

حضرت مدظلہٗ کے پیشِ نظر طبقۂ سلف کے بعض رسائل اور حضرت علامہ قاضی منتخب الدین جونیری کی ضخیم کتاب "مخزن الدلائل" کی اشاعت بھی ہے۔ جن کی تیاری شروع کردی گئی ہے۔ یہ جلیل القدر کتابیں عربی زبان میں ہیں اور ثبوتِ مہدیت پر بلند معیار کی حامل ہیں۔ ادائی قرض کے بعد جو رقم بچ رہے گی ان کتب کی اشاعت میں صرف کی جائے گی۔ انشاءاللہ المستعان۔

ان تمام حضرات کا جنھوں نے دامے درمے سخنے اس کارِ خیر میں امداد فرمائی ہے مجلس کی جانب سے شکریہ اداکیا جاتا ہے۔ خداوندِتعالی جزائے دارین عطا فرمائے۔آمین !

سید افتخار اعجاز بی۔ اے۔ عثمانیہ

معتمدِ شعبۂ اشاعتِ مجلس